

رسائل مسئلہ تکفیر

مسئلہ تکفیر کو آسان فہم انداز میں بیان کرنے والے رسائل کا مجموعہ

فہرست

باب اول: سرطان العصر فتنہ تکفیر۔۔۔ابو محمد سلفی حفظہ اللہ

باب دوم: تم کافر ہو۔۔! (ضوابط تکفیر)۔ جابر علی عسکری حفظہ اللہ

باب سوم: کیا پاکستانی حکام و عدلیہ کافر ہیں؟۔ جابر علی عسکری حفظہ اللہ

باب چہارم: مسئلہ تحکیم اور تکفیریوں کی گمراہی کے اسباب۔ ابو محمد سلفی حفظہ اللہ

باب پنجم: کیا دستور پاکستان کفریہ ہے؟ ایک تحقیقی جائزہ۔ جابر علی عسکری حفظہ اللہ

باب ششم: کفار سے تعاون اور فتنہ تکفیر- شیخ ابو عبد الرحمن حفظہ اللہ

باب ہفتم: مسئلہ الولاولبرا اور عصر حاضر کی انتہا پسندی۔ الشیخ حاتم شریف حفظہ اللہ

باب ہشتم: طاغوت۔ ابو محمد سلفی حفظہ اللہ

باب نہم: شیخ محمد بن عبد الوہابؒ اور فتنہ تکفیر

باب دہم: سید قطب کا عقیدہ و منہج

علماحق کی نظر میں-ابو حذیفہ کاشف حفظہ اللہ

باب گیارہ: مسئلہ تکفیر پر اک طائرانہ نظر (خلاصہ مسئلہ تکفیر)۔ ابو حذیفہ حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تکفیر کا مسئلہ قرآن و سنت، اور سلف کے آثار سے بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، دور حاضر میں لفظ "تکفیر" بہت زیادہ بیان کیا جاتا ہے، لیکن اس کو سمجھنے اور سمجھانے والے بہت کم ہیں، شاید اسی وجہ سے یہ مسئلہ تکفیر "فتنہ تکفیر" بن گیا ہے، اور اس فتنے کی زد میں زیادہ تر دین دار طبقہ ہی آیا، جس نے بہت سے زاہد، عابد، مجاہد اور دینی غیرت رکھنے والے افراد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جس نے ایک طرف تو دین سے لگاؤ رکھنے والے ایک بہت بڑے طبقے کو نبوی منہج سے دور کیا، وہیں عالم کفر کے سامنے اسلام کو بدنام کیا۔

اس مسئلے کو اردو میں سمجھانے کے لیے گزشتہ چند سالوں سے بہت سی کتب سامنے آئی ہیں۔ کیونکہ اس مسئلے کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے بہت سے پہلوؤں کو زیر بحث لایا جانا لازمی ہے، لہذا ایک شخص کو مسئلہ تکفیر کے ہر پہلو پر آگہی حاصل کرنے کے لیے مارکیٹ میں بہت سی کتب اکھٹی کرنا پڑتی تھیں، اور یہ بھی ایک بڑی الجھن پیدا ہوتی تھی کہ اس مسئلے کے کس پہلو کا پہلے مطالعہ کیا جائے اور کس کا بعد میں؟ اور مخالفین کی طرف سے پیش کئے جانے والے دلائل کس نوعیت کے ہیں اور ان کا مدلل جواب کیا ہے؟ یہ وہ ساری مشکلات تھیں جو ایک قاری کو مسئلہ تکفیر پر مطالعہ کے دوران پیش آتی تھیں۔

ان تمام مشکلات سے دوچار قارئین کے لیے خوشخبری ہے کہ اب آپ کی ان تمام مشکلات کا حل ہم نے "مقالات تکفیر" کے نام سے اس مجموعہ رسائل کی شکل میں کیا ہے، جس میں آپ کو اس مسئلے کو سمجھانے کے لیے انتہائی آسان زبان میں مواد جمع کیا گیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس مسئلے کو سمجھانے کی جو ترتیب ہے، جو آج تک نہ اپنانے کی وجہ سے مسئلہ ہمیشہ ہی الجھن کا شکار رہا ہے، اس ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تاکہ قاری ایک موضوع کا مطالعہ کر کے دوسرے موضوع کا مطالعہ شروع کرے تو پہلا موضوع اس کو مکمل طور پر سمجھ بھی آجائے اور اگلے موضوع کو سمجھانے میں معاون بھی ثابت ہو۔

اس کے لیے ہم نے پہلے باب میں مسئلہ تکفیر کی حساسیت اور عام آدمی کا اس قسم کے موضوع پر ردعمل بیان کیا ہے۔

دوسرے باب میں مسئلہ تکفیر کو سمجھنے کے اصول اور قوانین بیان کئے ہیں، اور کسی کو کافر قرار دینے یا دائرہ اسلام سے خارج کر کے مرتد قرار دینے کے لیے جن جن اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے ان پر تفصیلی بحث کی ہے۔

تیسرے باب میں پاکستان میں تکفیری حضرات کی اس فکر اور پروپیگنڈے کا مدلل رد کیا ہے جس کی بنیاد پر وہ پاکستانی حکمرانوں اور عدالتوں کو کفریہ قرار دے کر پورے ملک میں اپنے قتل وغارت کا جواز پیش کرتے ہیں۔

چوتھے باب میں اسی مسئلے کو تفصیل سے سمجھانے کے لیے مسئلہ تحکیم یعنی اللہ کے قوانین کے خلاف فیصلے کرنے والوں کو شریعت کے ترازو میں تولہ گیاہے،اور ان نکات کو بھی زیر بحث لایا گیاہے جن کو نا سمجھنے کی وجہ سے تکفیری لوگ گمراہ ہوئے ہیں۔

پانچویں باب میں ایک معترض کی جانب سے آئین پاکستان کو کفریہ قرار دینے والی کتاب کارد ہے۔ دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیاہے کہ خرابیاں اور کمی کوہتاہی ہونے کے باوجود دستور پاکستان کو کفریہ قرار دیناغلو ہے۔!!

چھٹے باب میں کفار کے ساتھ تعاون کرنے والوں کے بارے تفصیل سے بیان کیا گیاہے، کہ وہ کون سی صورتیں ہیں جن میں کفار سے تعاون سبب ارتداد نہیں بنتا،جنکو اکثر تکفیر میں غلو کا شکار یہ گروہ پس پشت ڈال کر موجودہ حکام کی تکفیر کرتاہے اور انکے خلاف قتال کے فتوے دیتاہے۔کتاب کے آخر میں نہایت شاندار دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیاہے کہ حقیقت میں پاکستان نے افغان مجاہدین کا ساتھ دیانہ کہ امریکہ کا۔!!!

ساتویں باب میں دوستی دوشمنی کے معیار کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیاہے،اور اس کے ساتھ ہی اس مسئلے میں تکفیری حضرات کس حد تک گمراہ ہوئے ہیں اس کی بھی تفصیل بیان کی گئ ہے۔

آٹھویں باب میں ایک اہم مسئلہ یعنی طاغوت کون ہے؟کس قسم کے عقائد انسان کو طاغوت بنادیتے ہیں؟طاغوت کی مثالیں اور دورِ حاضر میں طاغوت کون ہیں؟طاغوت کے بارے قرآن وسنت اور آثار سلف میں جو احکام وارد ہوئے ہیں ان کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیاہے۔اور

کیا موجودہ حکام طاغوت ہیں یا نہیں۔۔!!!اس مسئلے کو بھی واضح کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ ابن تیمیہؒ کی زندگی سے تکفیری حضرات جن باتوں کو غلط ملط کر کے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔اس کے علاوہ عصر حاضر کے معروف سلفی عالم دین الشیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ کے فتاویٰ اور تکفیری فکر کے افراد سے اظہار برات کا فتویٰ بھی پیش کیا گیا ہے۔

نویں باب میں قاطع شرک وبدعت محسن انسانیت محمد بن عبد الوہابؒ کی سیرت کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے جن کو آج تک چھپایا ہی جاتا رہا، الٹا انہی کی سیرت سے من گھڑت واقعات منسوب کر کے ان سے اپنے قتل اور فساد کے جواز پیش کئے جاتے رہے تھے۔

دسویں باب میں سید قطب کہ جسکے بارے بہت سے علما حق بھی غلط فہمی کا شکار ہیں کے عقیدہ و منہج کو واضح کیا گیا ہے۔یہ وہ ہستی ہیں کہ جنکا لٹریچر پڑھ کر بہت سے لوگ پڑھ کر بہت سے لوگ فتنہ تکفیر کا شکار ہوئے۔یہ مقالہ پڑھ کر ایک عامی طالبعلم بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سید قطب کا عقیدہ و منہج اہل حق والا نہیں۔!

گیارویں اور آخری باب میں دریا کو کوزے میں بند کرنے والی تحریر مسئلہ تکفیر پر ایک طائرانہ نظر کے نام سے پیش کی گئی ہے جس میں وہ تمام موضوعات جن کو مسئلہ تکفیر سمجھنے کے لیے پڑھنا ضروری ہے، ان کو ایک خلاصہ کی صورت میں نہایت آسان فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔یہ بات کہنے میں مبالغہ نہ ہو گا کہ یہ تحریر اس کتاب کے پچھلے

تمام ابواب کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ ایک قاری اس تحریر کو پڑھ کر با آسانی مسئلہ تکفیر کی تمام پیچیدگیوں کو سمجھ سکتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے مختلف مصنفین کے رسائل کو جمع کیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین ان تمام موضوعات کو ایک ہی کتاب میں موجود پا کر جہاں اپنی تحقیق اور مطالعہ کی پیاس بجھائیں گے وہیں ان تمام افراد کو اپنی خصوصی دعاؤں میں بھی یاد رکھیں گے جنہوں نے اس کتاب کو آپ تک پہنچانے کے لیے کسی مرحلے میں بھی کوئی کاوش کی ہو۔

دعاؤں کا طلبگار: ابو عبد اللہ تمیم –حیات آباد، پشاور

چند مشکل الفاظ اور اصطلاحات کے آسان معنی

کفر بواح: صریح کفر، ایسا واضح کفر کے جس کے کفر ہونے میں کوئی شک نہ ہو،

بدعت مکفرہ: ایسی بدعت کہ جسنے کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

کفر اعتقادی: عقیدہ کا کفر، ایسا کفر جس کا تعلق عقیدہ سے ہو. اس کو کفر اکبر بھی کہتے ہیں. اس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے خارج یعنی مرتد ہو جاتا ہے

کفر عملی: ایسا کفر جس کا تعلق عمل سے ہو. اسے کفر اصغر بھی کہتے ہیں. اس کے کرنے سے انسان گناہ گار ضرور ہوتا ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہلاتا۔

تکفیر: کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا

تکفیر غیر معین: یعنی کسی گروہ یا شخص کا نام لیے بغیر عمومی تکفیر کرنا **تکفیر مطلق (general)** بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس تکفیر سے کوئی بھی مسلمان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کی تکفیر بطور تنبیہ کی جاتی ہے، مثلا: جو مردوں سے مدد مانگے وہ مشرک ہے۔

تکفیر معین(specific): یعنی کسی شخص یا گروہ کا نام لے یا خاص کر کے اس کی تکفیر کرنا تکفیر معین کہلاتا ہے اور اس قسم کی تکفیر کیا جانے والا شخص یا گروہ یقینی طور پر دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلا: اسلم کافر ہو گیا ہے، یا حکومت پاکستان کافر ہو گئی ہے۔

تنفیق: کسی کو منافق کہنا۔ **تفسیق / تفجیر:** کسی پر فاسق / فاجر ہونے کا فتویٰ لگانا

خروج: حکمران کے خلاف مسلح بغاوت کرنا، **جحود:** انکار

الولاوالبرا: دوستی اور دشمنی۔ **تولی / موالات / ولایت:** دوستی کرنا یا محبت کرنا

استمرار / دوام: کسی چیز کو دائمی طور پر اختیار کرنا، کسی چیز کو بار بار کرنا

وضعی قوانین / قوانین وضعیہ: خود ساختہ قوانین، اپنے وضع کردہ (بنائے ہوئے) قوانین، انتظامی قوانین کو بھی قوانین وضعیہ کہتے ہیں۔

قضیہ: مسئلہ ، **قضا:** فیصلہ کرنا، **اطلاق:** اپلائی کرنا، لاگو کرنا

تشریع عام: کسی کبیرہ گناہ کو چھوڑنے کی طاقت ہونے کے باوجود بار بار کرنا، کسی گناہ پر اصرار کرنا یعنی گناہ پر ہمیشگی اختیار کرنا

تحکیم: حکم دینا، فیصلہ کرنا، **تحکیم بغیر ما انزل اللہ:** شریعت سے ہٹ کر حکم دینا یا فیصلہ کرنا

نواقض اسلام: ایسے اعمال جن کے کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

باب اول:

سرطان العصر: فتنہ تکفیر

محترم الشیخ ابو محمد السلفی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ امابعد

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو کتاب و سنت کے علوم میں بصیرت سے محروم اور نبوی منہج سے ناآشنا ہیں لیکن ان کی زبان پر ہمہ وقت کفر کی گردان جاری وساری ہے کسی مسلمان میں کوئی غیر شرعی عمل دیکھا یا کسی ایسی جماعت یا ادارہ، جس کے ذمہ داران کو وہ کافر قرار دے چکے ہیں ان سے کسی کا میل جول دیکھا تو فوراً اس کو کافر یا کفار کا معاون یا انصار الطاغوت وغیرہ کے القابات دے کر اس کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں یا اگر ان کے مزعومہ کفار کو کسی نے کافر قرار نہیں دیا تو اسے بھی کافر یا پھر مرجیہ وغیرہ کے طعنوں سے نوازا جاتا ہے، لیکن سوچنے کی بات یہ ہے ایک شخص نے کلمہ پڑھا ہے نماز، روزہ، کا اقرار کرتا ہے بد عملی اس کے اندر پیدا ہو گئی کبائر کا مرتکب ہو گیا ہے اس شخص کے بارے ہمارے سامنے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ اس کو کافر قرار دیکر ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کی صف سے نکال دیں دوسرا یہ کہ اس کی اصلاح کریں۔ گناہوں اور غلط روش پر اس کو احسن انداز

میں تنبیہ کریں تاکہ اس کی آخرت سنور جائے۔ تواب ہمیں کون سا پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔؟ اس کی تربیت و اصلاح والا یا اس کو کافر قرار دینے والا؟ جب ہم نبوی منہج کو دیکھیں تو ہمارے سامنے تربیت و اصلاح والا پہلو ہی نمایاں نظر آتا ہے حتیٰ کہ کسی مسلمان سے کوئی کفریہ بات یا عمل سرزد ہو گیا تب بھی آپ ﷺ نے اس کی اصلاح کی ہے اس پر فتویٰ کفر لگا کر اس کو کفار کی صف میں شامل نہیں کیا۔

بطور مثال مندرجہ ذیل واقعات پر غور کریں:

نبی کریم ﷺ غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے راستے میں مشرکین کی ایک بیری (کے درخت) جسے وہ ذات انواط کہتے تھے (اور اس کو متبرک سمجھتے تھے) کے پاس سے گزرے تو بعض نئے نئے (یعنی دین کے مسئلے میں لاعلم) مسلمان ہونے والے صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط۔ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط (بیری کا درخت) مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے پاس ایک ذات انواط ہے آپ ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا: تم نے مجھ سے وہی مطالبہ کیا ہے جو قوم موسیٰ نے سیدنا موسیٰ سے کہا تھا: اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ ہمارے لیے بھی ایک

معبود مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے پاس ایک معبود ہے تو موسیٰ نے فرمایا انکم قوم تجھلون "تم ایک جاہل قوم ہو۔"

(جامع الترمذی, مسند احمد)

غور کیجئے! اللہ رب العالمین کے مقابلہ میں نئے الٰہ کا مطالبہ بغاوت و شرک ہے یا نہیں؟ لیکن نبی ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی یا ان پر فتویٰ کفر داغ کر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا؟

اسی طرح ایک مثال ملاحظ ہے اسلام میں نہ صرف زنا بلکہ زنا کے قریب جانا بھی حرام لیکن ایک نوجوان صحابی نبی ﷺ کے پاس آیا۔ اور آکر عرض کیا۔ مجھے زنا کی اجازت دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری بہن کے ساتھ کوئی بدکاری کرے؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری بیٹی کے ساتھ کوئی منہ کالا کرے؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ ماں کے ساتھ کوئی حرام کاری کرے؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری خالہ کے ساتھ کوئی زنا کرے؟ اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری پھوپھی کے ساتھ کوئی بدکاری کرے؟ اس نے کہا نہیں۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو قریب کیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا کی

" اللهم اغفر ذنبه و طهر قلبه و حصن فرجه "

اے اللہ اس بندے کے گناہ معاف کر دے اور اس کے دل کو پاک و صاف کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔

صحابہ کرام بیان فرماتے ہیں اس کے بعد اس کو گلی کوچوں میں کبھی نظر اونچی کر کے چلتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

(مسند احمد، طبرانی سلسلہ صحیحہ)

ان دونوں وقعات پر غور کریں۔ پہلے واقعہ میں ایک شرکیہ بات کا صدور بعض لوگوں سے ہوا لیکن نبی ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی دوسری میں ایک حرام عمل کی اجازت طلب کرنے پر آپ ﷺ نے فطری انداز سے اصلاح تو فرمائی لیکن تکفیر و تفسیق کا پہلو اختیار نہیں کیا۔

تکفیر کس کا حق ہے؟

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے ہماری سابقہ گفتگو سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اسلام میں تکفیر بالکل ممنوع یا حرام ہے۔ کیونکہ شریعت کی رو سے بہت سے ایسے اقوال و اعمال ہیں کہ جن کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔مسئلہ تکفیر پر ہماری گفتگو کا اصل منشاء و سبب یہ ہے کہ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ ظلمِ عظیم بپا ہے کہ بعض جاہل، مبادیات دین سے نابلد، گلی، بازاروں، میں کفر و شرک کے فتوے. لگا کر مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کو حلال قرار دے رہے ہیں دراصل ایسے لوگوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے۔ یہ ان کا منصب نہیں اور نہ وہ اس کے اہل ہیں۔ اس قضیہ کو اس طرح سمجھ لیں کہ مثلاً ایک گھر میں بجلی کی وائرنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں مختلف الیکٹرونک اشیاء اپنا کام کرتی ہیں لیکن اچانک سرکٹ شارٹ ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں گھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ اب دیکھنا کہ یہ سرکٹ کی خرابی کے سبب کیا سارے گھر کی وائرنگ تباہ ہو گئی یا کچھ باقی یا ساری محفوظ، یہ فیصلہ کس نے کرنا ہے اور کس کی بات معتبر ہو گی؟

کیا ایک ماہر الیکٹریشن یا ہر نتھو پھتّو۔ بالکل اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے تو اس کو تنبیہ و اصلاح تو ہماری ذمہ داری ہے باقی اس کے کافر یا غیر کافر ہونے کا فیصلہ ہمارا کام نہیں، لیکن بد قسمتی سے ہمارے ہاں استخراجی منطق سے کام لیا جاتا ہے جو کہ یونانیوں کا طریقہ تھا۔ مثال کے طور پر انہوں (یونانیوں) نے ایک کالے رنگ کی بھینس دیکھی اور یہ دعوی کر دیا کہ دنیا کی سب بھینسیں کالے رنگ کی ہوتی ہیں حالانکہ اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ دنیا میں کوئی بھینس کالے رنگ کی نہ ہو یعنی بھورے رنگ کی بھی ہو سکتی ہے۔

ہمارے ہاں عام طور پر معاشرے میں اسی منطق سے کام لے کر مسلمانوں کی تکفیر کی جاتی ہے جبکہ یہ کام عوام اور عام مبتدی اہل علم کا نہیں کیونکہ یہ اجتہادی کام ہے جس میں اقوال اور اعمال کی شرعی حیثیت کو پرکھنا اور پھر قائل اور فاعل میں اس کا ثبوت، پھر ان تمام شروط و موانع کا جائزہ لینا جو کہ باوجود کسی کفریہ قول یا فعل کے مسلمان پر سے حکمِ کفر کو ساقط کر دیں گے اور ظاہر ہے یہ کام درجہ اجتہاد پر فائز مستند علماء اور قاضیوں کی ایک جماعت ہی کر سکتی ہے ہر ایرے غیرے، علم و حکمت سے عاری شخص کو اس کی اجازت نہیں اسی لئے اہل علم کا یہ کہنا ہے جو حضرات مستند اہل علم میں سے نہ ہوں اور پھر بھی تکفیر کرتے ہوں تو

عوام الناس کے لئے ایسے تکفیری حضرات کے ساتھ بیٹھنا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن جبرین رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں:

[کما انہ یجب علی مسلم ان یجتنب مجالسۃ الذین یتکلمون فی مسئل التکفیر و ھم ممن یحرم علیھم ذالک لقلۃ علمھم]

”اسی طرح ایک مسلمان پر واجب ہے وہ ان لوگوں کی مجلس میں نہ بیٹھے جو تکفیری مسائل پر گفتگو کرتے ہیں حالانکہ ان کے کم علم ہونے کی وجہ سے ان کیلئے اس موضوع پر بحث کرنا حرام ہے۔“

فتنہ باز لوگوں کی مجالس سے اجتناب

اسماء بن عبیدہ بیان فرماتے ہیں گمراہ کن نظریات کے حامل دو شخص امام ابن سیر بن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے ان میں ایک آدمی نے کہا اے ابو بکر (ابن سیرین) میں تجھے ایک حدیث سناؤں؟ امام ابن سیرین رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں! پھر ان دونوں نے کہا ہم آپ کو قرآن کی ایک آیت پڑھ کر سنائیں؟

امام ابن سیرین نے پھر فرمایا نہیں اس کے بعد امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم دونوں میرے پاس سے اٹھ جاؤ یا پھر میں چلا جاتا ہوں۔ پس

دونوں آدمی چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اے ابو بکر وہ قرآن کی آیت ہی پڑھ کر سنانا چاہتے تھے۔ اور اس میں کوئی حرج کی بات تو نہ تھی۔ امام ابو بکر ابن سیرین رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے خطرہ تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیت پڑھ کر اس کی غلط تفسیر کریں گے اور وہ (کہیں) میرے دل میں (نہ) بیٹھ جائے۔

(سنن دارمی رقم 411، الشریعہ للآجری ص62 ابن الوضاح فی البدع رقم 150(اسنادہ صحیح))

کیا ہر حال میں تکفیر لازم ہے؟

بلاشبہ مخصوص، استثنائی اور ناگزیر حالات میں دین اسلام کی حفاظت کے پیش نظر تکفیر کا مسئلہ شرعی حکم میں داخل ہے لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اہل علم حضرات پر ہر حال میں تکفیر کرنا لازم ہے یا کسی مصلحت یا دفع مفسدہ یا کسی بڑے فتنے کے پیش نظر سکوت و توقف اختیار کرنا بھی جائز ہے۔ اس بات کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ آج کل تکفیری حضرات اپنی تنگ نظری کی بنا

پر ہر شخص کو، جو ان کے فتوی کفر کی تائید نہیں کرتا یا کسی مصلحت و دفع مفسدت کے پیش نظر خاموشی اختیار کرتا ہے۔

اس کو کافر [من لم یکفرا لکافر فھو کافر] ''جس نے کافر کو کافر نہ کیا وہ بھی کافر ہے'' معاون کفار، انصار الطاغیہ یا مرجئہ جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔ حالانکہ سلفی علماء اور مرجئہ کے عقائد و نظریات میں واضح فرق موجود ہے۔ مرجئہ کے نزدیک ایمان صرف زبانی اقرار کا نام ہے اور بعض کے نزدیک دل کی تصدیق کا نام، دونوں صورتوں میں عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں، یعنی اگر ایک شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے اس بعد وہ جیسے بھی برے اعمال کرے (زنا، شراب خوری، چوری، ڈاکہ زنی) اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا وہ ہر برائی کے باوجود کامل الایمان ہے جبکہ سلفی علماء کے نزدیک اعمال ایمان کا جز اور حصہ ہیں حتی کہ بعض اعمال و افعال ایسے بھی ہیں جن کا مرتکب دیگر شرعی قوائد و ضوابط کیساتھ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے لہذا یہ دیکھنا ہے کیا شریعت کسی مصلحت یا دفع مفسدت کی بناء پر عدم تکفیر کی تائید کرتی ہے یا نہیں سر دست صحیح بخاری کی ایک حدیث قابل غور ہے۔

غزوہ مریسیع کے موقع پر جب انصار و مہاجرین کا جھگڑا ہوا اور اس موقع پر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے نبی ﷺ کے صحابہ کے بارے میں کیا کہ [لیخرجن الاعز منھا الاذل] ''ہم عزت والے ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔'' تب سیدنا عمر نے کہا: [دعنی اضرب عنق ھذا المنافق۔ یارسول اللہ ﷺ] ، ''مجھے اجازت دیجئے اس منافق کا سر تن سے جدا کر دوں'' نبی ﷺ نے فرمایا: [دعہ لایتحدث الناس ان محمداً یقتل اصحابہ] ''عمر اس کو چھوڑ دو لوگ کہیں یہ کہنا شروع نہ کر دیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔''

(صحیح بخاری کتاب تفسیر المنافقین رقم 4905-4907)

فرمایا نہیں لوگ کیا کہیں گے ؟ [ان محمد ایقتل اصحابہ] '' بے شک محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔''

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ اگرچہ اس منافق آدمی نے صریح کفر کا ارتکاب کیا لیکن نبی ﷺ نے محض اس مصلحت کے پیش نظر کہ لوگوں میں یہ غلط تاثر نہ پیدا ہو جائے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے یا کفار کو مسلمانوں کے بارے

میں غلط پروپیگنڈا کا موقع مل جائے گا۔ اس بناء پر اہل علم فرماتے ہیں کہ: تکفیر میں مصالح اور مفاسد کا اعتبار ضروری ہے موانع تکفیر زائل ہو گئے ہیں تو بھی آپ تکفیر کرنے کے پابند نہیں ہم اپنے اس موضوع کو ایک معروف تکفیری پیشوا کی کتاب " نواقص اسلام " کے ایک اہم اقتباس کے بیان کے بعد ختم کیے دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں کچھ جذباتی نوجوان بالعموم یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ چلیں مان لیا یہ تین یا پانچ چیزیں موانع تکفیر ہیں (یعنی آدمی کی تکفیر کرنے میں مانع ہیں) لاعلمی، تاویل، اکراہ خطا اور نسیان۔۔۔۔۔۔۔

تو اب اگر ہم کسی کفریہ فعل میں ملوث شخص کی بابت یہ دیکھ لیتے ہیں کہ نہ تو وہ لاعلم ہے اور نہ اس کے ہاں کوئی ایسی تأویل پائی جاتی ہے جو اس پر وہ حکم لگانے میں مانع ہوتی ہو نہ اس پر وہ کفریہ فعل کروانے کیلئے کسی نے بندوق تان رکھی ہے کہ ہم کہیں وہ کسی اکراہ کا شکار ہے نہ وہ خطا (یعنی بغیر قصد کے) وہ کام کر رہا ہے (بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے اور بقائم ہوش و حواس اس حرکت کا مرتکب ہو رہا ہے) اور پھر نہ ہی وہ کسی نسیان کا شکار ہے یعنی موانع تکفیر میں سے کوئی ایک بھی مانع اس شخص کے حق میں نہیں پایا جاتا، تو آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اس شخص کو

کافر نہ کہیں؟ یہ نوجوان کسی وقت یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ علماء نے ایسے کسی شخص کو کافر کیوں نہیں کہا؟"

بلاشبہ کسی وقت ہو سکتا ہے کوئی شخص نواقض اسلام کا مرتکب بھی ہو اور اس کے حق میں موانع تکفیر (یعنی لاعلمی خطا، تاویل یا اکراہ وغیرہ) بھی نہ پائے جاتے ہوں۔۔۔۔۔یعنی وہ اصولاً پوری طرح تکفیر کا مستحق ہو، پھر کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر یا دفع مفسدت کو مد نظر رکھتے ہوئے اہل علم اس کی تکفیر کے معاملہ میں توقف کیے رکھیں یعنی اس پر ارتداد کے احکام لاگو نہ کریں اور معاشرے کے اندر ایک مسلمان سمجھا جانے کا اسٹیٹس کسی خاص وقت تک اس سے پھر بھی سلب نہ کریں۔ جامع ام القریٰ مکہ مکرمہ میں عقیدہ کے ایک استاد اور ایک ممتاز عالم شیخ احمد آل عبد الطیف اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

"نبوی معاشرے کے اندر منافقین کے کفریہ اعمال عمومی طور پر چھپے رہتے تھے یہ درست ہے مگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ چند خاص منافقین کے کفریہ افعال ریکارڈ پر بھی آ گئے تھے منافقین میں سے چند متعین لوگوں کا نواقص اسلام کا مرتکب ہونا ان کے باطن تک محدود نہ رہ گیا تھا کہ جس کا مؤاخذہ صرف اللہ عالم الغیب کی ذات ہی قیامت کے روز کرے گی بلکہ ان کے ارتکاب

کفر پر صاف بین شواہد پائے گئے تھے یہاں تک کہ ان کے ارتکاب کفر کا پول کھولنے والے صحابہ کی گواہی کی تائید میں آیات وحی اتری تھیں مثلاً آیت:

[[لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ]]

”یعنی (بہانے نہ بناؤ) عذر مت تراشو! یقیناً تم ایمان لے آنے کے بعد کفر کر چکے ہو“ (التوبہ 66)

یہ خاص، متعین لوگوں کے بارے اتری تھی۔

[[وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ]]

”یعنی یقیناً یہ کفر کی بات بک چکے ہیں اور اپنے اسلام لے آنے کے بعد کفر کر چکے ہیں۔“

(التوبہ:۷۴)

یہ بھی کچھ خاص لوگوں کی بابت اتری تھی جن کا کفر طشت از بام ہو گیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

"یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اللہ کا رسول ﷺ تمھارے لئے استغفار کر دے تو وہ (گھمنڈ سے) اپنے سر موڑ لیں اور تم دیکھو کہ وہ باز رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ تکبر کر رہے ہوتے ہیں۔" (المنافقون 5)

[[هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا]]

خرچ نہ کرو ان لوگوں پر جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں۔ یہاں تک کہ یہ (آپ ﷺ کے گرد سے) چھٹ جائیں۔ (المنافقون 7)

یہ سب متعین لوگوں کے معاملہ میں پیش آیا۔ یوں مستند روایات میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ مدینہ کے اندر کچھ کلمہ گو لوگوں کا مرتکب کفر ہونا "باطن" کے دائرہ سے نکل کر "ظاہر" کے دائرہ میں آتا تھا جبکہ ہم جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے کچھ خاص مصالح کے پیش نظر ان کا کفر واضح اور معاشرتی سطح پر ان کے قابل مؤاخذہ ہونے کے باوجود ان لوگوں پر ارتداد کے احکام لاگو نہیں کیے۔

اعتراض:

اس کے رد میں بعض لوگوں کی جانب سے اگر یہ کہا جائے کہ یہ باتیں نبی ﷺ کو وحی کے ذریعے بتائی گئی تھیں جبکہ دنیوی احکام لاگو کرنے کیلئے معلومات کے انسانی ذرائع ضروری ہیں اس لیے نبی ﷺ نے ان لوگوں کی تکفیر نہ کی تھی۔ یا وہ یہ کہیں کہ منافقین کا اس بات سے مکرنا کہ انہوں نے ایسی حرکات کی تھیں یا اس پر ایک طرح کا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا اس بات پر دلیل ہوئی کہ وہ اپنے اس کفریہ فعل پر قائم بہر حال نہ رہے تھے لہذا اس کو ایک طرح کا ظاہری رجوع باور کرتے ہوئے ان کی تکفیر سے اجتناب برتا گیا۔

جواب:

تو ان شبہات کے جواب میں ہم کہیں گے کئی ایک باتیں ایسی بھی ریکارڈ پر ہیں کہ کسی منافق نے کھلم کھلا ایک کفریہ قول یا رویہ ظاہر کیا (اس کو جاننے کیلیے وحی واحد ذریعہ نہ رہا) نیز اپنے اس کفریہ قول یا رویہ پر اس کا معذرت خواہانہ رویہ بھی ہر گز ریکارڈ پر نہیں، مثال کے طور پر صحیح بخاری میں عبد اللہ بن ابی کا یہ رویہ کہ جب رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر عبد اللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو وہ بے لحاظ بکنے لگا: (الیک عنی واللہ لقد اذانی نتن حمارک) ”پرے ہٹو!“ واللہ (

اللہ کی قسم) تمھارے گدھے کی سڑ اند میرے ناک میں دم کر رہی ہے ''تب انصار میں سے ایک صحابی سے نہ رہا گیا اور وہ عبد اللہ بن ابی کو مخاطب کر کے بولا :(واللہ لحمار رسول اللہ ﷺ اطیب ریحامنک)'' واللہ !رسول اللہ ﷺ کا گدھا بو میں تم سے کہیں بہتر ہے ''تب عبد اللہ بن ابی کے قبیلے کا ایک آدمی عبد اللہ بن ابی کیلئے طیش میں آیا اور اس انصاری کو گالیاں بکنے لگا اس پر ہر دو کے قبیلے کے لوگ اپنے آدمی کیلئے بھڑک اُٹھے اور دونوں گروہوں کے مابین کھجور کی چھڑیوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ ہونے لگی۔

(صحیح بخاری کتاب الصلح باب ماجآء فی الاصلاح بین الناس اذا تفاسدوا)

غرض بعض افراد سے اس قسم کے کفریہ افعال اور رویے کھلم کھلا سرزد ہونے کے باوجود بعض شرعی مصالح کے پیش نظر ان لوگوں کی تکفیر سے احتراز برتا گیا اور دینوی امور میں ان کا حکم ایک مسلمان کا سا رکھا گیا یہاں تک کہ ایک علیحدہ نص کے ذریعہ سے جب تک ان کی نماز جنازہ سے نہ روک دیا گیا آپ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھنا تک موقوف نہ کیا۔

مقصد یہ کہ کسی شخص کے حق میں موانع تکفیر اگر زائل ہو بھی گئے ہوں لیکن کچھ مصالح اہل علم کی نظر میں ایسے ہوں جو اس کی تکفیر کی بابت سکوت

کا تقاضا کریں یا اس کی تکفیر کرنے کی صورت میں وہ کچھ مفاسد اُٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ محسوس کریں تو اس صورت میں تکفیر سے احتراز برتنا ان کے حق میں ایک جائز و شرعی رویہ ہو گا۔

عام لوگوں کو بہر حال اس مسئلہ (مسئلہ تکفیر) میں اہل علم ہی کے پیچھے چلنا ہے پس اگر کسی وقت شرعی اتھارٹی (جو کہ آج اس وقت علماء ہیں) کسی شخص یا گروہ پر نواقص اسلام کے ارتکاب کے باوجود اس کو معین کر کے تکفیر کا حکم عائد کرنے سے محترز رہتے ہیں یا اس کے معاملہ میں بوجوہ صرف نظر کرتے ہیں جس کی بنیاد کوئی خاص حفظ مصالح یا دفع مفاسد ہو جبکہ ان مصالح اور مفاسد کا موازنہ بھی ظاہر ہے اہل علم ہی کر سکتے ہیں تو یہ بات شرعاً غلط نہیں۔

(نواقص اسلام از حامد کمال صفحہ نمبر 91-95)

وہ دلائل جن سے اہل حق کو گمراہ کی کوشش کی جاتی ہے:

آج کل کے دور میں تکفیر کا فتنہ مسلمانوں کیلیئے بہت نقصان کا باعث ثابت ہوا ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان حضرات کے پاس کون کون سے دلائل ہیں جن سے یہ اہل حق کو گمراہ کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ جب بھی ایسا کوئی شخص آپ

کو ملے گا تو جو فتنہ تکفیر کا شکار ہو چکا ہو وہ سب سے پہلے آپ سے الولا والبراء پر گفتگو کرے گا۔

1۔ الولاءوالبراء:

ان حضرات کے ہاں امام کعبہ اور عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ منافق و کافر ہیں کیوں کہ وہ ایک ایسی حکومت کے تحت ہیں جو کہ امریکہ اور برطانیہ جیسے ممالک کی حکومتوں کے ساتھ دوستی رکھتی ہیں۔ اور وہ دلیل قران کی اس آیت سے دیں گے

ومن یتولھم منکم فانہ منھم (العمران (

کہ جو کوئی تم مسلمانوں میں سے ان (کافروں) سے دوستی لگائے گا وہ انہی میں سے ہے۔ تو سعودی حکمران کافر ہیں لہذا انکی حکمرانی میں رہنے والے علماء بھی کافر ہیں

۔

محترم بھائیو یہ انتہائی گمراہ کن بات ہے۔ قران مجید میں اللہ تبارک و تعالی نے واضح کافر ہونے کے لئے جو شرط رکھی ہے وہ سورۃ النحل کی آیت نمبر 106 ہے۔ ترجمہ "جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے، لیکن (وہ نہیں) جس کو اس پر مجبور

کیا جائے اور اسکا دل (اسلام) ایمان پر مطمئن ہو، اور اسکو کفر پر شرح صدر حاصل ہو تو اسکے لئے اللہ تبارک و تعالی کا غضب ہے اور اس کے لئے عذاب عظیم ہے۔"

محترم بھائیو اس آیت کی رو سے کافر وہ ہے جو کفر پر شرح صدر کے ساتھ قائم ہو اور یہ بندہ نہ تو کوئی عذر پیش کرے نہ ہی تاویل کرے نہ ہی مجبو کیا گیا ہو۔

مثال ایک شراب پینے والا آپکی اصلاح پر اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کام غلط ہے تو ایسا شخص شرح صدر کے ساتھ شراب کو جائز قرار نہیں دے رہا۔ بلکہ وہ شخص جو کہ شراب پیئے اور شرح صدر کے ساتھ یہ بات کہے کہ شراب پینا جائز ہے ان دونوں میں فرق ہے۔

لہذا کسی شخص کی بھی تکفیر کے لئے اس شخص کا شرح صدر کے ساتھ اس کفر پر عمل کرنا ضروری ہے۔ جب تک ایسے شخص کا موقف خود سے دریافت نہ کیا جائے گا اور توبہ کروا لینے کے باوجود وہ کفر پر قائم رہے اس سے پہلے ہم اسکے بارے میں کوئی بات نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی کسی قسم کا حکم جاری کر سکتے ہیں۔

اسلام میں کافروں کی دو اقسام ہیں

(1) کلمہ گو کافر و مشرک

(2) واضح کافر (یہودی، ہندو عیسائی وغیرہ)

لہذا دو قسمیں ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ رویہ بھی مختلف ہو گا جیسا کہ حضور ﷺ نے منافقین (کلمہ گو کافر) اور دوسرے کافروں کے ساتھ رکھا۔

تکفیری حضرات ان دو گروہوں کے قائل نہیں وہ سب کو ایک ہی Catagory میں رکھتے ہیں تو چلیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قران پاک میں اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا" کیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔" اس آیت کی رو سے تو سارے مسلمان ہی کافر ہو سکتے ہیں اور تو اور اکثر اوقات تو یہ لوگ خود اس آیت کی رو سے کافر ٹھہرتے ہیں کیوں کہ بندہ کئی باتیں اپنے نفس کی مان کر ان پر عمل کرتا ہے۔ اور جب آپ یہ آیت ان حضرات کے سامنے پیش کریں گے تو ان کا جواب یہ ہو گا کہ اس آیت کی رو سے دو قسم کے لوگ ہیں۔

(1) ایک وہ جو نفس کی پیروی ہو جانے پر اس سے توبہ کر لیتے ہیں۔

(2) دوسرے وہ جو کہ نفس کی پیروی پر مصر ہوتے ہیں اور اصلاح کے باوجود ہٹ دھرمی سے اللہ کے احکامات کی بجائے نفس کی مانتے ہیں۔

ان حضرات سے پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ ہمیں تو Catagories بنانے سے منع کر رہے ہیں اور خود دو قسمیں بنا رہے ہیں جب آپ پر آئی تو آنے کیوں راہ فرار کی روش اختیار کر لی ہے۔ ان لوگوں کا اعتراض ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینا انسان کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ان حضرات کی یہ بات بھی صریحا غلط ہے کیوں کہ یہ کلمہ ہی کی برکات ہیں کہ اللہ تعالی نے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت دی ہے۔ مسلمان حکمرانوں کی مثال جنہوں نے کفار کے ساتھ دوستی لگا رکھی ہے ان منافقین کی سی ہے نہ کہ حربی کافروں کی طرح مثال کے طور پر اللہ تعالی فرماتے ہیں

سورۃ الحشر آیت نمبر 11 میں

ترجمہ ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو کہ منافق ہیں وہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم لوگ نکالے گئے ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملے میں کسی کا کوئی کہنا نہ مانیں گے اور اگر تمہاری کسی سے

لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر (بفرض محال) انکی مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے"

اللہ نے ایسے لوگوں کو منافق کہا ہے بھائیو منافق بھی کافر ہے لیکن اسکا دنیا میں کلمہ پڑھ لینا اس کو حربی کافر یا واجب القتل کافر بننے سے بچا دیتا ہے۔

ہاں ایک بات یاد رہے کہ جب میدان جہاد گرم ہو اور پھر کوئی مسلمان کہلانے والا شخص کافروں کی صفوں سے نکل کر اہل اسلام پر حملہ کرے تو ایسا مسلمان کہلانے والا شخص بھی حربی کافر ہے اور اس کو قتل کیا جائے گا۔

اب چند مثالوں کے ساتھ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں منافقین کی (یعنی کلمہ گو) جماعت کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا۔ عبداللہ بن ابی ایسا منافق تھا جس کے نفاق کو اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید میں بیان کیا بڑی بڑی اور اہم باتیں یہ تھیں کہ اس نے بنو نضیر قبیلے کے ساتھ حضور ﷺ کو نعوذ باللہ شہید کرنے کی سازش کی۔ اللہ نے آپ کو عین اس وقت وحی کے ذریعے مطلع کر دیا جب وہ یہ کام کرنے ہی والے تھے، دوسرا غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ ذلیل آدمی سے تشبیہ دی، اور مہاجرین صحابہ کرام کو نعوذ باللہ کتوں سے تشبیہ دی، اور امہات المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا پر تہمت لگائی۔ یہ اتنے بڑے بڑے کفر ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے تلوار نکال لی اور حضور ﷺ سے کہا کہ مجھے اجازت دیں میں اس کو قتل کر دوں، اور عبد اللہ بن ابی کا اپنا بیٹا جو کہ صحابی رسول ﷺ تھا انہوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ جب آپ ﷺ میرے باپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنائیں تو یہ کام مجھے سونپ دیں۔ محتم بھائیو اس موقع پر حضور ﷺ کا جواب یہ تھا

"نہیں لوگ یہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"

اب میرے بھائیو غور طلب بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے اتنے بڑے بڑے کفریہ کاموں کا ارتکاب کرنے کے باوجود حضور ﷺ نے اسے اپنا ساتھی کہا اور اس کو قتل نہ کرنا وقت کی مصلحت تھی۔ اور اسی بات کا اسلام کو فائدہ تھا، لہذا اگر اج اسلام کے فائدے کیلئے مصلحت کے تحت مسلمانوں کے گمراہ فرقوں کو اپنے ساتھ چلانا تاکہ ان کے عقائد اور معاملات کی اصلاح ہو جائز ہے۔ اور اس کے نتائج بھی ہمارے سامنے آئے ہیں الحمد للہ لوگ صحیح عقیدے کو اپنا رہے ہیں۔ اور کافروں کی مسلمانوں کو فرقہ بازی کی بھینٹ چڑھا کر آپس میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کروانے کی سازش ناکام ہو رہی ہے۔

دوسرا نقطہ جس پر یہ بات کرتے ہیں وہ ہے توحید فی الحکم۔

(2) توحید فی الحکم:

"ان لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الکافرون" (النسآء)

اس آیت کی رو سے وہ سب لوگ کافر ہیں جو کہ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کیخلاف فیصلے کرتے ہیں اسی آیت کے ساتھ ملحقہ آیات میں اللہ تبارک و تعالی فرماتے ہیں کہ " ومن لم یحکم بماانزل اللہ فاولئک ھم الظالمون " کہ وہ لوگ ظالم (گناہ گار) ہیں جو کہ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے ان سے پوچھا جائے کہ "گناہ گار" کون ہے اور " کافر یا مشرک" کون ہے۔

اسکے علاوہ سورہ النساء آیت نمبر 60 میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ

"الم ترالی الذین یزعمون انھم امنو بما انزل الیک و ما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطن ان یظلھم ضللا بعید"

"کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا اس پر ان کا ایمان ہے لیکن اوہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے کر جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

اسکے بعد اللہ تبارک وتعالی آیت نمبر 63 سورۃ النساء میں ان لوگوں کے ساتھ سلوک کا ذکر کرتے ہیں کہ

"اولئک الذین یعلم اللہ مافی قلوبھم فاعرض عنھم و عظھم و فل لھم فی انفسھم قولا بلیغ"

"وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کا بھید خوب جانتا ہے پس آپ ان سے اعراض کریں اور ان کو نصیحت کرتے رہیں اور انہیں وہ بات کہیں جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو"

ان آیات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایسے لوگوں کو اللہ ہمیں سمجھانے کا حکم دے رہا ہے اور ان سے منہ موڑنے کا نہ کہ ان کے قتل کرنے کا۔لہذا یہ لوگ (حکمران وغیرہ) منافقین کی صف میں شامل کئے جائیں گے نہ کہ کافروں کی صف میں اور ان کی اصلاح کی جائے گی افسوس آج قرآن پاک کی اس آیت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اور اللہ کے اس حکم کو پس پشت ڈالنے کی وجہ سے یہ گمراہ کن گروہ اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کے تحت خود بھی تکفیر کا شکار ہو رہا ہے۔یعنی کیا یہ اللہ کے ہر حکم پر عمل کرتے ہیں کیا ان سے کبھی اللہ سے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تو اس طرح یہ بھی اللہ کے حکم کی صریحا خلاف ورزی ہے اور اسی طرح نبی کریم جس بات سے منع کر گئے یہ لوگ اسی بات کو سر

انجام دینے کے باوجود اپنے آپ کو حق پر ثابت کریں یہ کیسا انصاف ہے اللہ ہمیں حق بات سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

اور منافقین کو قتل نہ کرنے کی ایک دلیل مسند احمد کی حدیث ہے جس میں صحابہ کرام نے اللہ کے نبی ﷺ سے کہا کہ منافق لوگ کفریہ کام کر رہے ہیں ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کا صفایا کر دیں آپ ﷺ نے فرمایا" اولئک نھانی اللہ عنھم" کہ یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں جن کو قتل کرنے سے اللہ تبارک وتعالی نے مجھے منع کیا ہے۔

محترم بھائیو اس گمراہ کن فرقہ نے جو سب سے بڑی غلطی کھائی وہ یہ ہے کہ ان میں اصلاحی پہلو مفقود ہے قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں 'اے نبی ﷺ لوگوں کو اللہ کے رستے کی طرف دانائی اور بہترین حکمت عملی کے ذریعے بلاؤ اور ان کے ساتھ احسن انداز میں گفتگو کرو۔' سورۃ الاعراف آیت نمبر 138

حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ایک میدان سے گزرے تو قوم نے دیکھا کہ لوگ بت کی عبادت کر رہے ہیں تو انہوں نے آپ سے علیہ السلام سے کہا کہ اے موسی ہمارے لئے بھی کوئی بت معبود مقرر کر دیں جس طرح ان لوگوں کا بت ہے تو حضرت موسی علیہ السلام نے ان سے جو بات کہی قرآن نے

اس کو یوں نقل کیا ہے" انکم قوم تجھلون" بے شک تم جاہل قوم ہو حضرت موسی علیہ السلام نے تکفیر کرنے کی بجائے ان کو جاہل کہا۔ آج بھی لوگ جہالت کی وجہ سے درباروں، قبور اور فوت شدہ لوگوں سے ہر قسم کی مدد مانگتے ہیں ہمارا فرض انکی اصلاح ہے نہ ان کی تکفیر کر کے ان کے لئے فتنہ بنیں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللھم لا تجعل فتنۃ للقوم الظلمین

اسی طرح ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نئے ایمان لانے والے صحابہ موجود تھے انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ " اجعل لنا ذات الانواط" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے موسی علیہ السلام کی قوم والی بات کہی ہے۔ حضور ﷺ نے اصلاحی انداز اختیار کیا۔ اسی طرح طائف کے لوگ جب فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ کے پاس ایمان لانے اور بیعت کرنے کیلئے آئے تو انہوں نے جملہ عبادات پر عمل نہ کرنے کا اظہار کیا حضور ﷺ نے نماز کے علاوہ مصلحت کے تحت وقتی طور پر تمام فرائض چھوڑنے کی اجازت دے دی کہ وہ لوگ آہستہ آہستہ خود اسلام میں اگے بڑھنے پر ان کو اختیار کر لیں گے اور جب انھوں نے کہا کہ ہم نماز ادا نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے ان کی اصلاح اس طرح کی کہ " لا خیر فی دین لا صلاۃ فیھا" اس دین میں کوئی خیر نہیں جس میں نماز نہیں۔

محترم بھائیو ان واقعات میں غور طلب بات یہ ہے کہ موسی علیہ السلام کی قوم ان سے اللہ کی جگہ ایک اور الہ مقرر کرنے کا کہ رہی ہے یہ واضح شرک ہے اسی طرح نبی ﷺ کے نئے ایمان لانے والے صحابہ بھی اسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن مسلمان کی تکفیر کی بجائے اصلاح کی جارہی ہے۔

ان بھائیوں کا ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے ملک میں ان درباروں کو کیوں نہیں توڑتے یہ اللہ کی بغاوت کے اڈے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اللہ کی بغاوت کے اڈے ہیں لیکن قرآن مصلحت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسے واقعات پاکستان میں ہوئے ہیں کہ درباروں کو ڈھایا گیا لیکن اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اھل شرک وبدعت نے ان مقامات کو پہلے سے زیادہ بھرپور انداز میں آباد کیا۔

اللہ تبارک وتعالی نے ہمارے لئے حضرت ابراہیم کی زندگی کو قرآن میں نمونہ قرار دیا ہے۔ آپ امام الموحدین تھے، انکی زندگی کا ایک اہم واقعہ جب کہ انکی قوم میلے پر گئی ہوئی تھی آپ نے جا کر تمام بت توڑے اور ایک سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس بت کو بھی توڑ دیتے لیکن انہوں نے مصلحت اور قوم کو سمجھانے کی خاطر ایسا نہ کیا اور

جب قوم واپس آئی تو انھوں نے ابراھیم علیہ السلام سے دریافت کیا اور کہا کہ یہ آپ کا کام ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس بڑے بت سے پوچھو جس کے کندھے پر کلہاڑا ہے۔ قوم والے کہنے لگے کہ یہ نہ تو بولتے ہیں نہ تو سنتے ہیں اور نہ ہی حرکت کر سکتے ہیں۔ یہی چیز حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھانا چاہتے تھے کہ بت ہمارے کسی طرح سے بھی ہمارے معبود نہیں ہو سکتے لہذا بات سمجھ میں آئی کہ کبھی کبھی بت نہ توڑنے میں بھی اللہ کے دین کا فائدہ ہو سکتا ہے۔

مسلمان حکمرانوں کی تکفیر:

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں : ”من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیاء فهو فی سبیل الله“

جو شخص اس وجہ سے لڑے کہ اللہ کا دین دنیا میں سربلند ہو تو وہ شخص اللہ کے راستے میں (جہاد کر رہا) ہے۔

لہذا محترم بھائیو ہمیشہ جب بھی کوئی قدم اٹھانا جائے تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہمارے ایسے اقدام سے اسلام کو فائدہ ہو رہا ہے یا کفر کو۔۔

مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے سے اسلامی جماعتوں نے تاریخ میں نقصان اٹھایا ہے۔ مصر میں اخوان المسلمون جو کہ ایک دینی جماعت تھی اس نے عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کو ناکوں چنے چبوائے تھے لیکن جب وہ تکفیریت کا شکار ہوئے اور حکومت سے ٹکرلی تو نتیجہ یہ ہوا کہ تنظیم کے تمام افراد حکومت کی قید میں چلے گئے کئی حکومتی بندے مرے اور کئی اخوانی مارے گئے۔ اور مصر میں اسلامی جماعتوں پر سخت پابندی لگ گئی اور ان پر کڑی نظر رکھی جانے لگی حتی کہ داڑھی پر پابندی لگادی گئی، نتیجہ حاصل یہ کہ اسلام کا سخت نقصان ہوا اور آج تک اسکی تلافی نہ کی جاسکی۔

یہی تاریخ الجزائر میں اسلامی جماعتوں نے دہرائی نتائج اسی پر منتج ہوا کہ مجاھدین پر پابندیاں لگ گئیں اور اسکے بعد اب تک کوئی دینی جماعت اب تک کھڑی نہ ہو سکی۔ سعودیہ کے اندر مجاھدین پر جملہ سختیاں بھی اسی وجہ سے آئیں۔ حکومت کی تکفیر کی گئی اور ان کو قتل کرنے کا فتوی دیا گیا۔ نتیجہ حکومت نے اپنے تحفظ کے طور پر جہاد اور مجاھدین کا Setup ختم کر دیا۔ نتیجہ یہی کہ اسلام کا نقصان اور کافروں (امریکہ، اسرائیل) کو فائدہ حاصل ہوا۔

آج حکومتیں مسلمان مجاھدین کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر رہی ہیں۔ یقیناً یہ بڑا جرم ہے اور حرام کام ہے۔ کسی بھی مسلمان کو کسی طرح بھی غیر مسلم کے ہاتھ نہیں دیا جاسکتا۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ آیا ایسے واقعات پہلے تاریخ میں بھی ہوئے اور اگر ہوئے تو سلف صالحین نے ایسے مواقع پر حکومت وقت کے خلاف کیا موقف اختیار کیا، کیا ان پر کفر کا فتویٰ لگایا ان کے خلاف خروج کیا یا حکمت عملی اپنا کر حکومت وقت سے ساتھ ٹکر نہ لی اور یوں ملت اسلامیہ کو بڑی ٹکر اور اور پھوٹ سے بچالیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں خوارج نے انکے گھر کا گھیر او 3/4 کر لیا اور یہ معلوم تھا کہ وہ آپ کو قتل کا منصوبہ بنا چکے ہیں۔ آپ کے پاس کئی صحابہ آئے اور آپ سے اجازت چاہی کہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کے خلاف لڑیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صاحبِ بصیرت تھے وہ جانتے تھے کہ اجازت دینے سے مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں گے اسلام کمزور ہو گا اور کافر قوتیں طاقت پکڑیں گی۔ لہذا انہوں نے لڑائی سے منع کر دیا اور اپنی شہادت پیش کر کے امت مسلم کو ایک بڑے تصادم سے بچالیا۔

اسی طرح خلیفہ سلیمان بن الملک نے قتیبہ بن مسلم کو قتل کیا اسکے بعد محمد بن قاسم کو بر صغیر سے واپس بلایا محمد بن قاسم کو قتل کی خبر پہنچ چکی تھی اور وہ یہ جانتے تھے کہ خلیفہ ان کے خلاف کیا کرنے والا ہے۔ کئی لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ مل کر خلیفہ کے خلاف لڑیں گے لیکن محمد ابن قاسم نے اجازت نہ دی اور آپ بھی قید میں ڈال دیئے گئے۔ اسلام کے ان عظیم سپہ سالاروں کو شہید کرنے کے باوجود سلف صالحین نے سلمان بن الملک کو کافر قرار نہیں دیا۔

اسی طرح حجاج بن یوسف نے صحابی رسول ﷺ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا لیکن تاریخ میں کبھی اسکی تکفیر نہیں کی گئی۔ اور امام مالک جو امام مدینہ کے نام سے مشہور تھے اور مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ پر درس حدیث دیا کرتے تھے۔ جبری طلاق کے مسئلے پر خلیفہ سے اختلاف ہوا تو خلیفہ نے انکے صحیح موقف کو نہ صرف قبول نہ کیا بلکہ اپنے موقف کی تائید کیلئے آپ پر ظلم و ستم ڈھایا حتی کہ آپ کے دونوں بازو توڑ دئے گئے، لیکن آپ اس اذیت کے باوجود صحیح موقف پر قائم رہے اور خلیفہ کو سمجھاتے رہے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی خلق قرآن کے مسئلے پر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور خلیفہ وقت کو مسئلہ سمجھاتے رہے اور اسکی اصلاح کی کوشش میں لگے رہے، لہذا ہمیں بھی امام مالک کی طرح حاکم وقت کی اصلاح کرنی چاہیے اسے احساس جرم دلانا چاہیے اور تصادم کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچانے سے بچنا چاہیے۔

یہ چند ایک واقعات ہیں جن سے ہم کو سلف صالحین کا جابر اور ظالم حکمرانوں کے ساتھ اپنائے گئے طرز عمل کا علم ہوتا ہے۔لہذا پاکستان جو دنیا بھر میں مجاہدین کا آخری مسکن ہے اگر وہاں بھی اصلاح کے نام پر غلط روش اختیار کی گئی تو یہ آخری پناہ گاہ بھی ختم ہو جائے گی۔

فتنہ تکفیر کے چند اہم مفاسد

اب زرا ایک نظر عصر حاضر میں پیدا ہونے والے فتنہ تکفیر کے نتائج و مفاسد پر ڈالتے ہیں:

1- بغیر دلیل محکم، مختلف فیہ اور غیر قطعی احکام کی بناء پر مسلمان کی عزت، جان، مال کو حلال قرار دینا۔

2- مجتہد و مستند علماء کے منصب پر مبادیات دین سے جاہل و ناعاقبت اندیش لوگوں کو بٹھا کر کبار، مستند و مجتہد اور صحیح عقائد سلف کے حامل لوگوں کی تنقیص و توہین اور ان کی سر عام غیبت اور ان پر گمراہ کن فتووں کی بوچھاڑ کرنا۔

3- قرآن و سنت جو کہ توحید اُلوہیت اور اسماء وصفات سے بھرے پڑے ہیں ان کے بیان یا ان کی بناء پر شرعی احکام واضح کرنے کی بجائے محض توحید اُلوہیت کی ایک جزئی توحید حاکمیت کو ہی موحّد یا غیر موحّد ہونے کا واحد معیار حقیقی قرار دینا، حالانکہ یہ خوارج کا شیوہ تھا، اور توحید اسماء وصفات کو بالکل غیر اہم بلکہ کالعدم قرار دینا۔ جس پر خود آل تکفیر کا لٹریچر شاہد ہے۔

4- توحید اُلوہیت و توحید اسماء صفات میں گمراہ لوگ معتزلہ، جہمیہ، اشاعرہ، صوفیہ، ماتریدہ، عقیدہ وحدۃ الوجود کے حامل قرآن کو مخلوق قرار دینے والے، خبر واحد بلکہ احادیث متواتر تک کے منکرین (قبر پرستی جیسے شرک کو شرا کبر نہ سمجھنے والے) لوگوں کو (صحیح العقیدہ سلفی علماء کی بجائے) اپنا امام و پیشوا قرار دینا۔ جیسے قطب، مقلدین وغیرہ۔۔

5- فتنہ تکفیر کی آڑ میں مسلمانوں کی وحدت وجمعیت کو پارہ پارہ کرتے ہوئے ان کی معیشت و دفاع کو تباہ کر کے کفار کو مسلمانوں کے خلاف مستحکم و مضبوط بنانا۔

6- مساجد پر خود کش حملے کر کے ان کے تقدّس کو پامال کرنا۔

7- نمازی حضرات جن کے قتل کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا "مجھے ان کے قتل سے منع کیا گیا" ۔ان کو دوران نماز بارود سے اڑا دینا۔

پُر فتن دور میں کرنے کے کام

آیئے آخر پُر فتن دور میں کرنے کے چند کاموں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جن کی پابندی ایک عام مسلمان کے لئے از حد ضروری ہے تا کہ وہ قُرب قیامت فتنوں سے محفوظ رہ سکے:

دانائی سے کام لیں:

جب فتنے ظاہر ہونے لگیں یا حالات بدلنے لگیں تو ایسے نازک حالات میں نرمی و بردباری اور دانائی سے کام لیں اور جلد بازی نہ کریں۔ نرمی اس بنیاد پر کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو عمدہ بنا ڈالتی ہے اور جس چیز سے نکال لی جاتی ہے

اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔ سارے کاموں میں نرمی کا خیال رکھیں، رحم دلی سے پیش آئیں، غصہ ور نہ بنیں۔ دانائی اس لیے کہ آپ نے قبیلہ عبد القیس کے اشج نامی آدمی سے کہا تھا "تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہیں بردباری اور دانشمندی" دانشمندی و دانائی عمدہ خصلت ہے ۔فتنے کے لمحات اور بدلتے حالات کے وقت بردباری قابل ستائش ہے کیونکہ بردباری کے ذریعے ہر چیز کی اصلیت و حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے۔

غور و فکر کے بعد ہی حکم لگائیں:

فتنہ کے ظہور اور حالات کے بدلتے وقت بغیر سوچے سمجھے آپ کسی چیز کے بارے میں حکم نہ لگائیں اس قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے کہ "کسی چیز پر حکم لگانا اس پر غور و فکر کرنے کے بعد ہوا کرتا ہے" اللہ تعالی کا فرمان ہے: **و لا تقف ماليس لک بہ علم(سورہ اسراء: 63)**

"جس بات کی تجھے خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ" یعنی ایسا معاملہ جس کو آپ نہیں جان رہے ہوں، اس کا پاس و خیال نہ ہو اور نہ ہی آپ کے پاس اس بارے میں کوئی ثبوت ہو تو اس سلسلے میں بات کرنے سے بچیں، چاہے آپ اس میں لیڈر بنیں۔

عدل وانصاف کو ملحوظ رکھیں:

تمام کاموں میں عدل وانصاف کو لازم پکڑیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو، گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو۔" (سورہ انعام) اور فرمان الہی ہے: "کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔" (سورہ المائدہ) اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے محبت نہیں کرتے دونوں کو ایک میزان وکسوٹی پر رکھ کر پرکھیں اور اس کے بعد حکم لگائیں۔

جماعت کو لازم پکڑیں:

اللہ تعالی کا فرمان ہے :وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور اللہ تعالی کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔" (آل عمران:103)

اور نبی ﷺ نے فرمایا: "جماعت کو لازم پکڑو اور اختلاف سے بچو۔" (ابوداؤد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں اتمام کرتے تھے جبکہ سنت یہ ہے کہ نمازی منیٰ میں ہر چار رکعت والی نماز کو دو دو رکعت پڑھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شرعی تاویل کی بناء پر چار رکعت ہی پڑھتے رہے، اس کے باوجود حضرت عبد اللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے نبی ﷺ کی سنت یہی ہے کہ ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی جائے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ کہتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار رکعت پڑھتے ہیں آخر کیوں؟ تو انہوں نے فرمایا: "اختلاف بری بات ہے (سنن ابو داود)

اور ایسا ان کے شرعی قاعدہ کو سمجھنے کی وجہ سے ہوا کیونکہ جو اس کے برخلاف کرے گا اسکے اور دوسروں کے فتنہ میں پڑنے سے مامون نہیں رہا جاسکتا۔

شرعی میزان پر پرکھیں:

جھنڈے جو فتنہ میں اٹھائے جاتے ہیں خواہ وہ دعاۃ کے ہوں یا ملکوں کے، ضروری ہے کہ مسلمان ان کو صحیح کسوٹی پر وزن کریں۔ آپ دیکھیں کہ اس میں خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہے یا نہیں؟۔ رسالت محمدی کی گواہی پوری کی جاتی ہے یا نہیں؟ اور اس گواہی کا تقاضا ہے کہ شریعت مصطفوی کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ کسوٹی پر پرکھنے کے بعد آپ پر لازم ہے کہ آپ کی محبت اس میزان کے لیے ہو جو صحیح طور پر اسلام کو بلند و بالا کرتا ہے، پھر آپ ایسے لوگوں کو مخلصانہ نصیحت کریں۔ جب یہ میزان مشتبہ ہو جائے تو اس سلسلے میں مرجع علماء ہوں گے کیونکہ وہی لوگ صحیح شرعی حکم جانتے ہیں۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اپنے وقت میں سلطان کے لیے کافی دعا کرتے تھے، ان سے کہا گیا کہ آپ ان کے لیے اپنے سے زیادہ دعا کرتے ہیں؟ فرمایا: ہاں کیونکہ اگر میں درست رہا تو میری درستگی اپنے لیے اور اپنے ارد گرد رہنے والوں کے لیے ہو گی، رہا سلطان کی درستگی تو وہ عام لوگوں کے لیے ہو گی۔

قول و عمل میں چوکس رہیں:

فتنے کے وقت گفتار و کردار کے کچھ الگ ہی ضابطے ہوتے ہیں چنانچہ ہر وہ بات جو آپ کو اچھی لگے اسے کہہ ڈالنا یا ہر وہ کام جو اچھا لگے اسے کر گزرنا مناسب نہیں، کیونکہ فتنے کی گھڑیوں میں ایسا کرنے سے متعدد مسائل کھڑے ہوتے ہیں۔

تعجب کی بات نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بھرے برتن کے مانند حدیثیں یاد کیں (یعنی دو قسم کا علم سیکھا) جن میں سے ایک کو میں نے عام کر دیا اور اگر دوسرے کو عام کرتا تو میری گردن کاٹ دی جاتی۔" (صحیح بخاری)

علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ایسی حدیثیں ہیں جو فتنے اور بنو امیہ وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں، شرعی احکام سے متعلق نہ تھیں اور حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کہی جبکہ لوگ گھمسان کی لڑائی اور جنگ وجدال کے بعد ان کے سایہ تلے اکٹھا ہو چکے تھے، انہوں نے انہیں اس لیے چھپالیا تاکہ لوگ جدائی کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو یکجا ہو چکے تھے پھر لڑنے بھڑنے نہ لگیں۔ اسی لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آپ لوگوں سے کوئی ایسی بات نہ کریں جو ان کی سمجھ سے باہر ہو اور ان کے لیے فتنہ کا سبب بن جائے" (صحیح مسلم)

فتنے کی گھڑیوں میں لوگ بات کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں، لہذا ہر وہ بات جو معلوم ہے، نہیں کہنی چاہیے، زبان پر لگام لگانا ضروری ہے، کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی بات پر کیسے اثرات مرتب ہونگے؟ آپ کی رائے کیا رنگ لائے گی؟ سلف رحمہم اللہ اپنے دین کی سلامتی کے پیش نظر فتنوں کے وقت بہت سارے مسائل میں خاموش رہے تاکہ اللہ سے امن وسلامتی کے ساتھ ملیں۔

صحیح بخاری کی روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "اگر تمہاری قوم کے لوگ کفر سے قریب نہ ہوتے (نئے مسلمان نہ ہوتے) تو کعبہ کو ڈھا کر اس کو قواعدِ ابراہیمی پر بناڈالتا اور اس میں دو دروازے لگا دیتا۔" نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ لاحق ہوا کہ کفارِ قریش جو نئے نئے اسلام لائے ہیں کعبہ کو توڑ کر اسکو قواعدِ ابراہیمی پر بنانے اور اس میں دو

دروازے لگانے (ایک سے داخل ہو یا جائے اور دوسرے سے نکلا جائے) سے ایسا نہ ہو کہ لوگ غلط سمجھ لیں یا یہ سمجھ لیں کہ آپ فخر کرنا چاہتے ہیں یا آپ دینِ ابراہیمی کی بے حرمتی کرنا چاہتے ہیں یا کچھ اور خیال کر بیٹھیں اس لیے آپ نے اسکو چھوڑ دیا۔

نیک اعمال کا التزام واہتمام:

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

''بادروا بالاعمال فتنا کقطع الیل المظلم''

''لوگو! سخت سیاہ رات کی طرح گھنے فتنوں کے واقع ہونے سے پہلے پہلے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرو (کیونکہ وہ فتنے اتنے خطرناک ہوں گے کہ) صبح کے وقت بندہ مؤمن ہو گا تو شام تک کافر ہو جائے گا اگر شام کو مؤمن ہو گا تو صبح تک کافر ہو جائے گا آدمی دنیا کے معمولی مفاد کے عوض اپنا دین بیچ دے گا۔''

اور کثرت سے اللہ کی عبادت کا اہتمام: کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا

:

''العبادۃ فی الھرج کا لھجرۃ الی''

”قتل وغارت کے دور میں عبادت کرنا میں محمد ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کے مترادف ہے۔“

(صحیح مسلم رقم 2948) (الشریعہ لآجری ص49 رقم 82)

فتنوں کے ایام میں مسلمان کے خلاف زبان اور ہاتھ کو روک لینا:

جیسا کہ سیدنا علی اور امیر معاویہ کے درمیان ہونے والی جنگوں کے موقع پر سیدنا علی ایک صحابی کے پاس آئے اور کہا کہ میرے ساتھ میدان جنگ میں چلو۔ تو اس صحابی نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے فتنوں کے دور میں تو لکڑی کی تلوار بنالینا (اور اب جبکہ دو مسلمان گروہ باہم بر سر پیکار رہیں) اور میرے پاس لکڑی کی تلوار ہی ہے، اگر اسی طرح پسند کرتے ہیں تو چل پڑتا ہو ں۔ سیدنا علی اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔

کسی کلمہ گو شخص یا جماعت یا ادارہ کی تکفیر سے اجتناب کرنا:

اگر آپ کو کسی شخص کے بارے میں کسی بات یا عمل کا علم ہوتا ہے تو آپ اس شخص یا ادارہ یا جماعت پر کفر کا حکم لگانے کی بجائے اس کے کفریہ قول یا فعل پر حکم رکھیں۔ کہ اس کا فلاں کام یا بات کفریہ یا شرکیہ ہے یعنی حکم عمل پر

رکھیں افراد پر نہیں یہ سب سے محتاط انداز ہے اور اس معیّن شخص وغیرہ کی تکفیر سے اجتناب کریں۔ کیونکہ یہ آپکے ذمے نہیں!

فتنہ پرور لوگوں کی محافل سے کلی اجتناب

کم علم تکفیری اور گمراہ کن نظریات کے حامل لوگوں کی مجالس اور ان کے ساتھ بحث سے اجتناب کرنا جیسا کہ سابقہ صفحات میں امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس فتنہ عظیم (فتنہ تکفیر) سے محفوظ فرمائے اور سیدھی راہ پر گامزن رکھے۔ آمین یارب العالمین

باب دوم:

تم کافر ہو۔۔۔!!!

(ضوابط تکفیر)

محترم جابر علی عسکری حفظہ اللہ

مقدمہ

آج کل ایک دوسرے کو کافر کہنے کا رواج عام ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، اس میں تو لطف ہی بہت آتا ہے۔ کیونکہ ابلیس نے اس کام کو مسلمانوں کے لیے بڑا خوشنما بنا کر پیش کیا ہے۔ ویسے تو ہر گناہ والا ہر کام ہی پر لطف ہوتا ہے، گو کہ آخرت میں اسکا انجام بہت برا نکلتا ہے، لیکن گناہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جاتا ہے ویسے ہی اس کی لذت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور چونکہ کسی مسلمان کو کافر قرار دے دینا گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ ہے اسی لیے اس گُناہِ پُر لذت کے مرتکب بہت ہی محظوظ ہوتے ہیں۔

ویسے اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو کسی کلمہ پڑھنے والے اور ارکان اسلام و ایمان پر عمل کرنے والے شخص کو کافر قرار دینا بسا اوقات دینی و شرعی ضرورت بن جاتی ہے۔ اور اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے، اسکے ظاہری اعمال مسلمانوں والے ہوں لیکن پھر اسکے بعد وہ کوئی ایسی حرکت کرے جو کسی مسلمان کو مرتد بنا دیتی ہے تو اہل علم مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد اسکے کافر ہونے کا اعلان کر دیں اور مسلمان حاکم اس مرتد کو قتل کر دے تا کہ یہ گندی مچھلی سارے تالاب کو گندہ نہ کر دے۔

اور ماضی میں اس شرعی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے اسلام دشمنوں کو کافر قرار دیا گیا ہے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر کفر کی ترویج شروع کر دی تھی۔ ماضی

قریب میں مرزاغلام احمد قادیانی اس بات کی بہترین مثال ہے۔ کہ مولانابشیر احمد سہسوانی α نے مکمل تحقیق و تفتیش کے بعد اسکے کافر ہونے کا فتوی دیا، پھر انکے بعد بر صغیر کے دیگر علماء کرام نے مرزاغلام احمد قادیانی کے کردار کو پرکھ کر اس پر کفر کا فتوی لگایا۔ اور یہ عین اسلام ضروریات میں ہے، کہ ایسے ظالم شخص پر کفر کا فتوی لگاکر عوام الناس کے سامنے اسکا کفر واضح کیا جائے۔ بہر حال جیسا کہ مثل مشہور ہے:

جسکا کام اسی کو ساجھے۔۔۔ کوئی اور کرے تو ڈھینگا باجے"

یہ کام ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کا نہیں ہے کہ ہر ساجا، ماجا، گاما، شِید اجو چاہے اٹھے اور کفر کفر کی توپ چلانا شروع کر دے۔ یہ نہایت حساس معاملہ ہے اور صرف یہ نہیں کہ عوام الناس یہ کام نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو چھوٹے موٹے مولویوں کا کام بھی نہیں ہے۔ یہ ایسے کبار علماء کا فریضہ ہے جو راسخ فی العلم یعنی علم میں پختہ ہوں، اور علماء بھی عوام الناس میں عالم دین مشہور ہونے کے باوجود ان کی طرف رجوع کرتے ہوں، ان سے سیکھتے ہوں، اور مسائل کا حل دریافت کرتے ہوں، ایسے ہی لوگوں کو عرف عام میں استاذ العلماء (یعنی علماء کا استاد) یا استاذ الاساتذہ (یعنی استادوں کا استاد) کہا جاتا ہے۔ الغرض یہ فریضہ جتنا بڑا، اور معاملہ جتنا حساس ہے، اسے سرانجام دینے کے لیے بھی اتنے بڑے علم و فضل کے حاملین اور حکمت و دانائی کے پیکر درکار ہیں۔

اور یہ صرف اسی مسئلہ کی بات نہیں ہے بلکہ دنیا کا ہر کام اسی اصول پر ہی چلتا ہے۔ کسی بھی ملک کی عوام زمامِ حکومت کسی مجنون اور دیوانے کے سپرد نہیں کرتی، بلکہ کسی صاحب

علم و دانش کو کو اپنا حاکم بناتی ہے۔ کیونکہ نظام حکومت کو چلانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ایسے ہی تقریبا ہر معاملہ میں لیڈر اور رہنما صرف اسے ہی تسلیم کیا جاتا ہے جس میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتمّ موجود ہوں۔ وگرنہ وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے جو اپنی سیادت و قیادت کسی نااہل شخص کے سپرد کر دے۔ اور ایک عرب شاعر نے تو کیا خوب کہا ہے:

إذا كان الغراب دِلّيل قوم سيهديهم طريق الهالكين

یعنی جب کسی قوم کا راہنما کوا بن جائے, تو وہ انہیں ہلاکت کی راہوں پر ہی گامزن کرے گا۔

الغرض "لِكلِّ فنٍ رِجالٌ" یعنی ہر فن کے لیے کوئی نہ کو ماہرین ہوتے ہیں۔ ایسے ہی مسئلہ تکفیر کے لیے بھی ماہرینِ فن کی ضرورت ہے، وگرنہ جیسے قوم کو اگر عطائی حکیموں اور ڈاکٹروں کے پلے ڈال دیا جائے تو پھر قبرستان ہی آباد ہوتے ہیں، ویسے ہی اگر مسئلہ تکفیر کو بھی جاہل و کج فہم فتوی بازوں کے سپرد کر دیا جائے تو وہ ساری قوم کو ہی کافر بنا بیٹھتے ہیں۔ لہذا یہ مسئلہ انہی لوگوں کے سپرد کرنا ضروری ہے جو اسے اسکے اہل ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے بہت سے کاموں کو کفریہ کام قرار دیا ہوا ہے، لیکن اسکے باوجود دین اسلام کسی خاص آدمی کی طرف اشارہ کر کے یا اسکا نام لے کر اسے کافر قرار دینے سے منع کرتا ہے، الاّ کہ اس میں کچھ شرائط پوری ہو جائیں اور اسکے معاملہ کی مکمل طور پر تحقیق کر لی جائے۔ اس مختصر سے رسالہ میں ہم ان چند قوانین کا ذکر کریں گے کہ جن پر عمل درآمد

کرنا اسلام نے کسی بھی شخص کو کافر کہنے کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جو شخص ان اصولوں کو مدنظر رکھے بغیر کافر کافر کی گردان کرتا ہے، اسے تکفیری یا خارجی کہا جاتا ہے۔

یاد رہے! کہ اس رسالہ سے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے کہ اسے پڑھ کر ہر شخص لوگوں کو کافر بنانے کی مشق شروع کر دے، بلکہ مقصود صرف اور صرف اس معاملہ کے بارہ میں وضاحت کرنا ہے کہ یہ کام کن کن مراحل سے گزرنے کے بعد سرانجام دیا جاتا ہے۔ تاکہ ذی شعور لوگ اسے پڑھتے ہی فورا سمجھ جائیں کہ یہ کام انکی دسترس سے بالاتر ہے۔ اور اسے ان لوگوں کے ہی سپرد کریں جو یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

دعا گو: جابر علی عسکری

تکفیر کی اقسام

کسی کو کافر قرار دینے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی گروہ یا شخص کا نام لے کر اسے کافر قرار دینا، اسے تکفیر مُعَیَّن کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ کسی کام کو کفریہ قرار دینا، یعنی یوں کہنا کہ جس نے بھی فلاں کام کیا وہ کافر ہے، اسے تکفیر مُطلَق کہا جاتا ہے۔ یعنی تکفیر مطلق کسی خاص کفریہ فعل کی بناء پر ہوتی ہے۔ لیکن اس خاص فعل کا مرتکب خاص شخص اس وقت تک کافر قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک اس میں تکفیر کی شرطیں پوری نہ ہو جائیں اور موانع ختم نہ ہو جائیں۔ لہذا تکفیر مطلق اور تکفیر معین کا فرق سمجھنا ضروری ہے۔

تکفیر مطلق:

کسی بھی فعل کو کتاب وسنت میں کفر قرار دیا گیا ہو تو اسکے بارہ میں کہنا جس نے بھی یہ کام کیا وہ کافر ہے۔ تکفیر مطلق کہلاتا ہے۔ مثلا: اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی یا نبی آخر الزماں ﷺ، یا ارکان اسلام وایمان کا انکار کرنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لہذا ہم کہیں گے کہ جس نے بھی شرک کیا اسکا اسلام ختم ہو گیا اور جس نے بھی اللہ کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا، اسے تکفیر مطلق کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی تکفیر کی صورت میں جن افراد پر یہ تکفیر صادق آتی ہے ان سے کفار والا معاملہ نہیں کیا جاتا نہ ہی انہیں مرتد قرار دیا جاتا ہے بلکہ انہیں مرتد قرار دینے کے لیے انکی مُعَیَّنتکفیر کی جاتی ہے۔

تکفیر مُعَیَّن (nominate takfeer)

تکفیر معین یہ ہوتی ہے کہ کسی بھی ایسے کام کے مرتکب شخص کو نام لے کر کافر قرار دینا جس کام کا کفر یا شرک ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ مثلا: اسلم نے اللہ تعالی کی آیات کا مذاق اڑایا تو یہ کہنا کہ اسلم کافر ہے اسے تکفیر معین کہا جاتا ہے۔

تکفیر معین کے اصول

مطلق تکفیر تو قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص کرتا ہے مگر تکفیر معین ایک حساس معاملہ ہے، ہاں اسلام میں کسی بھی شخص کی معینتکفیر کی جا سکتی ہے لیکن اسکے لیے اللہ تعالی نے کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

ا۔ علم

اگر کسی آدمی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ کام کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو کفریہ کام کا ارتکاب کر لینے کے باوجود کافر نہیں کہا جائے گا۔ مثلا نے اللہ تعالی کی آیات کا مذاق اڑایا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں کہ ایسے کرنے سے انسان مرتد ہو جاتا ہے تو اسے مرتد یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ

فرماتے ہیں"إن الله تجاوز عن امتی الخطأ والنسیان"میری امت سے خطا اور نسیان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے در گزر کیا ہے، معاف کر دیا ہے۔[1]

جہالت کی بنا پر، بھول کر، بندہ کام کر لیتا ہے۔ جاہل ہے، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں گے ۔ہم دنیا میں اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ جب تک اس کی جہالت رفع نہ ہو۔ بلکہ جہالت کی وجہ سے کفریہ کام سر انجام دینے والے کو تو اللہ تعالی نے معاف فرما دیا تھا، ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ المَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي، ثُمَّ اطْحَنُونِي، ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ، فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا، فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَمَرَ اللَّهُ الأَرْضَ فَقَالَ: اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ، فَفَعَلَتْ، فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ قَالَ: يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ، فَغَفَرَ لَهُ "

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی بہت گنہگار تھا۔ تو جب اسکی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو کہا جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا کر راکھ بنا دینا اور پھر مجھے ہوا میں اڑا دینا، اللہ کی قسم اگر اللہ نے مجھے جمع کر لیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ جیسا اس نے کبھی کسی کو نہ دیا ہو گا۔ تو جب وہ فوت ہو گیا تو اسکے ساتھ ایسا ہی کیا گیا۔ اللہ تعالی نے زمین کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے اندر ہے اسے جمع کر تو زمین نے اسکی

---

[1]- سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق المکرہ والناسی ح 2043۔

خاک کو جمع کر دیا اور وہ اللہ کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالی نے پوچھا تجھے یہ کام کرنے پر کس نے ابھارا تھا۔ تو وہ کہنے لگا اے رب تیرے ڈر نے ہی مجھے اس کام پر مجبور کیا تھا۔ تو اللہ تعالی نے اسے معاف فرما دیا۔[2]

یعنی اس بیچارے نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ سمجھا کہ شاید اللہ کے پاس اتنی قدرت نہیں ہے کہ وہ ذروں کو جمع کر کے مجھے دوبارہ کھڑا کر سکے۔ البتہ وہ شخص مؤمن تھا اسے یقین تھا کہ مرنے کے بعد حساب دینا پڑے گا۔ اللہ تعالی پر اسے یقین تھا۔ لیکن اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے اللہ تعالی کی صفات کا انکار کر بیٹھا کہ اگر میں راکھ ہو جاؤں گا اور میرے ذرات بکھر جائیں گے تو شاید اللہ تعالی کی گرفت سے بچ جاؤں گا۔ اور اس نے یہ کام صرف اللہ تعالی کے عذاب سے ڈرتے ہوئے کیا تھا۔ تو اللہ رب العزت نے اسے معاف فرما دیا کہ اس شخص میں جہالت کا عذر تھا۔

۲۔ قصد و عمد

یعنی کوئی بھی شخص جو کفریہ کام کا مرتکب ہوا ہے، وہ اگر جان بوجھ کر کفر کرے گا تو ہم اسکا نام لے کر اسے کافر کہیں گے اور اس پر مرتد ہونے کا فتوی لگے گا۔ اور اگر وہ کفریہ کام اس سے کسی غلطی کی وجہ سے سرزد ہوا ہے تو اسے کافر یا دائرہ اسلام سے خارج نہیں قرار دیا

---

[2]۔ صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث الغار: 3481

جاسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں"إن الله تجاوز عن أمتی الخطأ والنسيان "میری امت سے خطا اور نسیان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے در گزر کیا ہے، معاف کر دیا ہے۔[3]

اسی طرح وہ شخص کہ صحراء میں جس کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ موت کا انتظار کرتے کرتے سو گیا ، لیکن جو نہی آنکھ کھلی تو اس اونٹ ساز و سامان سمیت اسکے سامنے کھڑا تھا، تو انتہائی خوشی کے عالم میں بے ساختہ اسکی زبان سے یہ جملہ نکلا" یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔"[4] ظاہر اًتو یہ کلمہ کفریہ تھا، لیکن چونکہ اس نے یہ جملہ جان بوجھ کر نہیں کہا بلکہ بلا اختیار اسکے منہ سے یہ الفاظ نکلے، لہذا ایسے شخص کی تکفیر کرنا قطعا جائز نہ ہو گا۔

۳۔ اختیار

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ آدمی مختار ہو، یعنی اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے کرے، اگر کوئی آدمی اس کو کہتا ہے کہ تو کفریہ کلمہ کہہ، نہیں تو تجھے ابھی قتل کرتا ہوں۔ تو وہ اس کے جبر، تشدد و ظلم کے ڈر سے کوئی کفریہ کلمہکہہ دیتا ہے یا کفریہ کام سر انجام دے بیٹھتا ہے تو ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[3]- سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق المکرہ والناسی ح 2043

[4]- صحیح مسلم: ۲۷۴۷

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (النحل : ١٠٦)

"جو آدمی اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرے (اللہ کو ہر گز یہ گوارا نہیں ہے)۔ہاں وہ بندہ جس کو مجبور کر دیا گیا (تو اس آدمی پر کوئی وعید نہیں ہے) لیکن جس نے شرح صدر کے ساتھ ،دل کی خوشی کے ساتھ کفر کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔"

یعنی اگر جان بوجھ کر، اپنے اختیار کے ساتھ، جبر و اکراہ کے بغیر، وہ ایسا کفریہ کلمہ کہتا ہے، یا کفریہ کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ قابل مؤاخذہ ہے۔ لیکن اگر کسی کے ڈر سے وہ کفریہ کام سر انجام دیتا ہے تو وہ قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا فرمانا:"لا تشرک باللہ شیئا وان قطعت وحرقت "تجھے جلا دیا جائے، تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں، اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرنا۔[5]

عزیمت پر محمول ہے، یعنی موت کے خوف سے، جان بچانے کی غرض سے کفریہ یا شرکیہ کام کرنا پڑتا ہے، کفریہ یا شرکیہ کلمہ کہنا پڑتا ہے تو آدمی کو رخصت ہے کہ کفریہ یا شرکیہ کلمہ کہہ سکتا ہے، شرکیہ یا کفریہ کام کر سکتا ہے، لیکن عزیمت یہی ہے کہ بندہ اس وقت بھی کفریہ کلمہ

---

[5]- سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب الصبر علی البلاء ح4034

نہ کہے۔ اور اگر وہ رخصت کو اپنالیتاہے تو بھی شریعت نے اسکی اجازت دی ہے۔ اور یہ کوئی مداہنت یا معیوب بات نہیں۔

۴۔ تأویل(misconception)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جو شخص کفر کا ارتکاب کر رہاہے وہ مؤول نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ کسی شرعی دلیل کا سہارا لے کر اس کام کو جائز سمجھتا ہو۔ قرآن و حدیث کی غلط تفسیر و تاویل کر کے کسی بھی کفریہ کام کو اپنے لیے جائز سمجھنے والے کی اس وقت تک تکفیر نہیں کی جاسکتی جب تک اس پر حجت قائم نہ ہو جائے۔ مثلاً آج کل بہت سے لوگ غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے اور جو بھی غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے وہ مشرک و کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اسلم نامی شخص غیر اللہ سے مدد مانگتا ہے تو ہم اسے اسوقت تک کافر قرار نہیں دیں گے جب تک اس پر حجت قائم نہ کرلیں اسکی تحقیق نہ کرلیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلط تاویل وتوجیہہ کرنے والوں کے ایسے کاموں سے در گزر فرمایا ہے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ۔ [6]

---

[6]۔ صحیح مسلم:۱۷۱٦

"جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتا ہے، اگر تو اسکا فیصلہ درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اسکا اجتہاد اسے غلطی پر پہنچا دے تو بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔"

اور ہمارے یہاں پائے جانے والے بہت سے ایسے افراد جو کفریہ و شرکیہ کام کرتے ہیں وہ اجتہادی خطا کا شکار ہوتے ہیں اور کتاب و سنت کی نصوص کی غلط تاویل و تفسیر کر کے اسے ہی حق سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ لہذا کیسے ممکن ہے کہ ایسے شخص کی تکفیر کر دی جائے جسے اللہ تعالی ایک اجر عطا فرماتے ہیں؟!

الغرض کسی بھی شخص کی معین تکفیر یعنی اسکا نام لے کر اسے کافر قرار دینا یا کسی جماعت کی معین تکفیر اس وقت تک نہیں کی جاسکتی جب تک اللہ رب العزت کے مقرر کردہ اصول و قوانین کو اپلائی (apply) نہ کیا جائے۔

۵۔ کفر ہونے کا اثبات

ایسے ہی جس کام کی بناء پر کسی شخص کو کافر قرار دیا جارہا ہے اس کام کا کفر ہونا بھی شریعت اسلامیہ کے واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو۔ یہ نہ ہو کہ جس کام کی بناء پر کفر کا فتوی لگایا جارہا ہے شریعت اسے کفر ہی نہ سمجھتی ہو۔ اور ہمارے معاشرہ میں اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ عمل کا کفریہ ہونا ہی ثابت نہیں ہوتا، مگر اسکی بناء پر لوگوں کو کافر قرار دیا جارہا ہوتا ہے۔ ایسا ہی کام نبی کریم ﷺ، قرآن مجید فرقان حمید اور اللہ تعالی کی گستاخی کے نام پر بھی کیا جاتا

ہے، کہ بہت سے ایسے افعال واقوال جو کہ شریعت کے میزان میں گستاخی نہیں بنتے، انکی بناء پر بھی ارض پاک میں جابجا ظلم وبربریت کے بازار گرم کیے جاتے ہیں، جو شیلے ہمنواؤں کے جلو میں فقیہانِ کج فہم کسی مسلمان پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اسے کافر اور گستاخ کہہ کر موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ لہذا کسی بھی شخص کی تکفیر کے لیے ضروری ہے کہ جس عمل کی بناء پر اسے کافر کہا جارہا ہے وہ عمل واقعتاً کفر ہو۔

تکفیر مسلم کے بھیانک نتائج

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر کافر کہے تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا قال الرجل لأخيه يا كافر، فقد باء به أحدهما»[7]

"جب کسی آدمی نے اپنے بھائی کہا: اے کافر! تو اس جملہ کا دونوں میں سے کوئی ایک ضرور حقدار ہو گا۔"

کیونکہ یہ معاملہ نہایت ہی سنگین ہے، کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسکی جان ومال وآبرو کچھ بھی محفوظ نہیں رہی یعنی مسلمانوں کے لیے اسے قتل کرنا اور اسکا مال لوٹنا جائز ہو گیا ہے۔ اسی بناء پر آپ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ پاکستانی حکام، عدلیہ، افواج اور

7۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کفر أخاه بغیر تأویل فهو کما قال: ۶۱۰۳

پولیس وغیرہ کو کافر کہتے ہیں، وہ انہیں قتل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔اور انکا مال لوٹنے کے لیے اغواء برائے تاوان تو انکا پسندیدہ مشغلہ بن چکا ہے۔ آئے روز ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ فلاں جگہ بم دھماکہ ہو گیا، فلاں جگہ خود کش حملہ ہو گیا، فلاں شخص کو تحریک طالبان نے اغواء کر کے نامعلوم مقام پر پہنچا دیا اور اسکی رہائی کے عوض اتنی رقم کا مطالبہ رکھ دیا ہے۔ یعنی تکفیر کا فتنہ ایسا خطرناک فتنہ ہے جو موجودہ دور کے تمام تر فتنوں سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے۔

خاتمہ

کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے سے متعلق یہ کچھ اہم بنیادی معلومات تھی جو ہم نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ کہ کسی بھی کفریہ کام کے مرتکب شخص کو اس وقت تک کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک مندرجہ بالا شرائط اس میں پوری نہ ہو جائیں۔ اور یہ کام صرف اور صرف راسخ فی العلم علماء اور قضاۃ کا ہے، نہ کہ جو چاہے ان شرائط کو خود سے پورا کر لے اور کافر کافر کی گردان کرتا پھرے اور کہے کہ میں تو حجت قائم کر دی ہے لہذا میرے نزدیک اب یہ شخص کافر ہے۔ اور جو لوگ ان اصولوں اور قاعدوں کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں انہیں تکفیری کہا جاتا ہے۔

اللہ سے دعاء ہے کہ وہ اس مختصر رسالہ کو اہل اسلام کے لیے نفع بخش بنادے۔ آمین

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

باب سوم

کیا پاکستانی حکمران اور عدلیہ کافر ہے؟!

جابر علی عسکری حفظہ اللہ

مقدمہ

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا فرمایا ہے اور اسکو زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی سُجھایا ہے۔ اصول وضوابط اور قوانین واحکام وضع کیے ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنا بنی آدم کے لیے ضروری ہے۔ اگر انسانیت ان احکامات کو ملحوظ نہ رکھے تو انکی دنیوی زندگی بھی اجیرن ہو جاتی ہے اور اخروی زندگی میں بھی عذاب الیم ہی انکا مقدر ٹھہرتا ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ اوامر ایسے ہیں کہ جنکی خلاف ورزی کرنے پر اللہ تعالی ناراض تو ہوتا ہے لیکن ایسے لوگوں پر اسکا غصہ جلدی یا کچھ دیر میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگ ہی بالآخر جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ یا پھر کچھ لوگوں نے اپنے رب کو اس قدر منا لیا ہو گا کہ انکی لغزشوں سے اللہ انکے اعلی ترین اعمال کی وجہ سے درگزر فرمائے گا اور انہیں سیدھا جنت میں داخل فرما دے گا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان کفر وشرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالی کے بعض احکامات میں نافرمانی بھی کر لیتا ہے تو اگر اس کے دل میں ایمان ہے تو بہر حال وہ جنت کا مستحق ضرور ٹھہرے گا۔ اللہ تعالی کے قوانین اور احکامات کے خلاف فیصلہ کرنے والا شخص, خواہ قاضی ہو , حکمران ہو, امیر ومدیر ہو, اپنے گھر کا سربراہ ہو, یا کوئی اور شخص, اگر وہ مؤمن ہو, اور اللہ تعالی کے احکامات خلاف فیصلہ کرنا وہ اپنے حلال نہ سمجھتا ہو, لیکن جہالت ونادانی میں ایسا کر رہا ہو, یا اپنے کیے گئے فیصلہ کو اللہ کے حکم سے افضل وبہتر نہ سمجھتا ہو, لیکن اپنی کسی مجبوری یا کج فہمی کی بناء پر خلاف شرع فیصلہ نافذ کیے ہوئے ہو, یا اپنے بنائے گئے قوانین کو اللہ کے قوانین کے مساوی اور برابر نہ قرار دیتا ہو بلکہ اپنے فیصلوں کو خدائی فیصلوں کے مقابلہ میں ہیچ ہی سمجھتا ہو , یا اللہ کے احکامات کا انکار نہ کرے اور انہیں نہ جھٹلائے اور نہ ہی اپنے فیصلہ کو اللہ کا فیصلہ

قرار دے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو تا, ہاں عند اللہ مجرم ضرور بن جاتا ہے کہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔

ایسی صورت میں اگر تو فیصلہ کرنے والے نے کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر یا اسکی محبت میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر خلاف شرع فیصلہ کر دیا ہے تو ایسا شخص حکم الہی کے مطابق ظالم قرار پاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی خواہشات نفس کا اسیر ہو کر احکامات الہی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو وہ فاسق و گنہگار ہے۔ لیکن عصر حاضر میں کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والے حکام وعدلیہ کو بلا تفریق کافر اور طاغوت کہنا شروع کر دیا ہے (انصارانِ طاغوت : ص ۱٦)۔ جبکہ انکے اپنے فقہاء و مجتہدین جو شریعت اسلامیہ کے خلاف فتوے دیتے رہے ہیں انہیں اجتہادی غلطی کی سہولت مہیا کر کے عین مسلمان سمجھتے ہیں, حالانکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ملک پاکستان میں نافذ قوانین فقہ حنفی کے عین مطابق ہیں, حتی کہ فقہ حنفی میں جتنے فیصلے کتاب و سنت کے صریح احکامات کے خلاف ہیں شاید اتنے فیصلے پاکستان کے قانون میں خلاف شریعت نہیں۔ بلکہ وہ خود بھی اپنے نجی معاملات میں بے شمار خلاف شریعت فیصلے کرتے ہیں اور کبھی اسے اپنی مجبوری قرار دیتے ہیں تو کبھی ذاتی سستی سے تعبیر کرتے ہوئے عملی کوتاہی کا نام دیتے ہیں۔ یعنی اگر خود یا انکے فقہاء ومفتیان شریعت کے خلاف فیصلہ دیں تو وہ کامل ایمان والے مؤمن قرار پاتے ہیں, لیکن اگر یہی غلطی کسی جج یا حکومت کی طرف سے ہو جائے تو اسے طاغوت قرار دیے بغیر انہیں چین نہیں آتا۔ حالانکہ خلاف شریعت فیصلہ کرنا صرف اس صورت میں کفر بنتا ہے جب فیصلہ کرنے والا اس خلاف شرع فیصلہ کو حکم الہی قرار دے, یا شرعی فیصلہ سے بہتر یا برابر سمجھے یا شریعت کے فیصلہ کو

جھٹلا دے یا اسکا انکار کر دے۔ اور ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ایک عام آدمی ہو یا حکمران یا قاضی, تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر کوئی بھی شخص احکامات الھیہ کے منافی فیصلہ کر کے کفر کا مرتکب نہیں بنتا۔

پھر اگر کوئی شخص کسی کفریہ کام کا ارتکاب کر بھی لے اس خاص شخص کو کافر یا مرتد اس وقت تک قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کسی خاص آدمی کو کافر قرار دینے کے لیے شریعت نے جو قانون مقرر فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد نہ کر لیا جائے۔ اور طاغوت تو کائنات کا سب سے بڑا کافر ہوتا ہے۔ یعنی اکثر صورتوں میں تو خلاف شریعت فیصلہ کرنا کفر ہی نہیں ہے, اور جن صورتوں میں کفر ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے کے لیے نہایت ہی باریکی کے ساتھ تحقیق کرنا ہوتی ہے اور پھر جب اسکا کفر ثابت ہو جائے تو اس پر حجت قائم کر کے اسے کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے ان جوشیلے فتوی بازوں پر جو بیک جنبش قلم اپنے سوا سب کو کافر بنانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ہم یہی مسئلہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ خلاف شریعت فیصلہ کرنے والا کون شخص کافر ہے اور کون کافر نہیں ہے۔ اور اسے کتاب اللہ, سنت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ دین کے اقوال سے مزین کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

جابر علی عسکری

چند بنیادی باتیں:

لا الہ الا اللہ کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ

”پس جان لے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کی معافی مانگ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور تمہارے ٹھہرنے کو جانتا ہے۔“[8]

امت مسلمہ کو فتنوں سے بچانے کا پہلا مرحلہ اور دعوت میں سب سے پہلا اہم کام کلمہ کی تلقین ہے اللہ تبارک و تعالی نے ہر چیز کے جو درجے بنا رکھے ہیں ان کے مطابق چلنا ضروری ہے اصلاح اور تربیت کے لئے بھی درجے بنائے ہیں اسی طرح ہر چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ درجات ہیں وہ درجات جو اللہ اور اسکے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بتائے ہیں ان کے مطابق چلنا ضروری ہے، اگر ایک جو مسلمان نہیں تو اللہ نے سب سے پہلے اسکو کلمہ سکھانے کا حکم دیا ہے

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ان میں سب سے پہلا کام شھادۃ ان لا الہ الا اللہ ہے۔

---

[8]- محمد : 19

نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وصیت کی:

عن عبداللہ بن عمر و قال ان نبی اللہ نوحا لما حضر تہ الوفا ۃ قال لا بنہ انی قاص علیک الوصیۃ امرک باثنتین و انہاک عن اثنتین آمرک بلا الہ الا اللہ فان السموات السبع والا رضین السبع لو وضعت فی کفۃ وو ضعت لا الہ الا اللہ فی کفۃ رجحت بھن لا الہ الا اللہ ولو ان السماوات السبع والا رضین السبع کن حلقہ مبھمۃ الا قصمتھن لا الہ الا اللہ ۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے انہوں نے کہا جب اللہ کے نبی نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آ پہنچا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا: میں تیرے سامنے ایک وصیت بیان کرتا ہوں، میں تجھے دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، میں تجھے لا الہ الا اللہ کا حکم دیتا ہوں کیونکہ اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو پھر بھی لا الہ الا اللہ بھاری ہو جائے گا اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک بند کڑے کی شکل اختیار کرلیں تو لا الہ الا اللہ اس کو بھی توڑ دے گا۔[9]

اس حدیث میں لا الہ الا اللہ کی فضیلت و عظمت بیان کی گئ ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، بیشک اللہ تعالی بروز قیامت میری امت میں سے ایک آدمی کو تمام مخلوقات کے سامنے لائے گا اس کے سامنے ننانوے رجسٹر پھیلا دیے جائیں گے (جن میں

---

[9]۔ (الصحیحۃ : 134)

اسکے گناہوں کا اندراج ہو گا) ہر رجسٹر تاحد نگاہ ہو گا، اللہ تعالی پوچھے گا: کیا تو ان (گناہوں) میں سے کسی گناہ کا انکار کر سکتا ہے؟ (کہ وہ جو تو نے نہ کیا ہو) کیا میرے کاتب اور محافظ فرشتوں نے تجھ پر کوئی ظلم کیا؟ وہ کہے گا نہیں، اے میرے رب، اللہ تعالی پوچھے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں میرے رب۔ اللہ تعالی کہے گا کیوں نہیں، ہمارے ہاں تیری ایک نیکی محفوظ ہے آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا پھر اس کے لئے ایک پرچہ نکالا جائے گا جس پر: اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ لکھا ہو گا اللہ تعالی اسے کہے گا میزان والی جگہ پر پہنچ، وہ کہے گا ان رجسٹروں کے سامنے یہ پرچہ کیا کرے گا؟ اللہ تعالی کہے گا آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہو گا پھر ترازو کے ایک پلڑے میں ننانوے رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے میں وہ پرچہ، تو وہ رجسٹر اوپر کو اٹھ جائیں گے اور پرچے والا پلڑا بھاری ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالی کے نام سامنے کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔[10]

رسول اللہ ﷺ کی حکمرانوں کو توحید کی دعوت:

رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں سے بھی توحید فی العبادۃ کا ہی مطالبہ کیا۔ مثلا آپ ﷺ نے ہرقل کو جو خط بھیجا اس میں یہ مطالبہ تھا کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــــًٔـا وَّلَا

[10] ترمذی :2639

يَـتَّخِذَ بَـعْضُنَـا بَـعْضًا اَرْبَـابًـا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَـاِنْ تَـوَلَّـوْا فَـقُـوْلُـوا اشْهَـدُوْا بِـاَنَّـا مُـسْلِمُـوْنَ [11]

”اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے پھر اگر وہ اہل کتاب اس بات سے منہ پھیر لیں تو تم ان سے کہ دو (تم مانو یا نہ مانو) ہم تو ایک خدا کے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں۔“ (الصحیحہ : 3607)

جہاد کا (ایک) مقصد بھی توحید (فی العبادۃ):

رسول اللہ ﷺ کے جہاد کا مقصد بھی توحید فی العبادۃ ہی تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

بعثت بالسیف حتی یعبد اللہ وحدہ

”مجھے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے“ (مسند احمد، قال الالبانی: صحیح)

اور دوسری جگہ فرمایا:

---

[11]۔ آل عمران : 64

أمرت أن اقاتل الناس حتى يشهدوآ أن لا إلہ الا اللہ و أن محمدا رسول اللہ و یقیموا الصلاۃ و یو تو الزکوۃ فإذا فعلوا ذالک عصموا منی و ماءھم و امو الھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے لڑتا رہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کر لیتے، پس جب وہ یہ کہہ دیں گے تو وہ اپنا مال اور خون مجھ سے محفوظ کر لیں گے سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔[12]

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف جو تعلیم دے کر بھیجا اس میں بھی سب سے پہلی بات یہی تھی کہ:

فلیکن اول ما تدعوھم إلیہ شھادۃ أن لا الہ الا اللہ

"سب سے پہلی دعوت جو تو ان کو دے وہ شہادۃ ان لا إلہ الا اللہ ہے۔" (صحیح المسلم)

قرآن کریم کا اہم موضوع اور مقصد بھی یہی توحید فی الألوہیہ ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ [13]

---

[12]- الصحیحہ 409، مسلم : 128، ترمذی : 3341

یہ لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے اور تاکہ انہیں اس کے ساتھ ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ حقیقت یہی ہے کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقلوں والے نصیحت حاصل کریں۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ [14]

کہہ دے میری طرف صرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے تو کیا تم فرماں برداری کرنے والے ہو؟

پھر فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [15]

13- ابراہیم : 52

14- لانبیاء:108

15- الکهف : 110

”کہہ دے میں تم جیسا ایک بشر ہی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

الٰہی و نبوی ترتیب سے انحراف:

افسوس اکثر لوگوں نے اس ترتیب یعنی توحید فی العبادۃ کو چھوڑ دیا، کچھ لوگوں نے چھ مسائل کے فضائل سے دعوت کا کام شروع کیا اور پھر اس کام کی نسبت انبیاء کی طرف کر دی ،کچھ لوگوں نے امت کی اصلاح کے لیے جمہوریت کا طریقہ اپنایا جو کہ سراسر باطل طریقہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ حکومت بنانے کے بعد خلافت کے ذریعے امت کی اصلاح کرینگے اور کچھ لوگوں نے حاکمیت کے ذریعے سے کام شروع کیا اور اسی پر پورا زور لگا دیا، حکام اور عام مسلمانوں کی تکفیر کی، حاکمیت کو ایمان کی بنیاد اور پہلا رکن بنا کر تکفیر کو بھی اسی بنیاد پر شروع کیا جہاد کا مقصد بھی صرف اور صرف خود ساختہ حاکمیت اورالولاء و البراء (یعنی دوستی اور دشمنی) کی بنیاد بھی حاکمیت کو قرار دیا کلمہ کے مقصد کو بھی حاکمیت تک محدود کر دیا، اسلام کا پہلا رکن بھی حاکمیت ہی کو قرار دیا، توحید فی الألوھیۃ اور توحید فی العبادۃ کو نسیاً منسیاً قرار دے دیا پھر ان کے اوپر دلائل اور مختلف شبہات مختلف طریقوں سے پیش کرتے ہیں مثلا انٹر نیٹ سی ڈیز اور مختلف لٹریچر کے ذریعے بنیادی چیز کلمہ، شرک کارد، اور بدعات سے نفرت، نماز کی اصلاح، اتباع رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر ایک ہی موضوع حاکمیت کو اپنا مقصد بنا کر حکمرانوں اور عام مسلمانوں کی تکفیر کی

تکفیر کا مطلب:

تکفیر: کسی پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسے کافر قرار دینا

محترم بھائیو! تکفیر مسلم ایک خطرناک گھاٹی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد بآء بہ احدھما[16]

"جب آدمی اپنے بھائی کو کہے "یا کافر" یا "اے کافر" تو تحقیق اس (کلمے) کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک لوٹتا ہے۔"

ومن لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ

جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو اس کا گناہ اس کے قتل کے برابر ہے اور جس نے کسی مومن کو کافر کہا تو یہ بھی اس کے قتل کے برابر ہے[17]

عن ابی ذر رضی الله عنه انه سمع النبی ﷺ یقول لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یر میه بالکفر إالار تد ت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک

---

16. صحیح البخاری : 6153 صحیح مسلم کتاب الایمان

17. صحیح البخاری : 6105

سید نا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی مسلمان کو فاسق یا کافر کہے اور وہ حقیقت میں فاسق یا کافر نہ ہو تو کہنے والا خود فاسق اور کافر ہو جائے گا۔[18]

تکفیر کے نتائج:

1- جسکی تکفیر کی جارہی ہے اسکا قتل جائز اور اسکا خون حلال ہے

2- ذبیحہ حرام

3- مال حلال

4- جہنم واجب

5- نکاح باطل

6- مسلمان عورت سے نکاح ناجائز

7- گواہی نامنظور

8- وراثت سے محروم

9- ولایت نامقبول

10- مرنے کے بعد نہ غسل، نہ کفن، نہ جنازہ، نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور نہ اس کے لئے دعا کی جائے گی۔

---

[18]۔ صحیح البخاری : 2030 مختصر کتب خانہ السلفیہ

محترم بھائیو! کلمہ پڑھنے والے کا ایمان یقینی ہوتا ہے اس پر کفر کا فتویٰ لگانا حرام ہے اس لئے اس معاملے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے جب تک کفر کی شرائط پوری نہ ہو جائیں۔ تکفیر کا فتویٰ لگانے کے لئے پختہ علم اور تقوی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے سے ہاتھ روک لینا:

قال اوس : إ نا لقعو د عندالنبی ﷺ وهو يقص علينا و يذ كر نا إذ أناه رجل فساره فقال النبی ﷺ إ ذهبو به فا قتلوه فلما ولی الرجل دعا ه رسول الله ﷺ قال : هل تشهد أن لاإله إلا الله ؟ قال نعم، قال : اذهبو ا فخلوا سبيله فا نما امرت أن اقاتل الناس حتی يقولوا لا إله إلا الله فإذا فعلو ذلک حرم علی دما و هم و اموالهم

اوس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے تھے اور آپ ہمیں وعظ و نصیحت کر رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے نبی ﷺ سے چپکے چپکے بات کی، نبی ﷺ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور قتل کر دو، جب وہ آدمی اٹھ کر چلا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا جاؤ اسے آزاد کر دو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں، جب وہ ایسا کریں تو ان کی جانیں اور مال مجھ پر حرام ہیں۔[19]

---

[19]- ابن ماجہ : 3929

رسول اللہ نے مشرکین سے جنگ کے لئے مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ کیا جب ان لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو ان کی شدید جنگ ہوئی آخر وہ مسلمانوں سے مغلوب ہو گئے میرے رشتہ داروں میں سے ایک آدمی نے ایک مشرک پر نیزے سے حملہ کیا جب وہ اس کے سر پر پہنچ گیا تو اس شخص (دشمن) نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں مسلمان ہوں لیکن اس صحابی نے اس آدمی کے کلمے کا یقین نہیں کیا اور اسکو نیزہ مار کر قتل کر دیا پھر وہ رسول اللہ ﷺ! کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں تباہ ہو گیا؟ آپ نے ایک یا دو بار کہا کہ تو نے کیا کیا؟ اس نے جو کیا تھا بتا دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس کا پیٹ کیوں نہ چیرا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ کے رسول اگر میں اسکا پیٹ چیرتا تو کیا مجھے معلوم ہو جاتا کہ اسکے دل میں کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو نے نہ تو اس کی زبان کے الفاظ کو قبول کیا نہ تو اس کے دل کی کیفیت سے واقف ہوا، راوی بیان کرتا ہے رسول اللہ خاموش ہو گئے (اس کا عذر قبول نہیں کیا) کچھ عرصہ بعد وہ فوت ہو گیا ہم نے اسے دفن کر دیا، صبح ہوئی تو وہ زمین کی سطح پر تھا لوگوں نے کہا شاید کسی دشمن نے اسے قبر سے نکالا ہے ہم نے پھر اسے دفن کر دیا اور اپنے لڑکوں کو پہرے پر لگا دیا اس کے باوجود اس کی لاش صبح کو قبر سے باہر پڑی ہوئی تھی ہم نے کہا شاید لڑکوں کو اونگھ آ گئی، ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر کسی نے میت نکال لی، ہم نے

اسے پھر دفن کیا اور خود پہرہ دیا اس کے باوجود صبح کو لاش قبر سے باہر تھی چنانچہ ہم نے اسے کسی گھاٹی میں پھینک دیا (اور دفن نہیں کیا)[20]

اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حرقۃ قبیلے کی طرف بھیجا، ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کیا اور انہیں شکست دے دی، پھر میں اور ایک انصاری صحابی اس قبیلہ کے ایک شخص مرداس بن عمرو نامی سے بھڑ گئے جب ہم نے اس پر غلبہ پالیا تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا انصاری تو رک گیا لیکن میں نے اسے اپنے برچھے سے قتل کر دیا جب ہم لوٹے تو نبی ﷺ کو بھی اس کی خبر ہوئی آپ ﷺ نے پوچھا: اسامہ کیا اس کے لا الہ الا اللہ کے باوجود تم نے اسکو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا وہ قتل سے بچنا چاہتا تھا اس نے یہ دل سے نہیں پڑھا تھا آپ بار بار یہی فرما رہے تھے کہ تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے پر بھی قتل کر دیا، حتیٰ کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لاتا۔[21]

مقداد بن عمرو الکندی بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ سے عرض کیا اگر کسی موقع پر میری کسی کافر سے ٹکر ہو جائے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں اور وہ میرے ہاتھ پر تلوار مار کر اسے کاٹ ڈالے پھر وہ مجھ سے بھاگ جائے اور ایک درخت کی پناہ میں جا کر کہنے لگے میں اللہ پر ایمان لے آیا تو کیا یا رسول اللہ! اس کے اقرار کے بعد پھر بھی اسکو قتل

20- ابن ماجہ : 3930

21- صحیح البخاری : 4269

کر دوں ؟ حضور ﷺ نے فرمایا پھر تم اسے قتل نہ کرنا، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ پہلے میرا ایک ہاتھ بھی کاٹ چکا ہے اور یہ اقرار میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کیا ہے؟ آپ نے پھر بھی یہی فرمایا اسے قتل نہ کرو کیونکہ اگر تو نے اسے قتل کر ڈالا تو اسے قتل کرنے سے پہلے جو تمہارا مقام تھا اب وہ اس کا مقام ہو گا اور تمہارا مقام وہ ہو گا جو اس کا مقام اس وقت تھا جب اس نے اس کلمہ کا اقرار نہیں کیا تھا۔[22]

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا :تو کتنی عظمتوں، حرمتوں والا ہے دوسری روایت میں ہے جب رسول اللہ نے کعبہ کی طرف دیکھا تو فرمایا اے اللہ کے گھر !تجھے مرحبا ہو تو کتنا عظیم ہے تیری حرمت کتنی عظیم ہے لیکن اللہ تعالی کے ہاں ایک مومن کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے بیشک اللہ تعالی نے تجھ سے ایک چیز کو اور مومن سے تین چیزوں یعنی مال، خون اور سوء ظن کو حرام قرار دیا ہے۔[23]

---

[22]. صحیح البخاری : 4019

[23]. الصحیحہ : 3420

خلاف شریعت فیصلہ کرنے والوں کا شرعی حکم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ایسے لوگوں کے لیے تین مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں جو شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں:

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدة : 44)

جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **کافر** ہیں

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدة : 45)

جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **ظالم** ہیں

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدة : 47)

جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ **فاسق** ہیں

یعنی خلاف شریعت فیصلہ کرنے والے کافر یا ظالم یا فاسق یعنی گنہگار ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایسے شخص کو جو خلاف شریعت فیصلہ کرے، کافر قرار دے دینا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو تین مختلف نام دیے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کس قسم کے افراد خلاف شرع فیصلہ کرنے کی بناء پر کافر بنتے ہیں اور کون سے لوگ ہیں جو ظالم یا فاسق ٹھہرتے ہیں۔

اور اس دوران یہ بات بھی خاص توجہ طلب ہے کہ اللہ رب العالمین نے حکمران, قاضی, فقیہ, یا کسی عامی کے مابین فرق نہیں کیا, بلکہ تمام تر انسانوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے یعنی کافر, ظالم اور فاسق۔ لہذا کسی بھی شعبہ ءزندگی سے تعلق رکھنے والا شخص کیوں نہ ہو وہ خلاف شریعت فیصلہ کرنے کی بناء پر کافر بھی ہو سکتا ہے, ظالم بھی ہو سکتا ہے اور فاسق بھی۔ اور پھر فیصلوں میں اللہ تعالی نے یہ فرق نہیں کیا کہ کس شعبہ ءزندگی سے متعلق فیصلہ کفر ہے, یعنی فیصلہ خواہ عقائد سے متعلق ہو, عبادات سے متعلق ہو, معاملات سے تعلق رکھتا ہو, یا حدود اللہ کے بارہ میں ہو, بہر صورت وہ کفر بھی ہو سکتا ہے, ظلم بھی اور فسق یعنی گناہ بھی!

امام الانبیاء جناب محمد مصطفی ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں بھی لوگ خلاف شرع فیصلہ کر لیتے تھے کبھی اپنی ذات کے لیے تو کبھی کسی دوسرے شخص کے بارہ میں, ان فیصلوں میں سے اکثر کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے ظلم یا فسق ہی قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ (الأنعام: 82)

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم ساتھ نہ ملایا تو انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

تو صحابہ کرام [نے عرض کیا کہ ہم سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس ظلم سے مراد شرک اکبر ہے (صحیح بخاری: ۶۹۳۷)۔

یعنی اللہ تعالی کی معصیت خواہ کسی بھی پیمانے پر ہو وہ ظلم قرار پاتی ہے, اور اگر یہ نافرمانی شرک اکبر کی صورت میں ہو تو انسان کو ملت اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ اور صحابہ کرام [اپنی غلطیوں کا اعتراف فرمارہے ہیں کہ بتقاضہ بشریت ہم سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے اور اسے انہوں نے لفظ ظلم سے تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جس نے اپنی لونڈی کو ناجائز سزادی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے سمجھایا تو اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا تھا (صحیح مسلم :۵۳۷)۔ اب اس شخص کی حیثیت اپنی لونڈی کے لیے ایک حکمران کی سی تھی لیکن اس نے اپنی لونڈی کو سزا دینے کا جو غلط فیصلہ کیا, وہ کفر نہیں تھا بلکہ ظلم تھا۔ ایسے ہی سیدنا عمر بن الخطاب τ نے لوگوں کو حج تمتع (حج اور عمرہ اکٹھا) کرنے سے منع کر دیا تھا(جامع الترمذی:۸۲۳)اور یہ فیصلہ بھی یقینا درست نہ تھا, اور انہوں نے بعد میں اس سے رجوع بھی فرمالیا تھا۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے فیصلے ایسے ملتے ہیں جو شرعی احکامات کے منافی تھے لیکن فیصلہ صادر کرنے والے کو نہ تو رسول اللہ ﷺ نے کافر قرار دیا اور نہ ہی صحابہ کرام [نے ان پر کوئی ایسا فتوی لگایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان لاعلمی, یا اجتہادی غلطی, یا کسی مصلحت یا لالچ کے تحت غلط فیصلہ کر بیٹھتا ہے تو وہ کفر نہیں ہوتا۔

اسی بناء پر علمائے اسلام نے بھی متفقہ طور پر یہ بات کہی ہے کہ جب کوئی شخص خلاف شریعت فیصلہ کرتے ہوئے یہ سمجھے کہ اسکا فیصلہ شریعت سے بہتر ہے, تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے اور ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص شرعی فیصلہ کو بہتر, اور افضل سمجھتا ہو, لیکن کسی سے انتقام لینے کی خاطر خلاف شرع فیصلہ دے دے تو وہ کافر نہیں بلکہ ظالم ہو گا۔

اور اگر کسی کی محبت یا رشوت وغیرہ کی لالچ میں اسے فائدہ پہنچانے کی خاطر وہ شریعت مخالف فیصلہ کرے تو وہ فاسق ہو گا۔ یہی بات شیخ ابن عثیمین نے مجموع فتاوی ورسائل میں ج ۲ ص ۱۴۷-۱۴۰ پر کہی ہے, اور سعودیہ کی دائمی فتوی کمیٹی کے فتوی نمبر ۵۷۴۱, ۵۲۲۶ میں بھی یہی بات موجود ہے۔ اور تمام تر متقدمین مفسیرین نے بھی ان آیات کی تفسیر میں یہی وضاحت فرمائی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف نے شریعت اسلامیہ کے منافی قوانین وضع کرتے ہوئے:

صدر کو سزاؤں سے مستثنی قرار دیا(ہدایہ شریف, ج۴ ص۹۹, ط: البشری),

شاتم رسول ﷺ سے حد کو ختم کیا(ہدایہ, ج۲ ص۵۹۸, عالمگیری, ج۲ ص۲۵۳) ,

پیسے دے کر زنا کرنے کو جائز قرار دیا (فتاویٰ عالمگیری ،ص:149، ج:2، البحر الرائق ،ص:30، ج:5) ,

گونگے بہرے کو ہم قسم حدود معاف کر دیں(فتاویٰ عالمگیری، ص:149، ج:2) ,

دار الحرب میں عام زنا کر کے آنے والے پر حد کو ساقط قرار دیا(فتاویٰ عالمگیری، ص:149، ج:2،),

کتابوں (الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ وما لا یقطع،ص:146، ج:4 مطبوعہ مکتبہ البشریٰ کراچی)

اور قرآن مجید کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹنے کا قانون پاس کیا (الھدایۃ ص:144، ج:4، فتاویٰ عالمگیری، ص: 177، ج:2) ,

بردہ فروش (بچے اغواء کرکے بیچنے والے) پر حد کو ختم کردیا (ص:145، ج:4، مکتبہ البشریٰ),

مساجد سے چوری کرنے کو جائز بنا دیا (الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ، ص:144-145، ج:4) ,

پہرہ دار اور محافظ کی موجودگی میں دکانوں سے چوری کرنے والے کو کھلی چھوٹ دی (الھدایۃ ص:154، ج:4)

اور فقہ حنفی کے ان قوانین کے مطابق ایک عرصہ تک حنفی قاضی عدالتوں میں فیصلے کرتے رہے, لیکن اس سب کچھ کے باوجود کسی نے بھی نہ تو فقہائے احناف کو کافر قرار دیا اور نہ ہی فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ کرنے والے حکمرانوں اور قاضیوں پر کسی نے کفر کا فتوی لگایا۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ اسکی اجازت نہیں دیتی۔ مگر صد افسوس کہ آج فقہ حنفی کے انہی قوانین کے مطابق پاکستانی عدالتوں میں مقدمات کے فیصلے کیے جانے لگے تو چور مچائے شور والی صورت پیدا ہوگئی اور حنفیت کے علمبرداروں نے ہی انہیں طاغوتی عدالتیں, طاغوتی حکمران, اور طاغوتی فیصلوں کے لقب سے نوازنا شروع کر دیا۔ لیکن ان جاہلوں کو یہ علم نہیں ہے کہ اگر انکی بات درست تسلیم کر لی جائے تو فقہ حنفی کا ہر مفتی طاغوتی مفتی اور انکا ہر دار الافتاء طاغوتی فتوی سنٹر قرار پاتا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار........!

تکفیری دلائل کا علمی محاکمہ

پہلی دلیل:

شیخ محمد بن ابراہیم اور صالح الفوزان نے کہا ہے کہ ایسا حکمران جو پوری شریعت کے قوانین کو چھوڑ کر اپنے یا کسی اور کے قوانین کو نافذ کرتا ہے اور اپنے ماتحت سب پر لاگو کر دیتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس نے ان قوانین کو اللہ تعالی کے فیصلوں سے افضل و بہتر سمجھا ہے۔

محاکمہ

اولا: یہ دلیل اس قابل ہی نہیں ہے کہ دلیل بن سکے! کیونکہ شرعی مسائل واحکام میں دلیل تو صرف وحی الہی یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہی بن سکتی ہے۔ کسی بھی فقیہ یا محدث یا مفتی کا فتوی جب تک قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین نہ ہوگا شریعت اسلامیہ میں اسکی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

ثانیا: یہ موقف قرآن مجید فرقان حمید کے اس شرعی حکم کے خلاف ہے جس میں شک کرنے سے منع کیا گیا ہے (سورة الحجرات: ۱۲)۔ کیونکہ اس موقف میں فیصلہ نافذ کرنے والے کی نیت پر شک کیا گیا ہے کہ اس نے اپنے فیصلہ کو خدائی فیصلہ سے افضل و بہتر ہی سمجھا ہوگا, جبکہ دلوں کے بھید تو صرف اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔ اور پھر شک کی بنیاد پر تو اسلام میں نہ کوئی حد قائم کی جاتی ہے اور نہ تعزیری سزا دی جاسکتی ہے, جبکہ یہ تو کفر اسلام کا معاملہ ہے, اس میں شک پر بنیاد رکھنا کیسے جائز ہوگا؟ حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ α نے اپنے فتاوی

کی جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۶ میں یہ شرعی قاعدہ نقل کیا ہے "جس شخص کا اسلام یقین سے ثابت ہو جائے اسے محض شک کی بنیاد پر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا"۔

ثالثا: جس طرح یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ اس فیصلہ نافذ کرنے والے نے یہ سمجھ کر فیصلہ نافذ کیا ہو گا اسی طرح یہ بھی احتمال پایا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے اس نے اس وجہ سے نہ نافذ کیا ہو بلکہ کسی سے انتقام کی خاطر یا دنیوی منفعت و لالچ کی بناء پر ایسا کیا ہو, اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس نے اسکے لیے کسی تاویل کا سہارا لیا ہو, یا اسے اس بارہ میں خدائی فیصلہ کا صحیح طور پر علم ہی نہ ہو۔ اور شرعی اصول سب کے ہاں مسلّم ہے کہ جب کسی بارہ میں مختلف احتمالات موجود ہوں تو اس وقت کسی ایک بات کو ترجیح دینا جائز نہیں ہوتا۔

رابعا: انہی خامیوں اور کمزوریوں کی بناء شیخ ابن عثیمین نے اپنے پرانے موقف سے رجوع بھی کر لیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنی آڈیو کیسٹ "التحذیر فی مسئلۃ التکفیر" میں جسے ۲۲/۳/۱۴۲۰ میں ریکارڈ کیا گیا یہ فتوی دیا تھا "اگر کوئی حکمران قانون نافذ کرے اور اسے دستور بنا دے جس پر لوگ چلتے رہیں اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس میں ظالم ہے حق تو قرآن وسنت میں ہے تو ہم ایسے شخص کو کافر نہیں کہہ سکتے, کافر تو وہ ہے جو غیر اللہ کے فیصلے کو بہتر سمجھے یا اللہ تعالی کے فیصلہ کے برابر سمجھے۔" شیخ کا یہ فتوی کتابی شکل میں بھی "مجموع فتاوی ورسائل شیخ ابن عثیمین ج ۲ ص ۴۵ تا ۵۰ میں موجود ہے۔

دوسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدة: 44) "[24]

اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو وہ کافر ہیں۔

محاکمہ

ظاہری طور پر تو اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو چھوڑا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اس آیت سے یہ ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔ اسکی قدرے وضاحت تو ہم سابقہ سطور میں کر چکے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں کو الٰہی فیصلوں سے برتر سمجھتے ہیں یا مساوی قرار دیتے ہیں۔

اسی لیے امام ابن حزمؒ نے سورۃ المائدہ کی ان تینوں آیات کی تفسیر کرنے کے بعد فرمایا"تو معتزلہ پر لازم ہے کہ وہ ہر گنہگار ظالم اور فاسق شخص کو کافر قرار دیں, کیونکہ کسی بھی قسم کی نافرمانی اور معصیت کرنے والا, اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فیصلہ کے خلاف کیا ہے۔"

---

[8] "حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس آیت سے مراد وہ کفر نہیں جو اسلام سے خارج کردے" [مستدرک حاکم، کتاب التفسیر]

تیسری دلیل:

بعض لوگ اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (المائدة : 50)

پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں, اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے, ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے۔

محاکمہ

اس آیت کا مطلب تو صاف واضح ہے کہ جو شخص اللہ کے حکم سے دوسرے احکام کو بہتر سمجھتا ہے وہ اللہ پر یقین رکھنے والا یعنی مؤمن نہیں بلکہ کافر ہے۔ اور اس مسئلہ میں تو کس کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ اہل ایمان کے لیے فیصلہ کے اعتبار سے اللہ سے بہتر کوئی نہیں۔ لیکن وہ شخص جو اللہ کے حکم کو چھوڑتا ہے لیکن وہ بہتر اللہ کے حکم کو ہی سمجھتا ہے, وہ کافر ہے یا نہیں اسکے متعلق اس آیت میں کوئی واضاحت اور دلیل نہیں ہے۔

چوتھی دلیل:

کچھ علماء نے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء :65)

ہر گز ایسا نہیں ! آپکے رب کی قسم یہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک آپکو باہم جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں اور پھر آپکے کیے ہوئے فیصلہ کے بارہ میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم کرلیں۔

محاکمہ

اس آیت سے مراد کفر اکبر یعنی ایسا کفر نہیں جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کردے بلکہ مراد کفر اصغر یعنی کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت ایک بدری صحابی کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جنکا سیدنا زبیر بن العوام τ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جب معاملہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے فیصلہ زبیر τ کے حق میں فرما دیا۔ تو اس نے کہا آپ ﷺ نے زبیر τ کے حق میں فیصلہ اس لیے دیا ہے کہ وہ آپکی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی(صحیح بخاری:۲۰۵۹)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں " اور یہ وہ آیت ہے جسے خوارج ایسے حکمرانوں کی تکفیر کے لیے بطور حجت پیش کرتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ فیصلوں کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں (منہاج السنہ ج ۵ ص ۱۳۱)۔

یعنی بقول ابن تیمیہؒ اس آیت سے کفر اکبر مراد لینا اور حکام کی تکفیر کرنا خارجیوں کا وطیرہ ہے ۔ کیونکہ اگر اس آیت سے تکفیر کرنا جائز ہو تو اس بدری صحابی کی تکفیر بھی لازم آتی ہے جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

پانچویں دلیل:

کچھ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (سورة النساء : 60)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل شدہ (شریعت) اور آپ سے پہلے نازل شدہ (شریعتوں) پر ایمان لے آئے ہیں, جبکہ وہ طاغوت کی طرف اپنے فیصلے لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیے گئے ہیں اور شیطان تو انہیں دور کی گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

محاکمہ

یہ آیت بھی حکمرانوں اور عدلیہ کو کافر قرار دینے کے لیے دلیل نہیں بنتی!۔ کیونکہ اس آیت میں طاغوت سے فیصلہ کروانے سے روکا جارہا ہے۔ جبکہ پاکستانی عدلیہ اور حکام کا طاغوت ہونا ہی ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم سابقہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ انکی تو تکفیر بھی نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ انہیں طاغوت قرار دیا جائے۔ اور طاغوت تو بدترین اور سرکش قسم کا کافر ہوتا ہے۔ یعنی کسی کو طاغوت کہنے کا مطلب اسے بدترین اور غلیظ ترین کافر قرار دینا ہوتا ہے۔ اور جس شخص کا کافر ہونا ہی ثابت نہیں ہو سکا تو کیسے ممکن ہے کہ اسے طاغوت قرار دے دیا جائے۔ کیونکہ طاغوت تو وہ ہوتا ہے جو لوگوں سے اپنی عبادت کروائے, علم غیب اور اس طرح کی دیگر خدائی صفات کا دعوی کرے جیسا کہ فرعون اور نمرود وغیرہ نے کیا تھا۔

چھٹی دلیل

یہ دلیل بڑی شدومد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ تاتاریوں نے جب اپنے قوانین کے مجموعہ "الیاسق" نامی کتاب کو دستور بنا کر نافذ کر دیا تو علمائے امت نے انہیں کافر قرار دے دیا اور حافظ ابن کثیر α نے تو ان کے کافر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور آج کے حکمرانوں نے بھی خود ایک مسودہ قانون بنا کر لوگوں پر نافذ کیا ہوا ہے جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

محاکمہ

حافظ ابن کثیرؒ نے تاتاریوں کے کفر جو اجماع نقل کیا ہے وہ درست ہے کہ تاتاری کافر تھے,انکے کفر کی کئی ایک وجوہات تھیں کیونکہ وہ اپنے ایجاد کردہ قوانین کے مجموعہ "الیاسق" کو الہی قوانین سے اعلی وبہتر سمجھتے تھے اور انہیں اپنے حلال قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی جلد ۲۸ صفحہ ۵۳۲ پر تفصیلا بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح خود حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں سورۃ المائدہ کی آیت ۵۰ کی تفسیر کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے

۔

جبکہ پاکستان کے موجودہ مسودہ قانون میں یہ بات موجود نہیں ہے, بلکہ بات اسکے برعکس ہے کیونکہ ۱۹۷۳ء کے آئین اور پاکستان کی قرارداد مقاصد میں یہ بات درج ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی قانون بھی قرآن وحدیث کے خلاف نہیں بن سکتا۔ اور جب بھی کوئی قانون بنایا جاتا ہے تو اس پر نہایت غور خوض اور بحث مباحثہ کے بعد اسے پاس کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ راہنمائی کرنے والے روپے پیسے کی لالچ میں صحیح راہنمائی نہیں کرتے۔ اور پھر اگر کوئی قانون شریعت کے خلاف بن جاتا ہے تو حکمران یا عوام یا عدلیہ میں سے کوئی بھی اسے قرآن وسنت کے مقابلہ میں افضل وبہتر نہیں سمجھتا۔

ساتویں دلیل:

بعض لوگ ابن تیمیہؒ کا قول بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے "ایسے حکمران کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اللہ تعالی یا نبی کریم ﷺ یا قرآن کی تعظیم دل سے تو کرتا

ہے لیکن اللہ تعالی یا نبی کریم ﷺ کو گالی دیتا ہے یا قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا ہے, تو ایسے شخص کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ زبان سے تصریح کرے بلکہ اسکا یہ عمل ہی کافی ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

محاکمہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالی کو یا امام الانبیاء جناب محمد مصطفی ﷺ کو گالی دیتا ہے, وہ کافرو مرتد ہو جاتا ہے۔ اگرچہ فقہ حنفی ایسے شخص کے بارہ میں نرم گوشہ رکھتی ہے جیسا کہ الھدایہ کتاب السیر، ص:598، ج:2، فتاویٰ عالمگیری، ص:253، ج:2 میں اس شاتم رسول کافر کو جو ٹیکس دیتا ہو واجب القتل نہیں قرار دیا گیا حتی کہ حنفی فقیہ ابن نجیم حنفی لکھتا ہے: ''مؤمن کا دل نفس مسئلہ میں سبّ رسول ﷺ میں مخالف (امام شافعی) کے قول کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن ہمارے لئے اپنے مذہب کی اتباع ضروری ہے۔[البحر الرائق کتاب السیر، ص:115، ج: ۵]۔ لیکن بہر حال محدثین کرام کا طبقہ اسے واجب القتل ہی قرار دیتا ہے۔

مگر خلاف شرع فیصلہ کرنے اور اللہ یا اسکے رسول ﷺ کو گالی دینے کا معاملہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔ کیونکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر سب وشتم کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے اور خلاف شرع فیصلہ کرنے والے کے کفر پر کوئی اجماع نہیں حتی کہ خود اللہ تبارک وتعالی نے قرآن مجید فرقان حمید میں بھی ایسے لوگوں کو تین مختلف طبقات یعنی کافر, ظالم, اور فاسق میں تقسیم کیا ہے۔ باقی رہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی تو

اپنے قول کا مفہوم وہ خود صحیح طور پر سمجھنے والے تھے اور انہوں نے اسے واضح بھی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "اور شرع مبدل (یعنی تبدیل شدہ شریعت) وہ جس میں اللہ تعالی پر اور اسکے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا جائے یا لوگوں پر جھوٹی شہادتوں کے ذریعہ سے جھوٹ باندھا جائے, اور یہ کھلا ظلم ہے, سو جس نے یہ کہا کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت میں سے ہے, تو وہ بلا نزاع کافر ہے" (فتاوی ابن تیمیہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۸)۔

یعنی امام ابن تیمیہؒ اس حکمران کے کافر ہونے کی بات کر رہے ہیں جو اپنے بنائے ہوئے قوانین کو الہی قوانین قرار دیتا ہے۔ اور اس کے کفر اکبر ہونے میں ہمیں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص خود قانون بنائے اور پھر یہ کہے کہ یہ اللہ کا قانون ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

جبکہ ہمارے معاشرہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دستور پاکستان, یا قانون پاکستان کو نہ تو خدائی قانون قرار دیا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں خدائی قانون کا درجہ دیا جاتا ہے۔

خاتمہ

اس ساری بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بہت سی صورتوں میں خلاف شرع فیصلہ کرنا کفر نہیں بنتا, اور جن صورتوں میں کفر بنتا ہے ان میں بھی کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے سے پہلے دین اسلام میں کسی کو کافر قرار دینے کے اصول لاگو کرنا ہوں گے اور اس پر حجت قائم کرنا ہو گی۔ اور تکفیر کے اصول و قوانین کو بالائے طاق رکھ کر کسی کو کافر قرار دینا یہ خوارج کا منہج اور طریقہ کار ہے۔

باب: چہارم

مسئلہ تحکیم اور تکفیریوں کی گمراہی کے اسباب

محترم الشیخ ابو محمد السلفی حفظہ اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله الحكم العدل الفرد الصمد الذي اذا حكم فهو احكم الحاكمين واذا أرحم فهو أرحم الراحمين واذا أخذ فهو قوي العزيز المتين – والصلوة والسلام على النبي الكريم الصادق الوعد الامين. الداعي الى توحيد رب العالمين. المبعوث رحمة للعالمين. وعلى آله وصحبه اجمعين.

امابعد:

اللہ تعالی پر ایمان اور اس کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اس کی نازل کر دہ شریعت سے راضی وخوش ہوں اور اقوال وافعال، اصول وفروع۔ لڑائی جھگڑے، جان ومال کے معاملات اور دیگر تمام حقوق میں اختلاف کے وقت ہم صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالی ہی حاکم اعلی ہے اور فیصلے کے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے حکمران طبقہ ہو یا علماء وفقہاء یا عوام الناس ،سب پر لازم ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے کتاب میں جو حکم نازل فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ

نے اپنی سنت میں جو کچھ فرمایا ہے اسی کے مطابق اپنے معاملات کو حل کریں۔ ذمہ داران اور حکمران وغیرہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ (النساء58)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

اے ایمان والو! اللہ تعالی اور اس کے رسول کی فرمابرداری کرو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں ان کی بھی، اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ تعالی اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹ آؤ، یہ سب سے اچھی بات اور انجام کار کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے (النساء59)

تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ اپنے تمام جھگڑوں میں آپ ﷺ کو حاکم نہ بنالیں پھر جو فیصلہ آپ ﷺ ان میں فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیں۔

سابقہ تمام امتوں کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ اپنے تمام فیصلے اور معاملات اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حل کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ

ہم نے تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت ونور ہے یہودیوں میں سے اس تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ تعالی کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے اب تمھیں چاہیے کہ لوگو سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو، میری آیتوں کو تھوری قیمت پر نہ بیچو۔ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (المائدہ 44)

اور اسی بات کا حکم عیسائیوں کو دیتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا:

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ ٱلْإِنجِيلِ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔ (المائدہ 47)

انحراف شریعت کے دنیاوی واخروی نقصانات:

جب یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت مطہرہ جو بنی نوح انسان کی دفلاح اور بھلائی پر مشتمل ہے اور انسان کی سعادت مندی وکامیابی کی ضامن ہے تو وہاں اسے پس

پشت ڈالنا ایک بہت بڑا گناہ اور بد ترین قباحت ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں بے شمار مفاسد رو نما ہوتے ہیں۔

مثلاً اللہ تعالی کا غلیظ و غضب انسان کی شقاوت بد بختی، شہوت کا پنپنا، بے حیائی کا عام ہونا، دیندار لوگوں کا فقدان، امت کی پسماندگی وزبوں حالی، دشمنوں کا اس پر مسلط ہو جانا اور اس کے علاوہ بھی بے شمار مفاسد ہیں جس کا نتیجہ ماسوائے ذلت کے کچھ نہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

جو کوئی میرے دین سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے اور وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔

فہم دین اور فہم سلف:

کوئی آدمی کتنا بھی مخلص ہو لیکن اللہ کے ہاں اس کی کامیابی کیلئے محض اس کی نیک نیتی کافی نہیں بلکہ اس پر دو چیزوں کا التزام و اہتمام ضروری ہے

1- اللہ تعالی کے لیے نیت میں اخلاص
2- رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بطریق احسن اتباع

اس لیے ایک مسلمان چاہے قرآن و سنت پر عمل کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے میں کتنا ہی مخلص اور سنجیدہ کیوں نہ ہو مگر اس کے اس عمل میں ایک شرط کا اضافہ لازمی ہے وہ یہ کہ اس کا منہج (راستہ) سیدھا اور محفوظ ہو۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی چند ایک احادیث سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

یہود کے 71 نصاریٰ کے 72 جبکہ میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہو گی وہ تمام کے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے ماسوائے ایک فرقے کے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک فرقہ (جو جنت میں جائے گا) وہ ہو گا جس پر میں محمد ﷺ اور میرے صحابہ ہوں گئے۔ اس لیے صحیح راستے اور دین اسلام میں صراط مستقیم پر وہ ہی آدمی شمار ہو گا جس کا طرز عمل کتاب و سنت کے بارے نبی ﷺ، صحابہ کرام والا ہو گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں یہ بات بیان فرمادی ہے جو اس طریق سے الگ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والا متصور ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین

جو شخص راہ ھدایت کے واضح ہونے کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور ایمان والوں کا راستہ چھوڑ دیتا ہے اسے جہنم ہی کافی ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر بڑا پُر اثر وعظ فرمایا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے کوئی نصیحت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے جو نصائح فرمائے ان میں سے ایک بات یہ تھی تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا تمھیں چاہئے کہ تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔۔۔(جامع ترمذی)

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ فہم کتاب وسنت کیلیے محض ان مسائل پر اقتصار کافی جو اگرچہ ضروری ہے مثلا عربی زبان کی معرفت، ناسخ ومنسوخ کا علم اور دیگر قواعد بلکہ ان قواعد عامہ کے ساتھ ساتھ اس منہج کی طرف رجوع بھی لازم ہے جس پر صحابہ کرام گامزن تھے اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم ہمیشہ اپنے عقیدے، عبادت، اخلاق اور معاملات میں صحیح فہم کیلیے سلف صالحین کے فہم کی طرف رجوع کریں۔

تکفیریوں کی گمراہی کے اسباب:

یہی وہ اہم نکتہ ہے جس پر تکفیریوں نے ٹھوکر کھائی کہ انہوں سبیل المومنین کی پیروی نہیں کی اور قرآن وسنت کے فہم میں سلف صالحین کا منہج چھوڑ دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح خوارج نے یہ کام کیا تھا۔ اگر ہم بغور دیکھیں تو خوارج اور موجودہ تکفیریوں کا طرز استدلال اور سیچ فہمی تقریبا یکساں ہے مثلا:

1- کتاب وسنت کے علم میں عدم گہرائی اور عدم تفقہ۔ بعینہ یہی حال تکفیریوں کا ہے

2- خارجیوں نے صحابہ کرام کی تکفیر کرکے ان کی ذات کو لوگوں کے نظر میں ناقبل اعتماد بنانے کی بھرپور کاوش کی تاکہ لوگ دینی مسائل میں صحیح منہج کیلیے ان کی طرف رجوع نہ کر سکیں۔ یہی طریقہ واردات تکفیریوں کا ہے کہ امت کے مقتدر اہل علم اور سلف صالحین پر کیچڑ اچھالنا ان کو مرجئہ، جھمیہ، مفاد پرست، درباری ملاں وغیرہ کے اتھامات سے متہم کرکے عوام کا ان سے اعتماد ختم کرنا۔

امت کے اختلاف کا سبب صحابہ کرام کی نظر میں:

امام ابوعبیدہ نے فضائل قرآن میں اور سعید بن منصور نے ابراہیم تیمی سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں امیر المومنین سیدنا عمر یہ بات سوچ رہے تھے اس امت میں اختلاف کیسے واقع ہو سکتا ہے جبکہ ان سب کا نبی ایک ہی ہے پھر عبد اللہ بن عباس کو بلوایا اور فرمایا اے عبد اللہ اس امت کا نبی ایک، قبلہ ایک، کتاب (قرآن) ہے پھر یہ امت اختلاف میں کیسے مبتلا ہو گئی؟ (یعنی بظاہر یہ ممکن نہیں)

عبد اللہ بن عباس نے فرمایا اے امیر المومنین یہ قرآن ہم میں نازل ہوا اور ہم نے اس کو (نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے) پڑھا اور ہمیں معلوم ہے (کون سی آیات کس بارے میں) نازل ہوئیں جبکہ ہمارے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں

ہو گا کہ کونسی آیت کس بارے میں نازل ہوئی اور وہ خود اس کے بارے میں رائے زنی کریں گے جب وہ اپنی اپنی آراء پر چلیں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

اسی بناء پر امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیدنا عبد اللہ بن عباس کا یہ فرمانا برحق ہے جب آدمی کو علم ہو کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تو وہ اس کے مأخذ، تفسیر اور شریعت کے مقصد کو معلوم کرلیتا ہے اور پھر وہ اس بارے میں کسی زیادتی کا شکار نہیں ہوتا۔ تو جب کوئی آدمی اپنی نظر سے کئی احتمالات بنانا شروع کر دیتا ہے تو یہ آدمی مرضی کا معنی کرلیتا ہے حالانکہ ایسے لوگوں کے علم میں پختگی نہیں ہوتی جو ان کی راہ حق کی طرف رہنمائی کرے اور علمی مشکلات میں ان کیلئے درستگی کا باعث بنے تو ایسے لوگ پھر اپنے گمان وعقل سے ظاہری معنی سے مفہوم اخذ کرلیتے ہیں جو منہج حق کے مطابق نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہوتی اس طرح وہ لوگ خود بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل واقعہ سے ہوتی ہے جس کو امام بکیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا نافع رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ صحابی رسول عبد اللہ بن عمر رضی اللہ کی حروریہ (خارجی لوگ) کے بارے میں کیا رائے ہے تو انہوں نے فرمایا وہ ان کو اللہ تعالی کی سب سے بدترین مخلوق سمجھتے ہیں کیونکہ وہ (خارجی لوگ) کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر فٹ کر دیتے ہیں۔

(یہ باے سن کر)سعید بن جبیر (تابعی) رحمہ اللہ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ خارجی لوگ متشابہ آیات (جو مختلف احتمال رکھتی ہوں) کی پیروی کرتے ہیں جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وہ کہتے ہیں" جس نے شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کیا اس نے کفر کیا، پہلے وہ یہ آیت پڑھتے ہیں اس کے ساتھ دوسری یہ ملا دیتے ہیں۔"

پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ برابری کرنے والے ہیں۔ (الانعام)

اور نتیجہ یہ نکاتے ہیں جس نے کفر کیا اس نے اپنے رب کے ساتھ برابری کی اور جس نے رب کے ساتھ برابری کی اس نے شرک کیا پس یہ لوگ مشرک ہیں پس وہ خروج کرتے ہیں (حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں) اور ایسی قتل وغارت شروع کر دیتے ہیں جو آپ دیکھ رہے ہیں، کیونکہ انہوں آیت کی تفسیر ہی ایسے کی ہے یہ ہے وہ مزموم رائے جس پر عبد اللہ بن عباس نے تنبیہ کی ہے یہ (جہالت) اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی کو یہ علم نہیں ہوتا یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی۔ نافع کہتے ہیں سیدنا عبد اللہ بن عمر سے جب حروریہ (خارجیوں) کے بارے سوال کیا جاتا تو فرماتے یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کے اموال اور خون کو حلال قرار دیدیتے ہیں۔

(الاعتصام للشاطبی 691-692،ج2)

امام شاطبی اپنی کتاب الموافقات میں فرماتے ہیں اور اللہ تعالی کا فرمان:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ

بھی اسی مفہوم میں ہے باوجود کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی اور قرآن مجید کا سبیق وسیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر علماء نے اس کے (الفاظ کے) عموم کی بناء پر مسلمانوں کو بھی اس کے تحت شامل کیا اور فرمایا یہ کفر دون کفر ہے یعنی اس سے کبیرہ گناہ مراد ہے ارتداد مراد نہیں۔

(الموافقات 39، ج4)

توحید حاکمیت اور فہم سلف:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ توحید حاکمیت کی اصلاح سلف صالحین میں نہ تھی یہ جدید دور کی اصطلاح ہے گو کہ بوقت ضرورت نئی اصطلاع وضع کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن بغیر کسی وجہ وضرورت کے نئی نئی اصطلاحات کا استعمال ذہنی انتشار کا باعث بن جاتا ہے

۔

بالخصوص جب کوئی شخص توحید حاکمیت کی اصطلاح کو ایسے مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے کہ اس سے کئی ایک مزید بدعتی افکار جنم لیتے ہوں یا توحید کا صحیح تصور مسخ ہو رہا ہو یا توحید کی اقسام کی مساوی اہمیت میں عدم توازن پیدا کیا جا رہا ہو یا دین کے کسی شعبے میں

اس اصطلاح کے ذریعہ غلوپیدا کیاجا رہاہو تو ایسے حالات میں توحید کے صحیح تصور کی حفاظت کی خاطر بلاشبہ اس اصطلاح کے استعمال سے رک جانا چاہیے۔

ہمارے موجودہ دور میں اس اصطلاح کی آڑ میں جن فتنوں نے جنم لیاہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں لہذا ایسی نئی اصطلاحات سے اجتناب کرتے ہوئے سلف صالحین کی بیان کردہ اصطلاحات پر اکتفا کرناچاہیے

توحید حاکمیت اور فتنہ تکفیر:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف خروج کرنے والوں نے توحید حاکمیت کی بنیاد پر تکفیری مہم کا آغاز کیااور درج ذیل آیات:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ

کوخود ساختہ مفہوم پہنا کر مسلمانوں کے جان،مال،اور عزتوں کو حلال قرار دیدیا بعنیہ آج بھی بہت سارے لوگ توحید حاکمیت کی بناء پر امت مسلمہ کے حکمرانوں اور دیگر ذمہ داروں کی تکفیر کرتے نظر آرہے ہیں لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رہے ہمارا مقصد کسی ظالم فاسق کا دفاع کرکے اس کی حوصلہ افزائی یااس کو گناہ پر جری کرنا نہیں اور نہ ہی علمی میدان میں کسی مخالف نظریہ والے افراد کی تکفیر کرناہے بلکہ محض شرعی نقطہ نگاہ سے اس بات کا جائزہ لیناہے کہ آیت تحکیم: ومن لم یحکم بما أنزل اللہ۔۔۔۔

کا صحیح مفہوم کیا اور سلف صالحین صحابہ کرام و تابعین و دیگر ائمہ محدثین و مفسیرین نے اس کا کیا معنی مراد لیا ہے تا کہ ہم نفس مسئلہ کو سمجھنے میں غلطی سے محفوظ رہیں ۔

اس بات پر جمیع سلف صالحین کا اتفاق ہے کہ اس آیت:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ

کے غیر مطابق، فیصلہ کرنا عملی یا مجازی کفر ہے یعنی یہ ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے خروج کا باعث نہیں بنتا جب تک کہ فاعل (یہ کام کرنے والا) اس فعل کو جائز اور حلال نہ سمجھتا ہو۔

آیت ہذا کا مفہوم از سلف صالحین:

1- سیدنا عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں یہ وہ کفر نہیں ہے جس طرف یہ لوگ جا رہے کیونکہ یہ وہ کفر نہیں ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے
وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ (المائدہ 44)

آیت میں کفر دون کفر ہے (یعنی کبیرہ گناہ)

(مستدرک حاکم کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدہ ص 427، ج:2، رقم 3269)

2۔ سید التابعین عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا فیصلہ:

اس سے مراد کفر دون کفر ہے (تفسیر طبری ص:554،ج:4،رقم 12061)

3۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس کے شاگرد سیدنا طاؤس کا فیصلہ:

وہ اس آیت

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ

کے بارے میں فرماتے ہیں یہ کفر (کبیرہ گناہ) ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور کتابوں اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر جیسا نہیں۔ (تفسیر طبری، ص: 554،ج:4،رقم:12067)

بقیہ اثر ابن عباس:

تفسیر ابن عباس کی تائید کرنے والے ائمہ و مفسرین رحمہم اللہ

1- امام حاکم فی المستدرک، صفحہ:427،ج:2

2- امام ذھبی فی تلخیص المستدرک، ص:427،ج:2، تحت رقم:3269

3- محمد بن نصر الموزی (تعظیم قدر الصلاۃ، ص:520،ج:2

4- امام قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن، ص124،ج:2،افرای، ص190،ج:6

5- امام ابو المظفر المعانی فی تفسیرہ، ص:42،ج:2

6- امام بغوی فی معالم التنزیل، ص:276،ج:2

7- امام ابو بکر ابن العربی المالکی فی احکام القرآن، ص:624،ج:2

8- ابو عبیدہ القاسم بن سلام فی "الایمان"، ص45

9- ابن عبد البر فی التمہید، ص:74،ج:5،افرای، ص:237،ج:4

10- ابن تیمیہ، مجموعہ الفتاوی، ص:312،ج:7

11- ابن القیم فی، مدارج السالکس، ص:33

12- ابن بطۃ فی، الابانۃ، ص:723،ج:2

13- احمد شاکر و محمود محمد شاکر، عمدۃ التفاسیر، ص:602-603،ج:1

14- الواحدی فی الوسیط، ص:191،ج:2

15- امام بقاعی فی نظم الدرر، ص:492،ج:3

16- تفسیر خازن، ص؛276،ج:2

17- ابو حیان فی البحر الحط، ص:492،ج:3

18- نواب صدیق حسن خان فی نیل الحرام، ص:472،ج:2

19- تفسیر سعدی، ص:296،ج:2

20- محمد امین الشنقیطی فی اضواء البیان، ص:101،ج:2

21- الشیخ ناصر لدین الالبانی، سلسلۃ الصحیحہ، ص:109،ج:62

وغیر ذالک

3- امام احمد بن حنبل کا فیصلہ: امام اسماعیل بن سعد فرماتے ہیں نے امام احمد سے سوال کیا کہ اس آیت:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ

سے کون سا کفر مراد ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا کفر جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

(سوالات ابن ھانی، ص:192، ج:2)

اسی امام ابو داؤد السجستانی (صاحب سنن ابی داؤد) نے جب امام احمد رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ اس سے کون سا کفر مراد ہے تو انہوں نے امام عطاء اور امام طاؤس کے قول کے مطابق جواب دیا یعنی وہ کفر مراد ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

(سوالات ابی داؤد (عن احمد) ص:114)

1- امام محمد بن نصروری نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے دیکھئے: تعظیم قدر الصلاۃ، ص: 520، ج:2)

2- امام ابن جریر الطبری المتودی 310ھ

3- ابن بطہ العکبری التوفی 387ھ نے اپنی کتاب ابانہ میں باب قائم کیا ہے ان گناہوں کا بیان جن کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس کے تحت مسئلہ الحکم بغیر ما انزل اللہ کو بیان کیا اور پھر اس کی تائید میں صحابہ کرام و تابعین کے اقوال نقل کر کے ثابت کیا اس سے مراد دائرہ اسلام سے خارج کرنے والا گناہ نہیں۔(الابانۃ، ص:723، ج:2)

4- امام ابن عبد البر شارح مؤطا امام مالک: المتوفی 463ھ وہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد دائرہ اسلام سے خارج کرنے والا کفر نہیں۔(التمھید لابن عبد اللہ، ص:75، ج:5)

5- امام سمعانی المتوفی 510ھ کا فیصلہ: انہوں نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے دیکھیے ان کی تفسیر۔(ص:42، ج:2)

6- امام ابن تیمیہ: دیکھئے (مجموعہ الفتاوی، ص:254، ج:7)

7- امام محمد بن قیم الجوزی المتوفی 751ھ: مدارج السالکین، ص:336، ج:1

8- امام ابن کثیر المتوفی 774ھ (تفسیر ابن کثیر)

9- امام ابن ابی العز الحنفی المتوفی 791ھ (شرح عقیدہ الطحاویہ، ص:323)

10- شارح بخاری امام ابن حجر العسقلانی المتوفی 850ھ (فتح الباری، ص:120، ج:13)

11- امام فخر الدین الرازی المتوفی ھ (تفسیر کبیر، ص5-6 جزء12)

12- امام شاطبی المتوفی 790ھ (الاعتصام لشاطبی، ص:692، ج:2)

13- سید معین الدین محمد بن عبد الرحمن المتوفی 894ھ (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ص:247-248)

14- جمال الدین القاسمی المتوفی 1333ھ (تفسیر قاسمی)

15- قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفی المتوفی 1393ھ (تفسیر المظھری، ص:118، ج:3)

16- نواب صدیق الحسن المتوفی 1357ھ (الدین الخالص، ص:28، جلد:3، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

17- محمد امین الشنقیطی المتوفی 1393ھ (ضواء البیان، ص:104، ج:2)

18- پیر بدیع الدین شاہ راشدی السندھی المتوفی 1416ھ: (بدیع التفاسیر، ص238، ج:7، طبع جنوری 1998ء)

اس کے علاوہ عرب کے سلفی علماء اور دیگر متقدمین و متاخرین کو جمع کیا جائے تو طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے لیکن ہمارا مقصود تمام علماء سلف کا احاطہ نہیں بلکہ سلف سالحین کے موقف کو بالترتیب واضح کرنا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت کی تفسیر میں سلف صالحین علی الاطلاق ارتداد مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے ان کی مراد (کفر دون کفر) کبیرہ گناہ ہے۔

کفر عملی اور کفر اعتقادی

شریعت اسلامیہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، شریعت میں کفر کی دو اقسام ہیں ایک کفر عملی اور دوسرا اعتقادی، یہ اس تفصیل دقیق کا نقطہ آغاز ہے جس کا علم ترجمان القرآن نے اپنے ان جامع و مختصر کلمات کے ذریعے بلند کیا جس کی شرح و نیابت امام ابن تیمیہ و ابن قیم رحمھا اللہ نے کی کیونکہ انہوں نے بھی ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس کی بیان کردہ کفر کی اس تقسیم پر خصوصی توجہ دی لہذا امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم اپنے کلام میں ہمیشہ کفر اعتقادی اور کفر عملی میں فرق کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا کرتے تھے کیونکہ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو مسلمان لاشعوری طور پر مسلمانوں کی جماعت سے خروج کے اس فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس میں زمانہ قدیم کے

خوارج مبتلا تھے۔ لہذا پہلے ضروری ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کفر عملی یا مجازی اور کفر حقیقی میں کیا فرق ہے کیونکہ مسئلہ تکفیر میں فرق ایک اساسی اہمیت کا حامل ہے۔

ایسی تمام روایات کی توجیہ و تاویل میں ائمہ اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ بعض اوقات کفر کا لفظ معصیت کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا کام کرنے والا شخص ایسا کافر نہیں ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے اور دائمی جہنمی ہو۔ اہل سنت کی ایک جماعت اس کو 'کفر دون کفر'' قرار دیتی ہے اور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا کفر 'عملی کفر' ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک' امام شافعی' امام احمد رحمہم اللہ اور محدثین کا قول یہی ہے۔ جبکہ اہل سنت کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ کفر مجازی ہے یعنی حقیقی نہیں ہے امام ابو حنیفہ اور اہل الرائے کا یہی قول ہے۔ لہذا ایسے شخص کو عملی کافر کہیں یا مجازی کافر' بہر حال اس بات پر جمیع اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص کافر حقیقی نہیں ہے کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو یا آخرت میں دائمی جہنم کا مستحق ہو۔ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اسے کافر نہ کہیں لیکن وہ 'عملی کافر' یا 'مجازی کافر' ہے نہ کہ 'حقیقی کافر' کہ جو دائرہ اسلام سے خارج' واجب القتل اور دائمی جہنمی ہو۔ اس کے برعکس خوارج اور معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان احادیث کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ امام اہل سنت ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ 'عقیدۃ طحاویۃ' کی شرح میں لکھتے ہیں:

'أن اهل السنة متفقون كلهم على أن مرتكب الكبيرة لا يكفر كفرا ينقل

عن الملة بالكلية كما قالت الخوارج... وأهل السنة أيضا متفقون على أنه يستحق الوعيد المرتب على ذلك الذنب كما وردت به النصوص... ثم بعد هذا الاتفاق تبين أن أهل السنة اختلفوا خلافاً لفظياً "لا يترتب عليه فساد" وهو: أنه هل يكون الكفر على مراتب، كفرا دون كفر؟ كما اختلفوا: هل يكون الايمان على مراتب، ايمانا دون ايمان؟ وهذا الاختلاف نشأ من اختلافهم في مسمى 'الايمان': هل هو قول وعمل يزيد وينقص، أم لا؟ بعد اتفاقهم على أن من سماه الله تعالى ورسوله كافرا نسميه كافرا، اذ الممتنع أن يسمى الله سبحانه وتعالى الحاكم بغير ما أنزل الله كافرا' ويسمى رسوله من تقدم ذكره كافرا ولا نطلق عليهما اسم 'الكافر'۔ ولكن من قال: ان الايمان قول وعمل يزيد وينقص قال: هو كفر عملي لا اعتقادي، والكفر عنده على مراتب 'كفر دون كفر' كالايمان عنده۔ ومن قال: ان الايمان هو التصديق ولا يدخل العمل في مسمى الايمان' والكفر هو الجحود، ولا يزيدان ولا ينقصان قال: هو كفر مجازي غير حقيقي، إذ الكفر الحقيقي هو الذي ينقل عن الملة."

(شرح عقیدہ طحاویة: ص ٣٠١۔٣٠٤، الرئاسة العامة لدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض، ١٣١٤ھ)

''جمیع اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ایسا کفر نہیں کرتا کہ جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے کلی طور پر خارج ہو جائے جیسا کہ خوارج کا قول ہے... اہل سنت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ اپنے اس گناہ کبیرہ پر اس وعید کا مستحق ہے جو نصوص میں وارد ہوئی ہے... پھر اس اتفاق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل سنت کا اس مسئلے میں باہمی اختلاف لفظی اختلاف ہے اور اس سے کوئی فساد پیدا نہیں ہوتا۔ اہل سنت کا باہمی اختلاف اس میں ہے کہ کیا کفر کے بھی مختلف درجات ہیں مثلاً کفر دون کفر وغیرہ جیسا کہ اہل سنت کا اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں مثلاً ایمان دون ایمان؟ اور ان کے اس اختلاف کی بنیاد ایمان کے 'مسمی' یعنی تعریف میں ان کا اختلاف ہے۔ کیا ایمان قول و عمل کا نام ہے جو گھٹتا ہے اور بڑھتا ہے یا ایسا نہیں ہے؟ اہل سنت کا اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے تو ہم بھی اسے کافر ہی کہیں گے کیونکہ یہ ناممکن امر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے کو کافر قرار دیں یا اللہ کے رسول ﷺ بعض افعال کے مرتکبین کو کافر کہیں' جیسا کہ پہلے احادیث گزر چکی ہیں' تو ہم ان افعال کے مرتکبین پر لفظ کافر کا اطلاق نہ کریں۔ پس جس کا کہنا یہ ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اور یہ گھٹتا بڑھتا ہے تو اس کے نزدیک یہ 'کفر عملی' ہے نہ کہ اعتقادی، اور ان علماء کے ہاں ایمان کی طرح کفر کے بھی کئی درجات ہیں جیسا کہ 'کفر دون کفر'

ہے۔ اور جن علماء کا کہنا یہ ہے کہ ایمان، تصدیق کا نام ہے اور عمل ایمان کے مسمی
یعنی تعریف میں داخل نہیں ہے اور کفر، انکار کا نام ہے اور یہ دونوں کم یا زیادہ
نہیں ہوتے تو انہوں نے کہا: یہ مجازی کفر ہے نہ کہ حقیقی، جبکہ حقیقی کفر وہ ہے جو
ملت اسلامیہ سے خارج کر دے۔ "

امام ابن أبی العز الحنفی رحمہ اللہ نے اس بحث کو بھی خوب اچھی طرح نکھارا ہے
کہ 'حکم بغیر ما انزل اللہ' ہر صورت میں ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا نہیں ہوتا۔ امام
صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی حکمران ساری شریعت اسلامیہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا
ہو کہ اللہ تعالی نے شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کرنے کو واجب قرار نہیں دیا ہے یا وہ
شریعت اسلامیہ کو تیقن کے ساتھ شریعت اسلامیہ سمجھتے ہوئے اس کا استہزاء و مذاق اڑاتا ہو
تو اس صورت میں وہ ایسے کفر کا مرتکب ہو گا کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے
اور اگر کوئی حکمران شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتے ہوئے 'اس کے
مطابق فیصلے نہ کرے تو وہ کافر حقیقی نہیں بلکہ مجازی یا عملی کافر ہے۔ اور اسی طرح وہ قاضی یا
حکمران جو اپنے اجتہاد میں خطاء کی بنیاد پر اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہ مجتہد
مخطی اور عند اللہ ماجور ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں :

"وھنا أمر یجب أن یتفطن لہ وھو: أن الحکم بغیر ما أنزل اللہ قد یکون کفرا ینقل
عن الملۃ وقد یکون معصیۃ کبیرۃ أو صغیرۃ ویکون کفرا: اما مجازیا واما کفرا أصغر علی
القولین المذکورین. وذلک بحسب حال الحاکم: فانہ ان اعتقد أن الحکم بما أنزل اللہ

غیر واجب، و أنه مخیر فیه، أو استهان به مع تیقنه أنه حکم (الله) فهذا کفر أکبر. وان اعتقد وجوب الحکم بما أنزل الله وعلمه فی هذه الواقعة وعدل عنه مع اعترافه بأنه مستحق للعقوبة، فهذا عاص ویسمی کفرا مجازیا أو کفرا أصغر. ومن جهل حکم الله فیها مع بذل جهده واستفراغ وسعه فی معرفة الحکم وأخطأ فهذا مخطی له أجر علی اجتهاده وخطؤه مغفور."

(شرح عقیدۃ الطحاویۃ: ص۳۰۴۔۳۰۵)

"یہاں ایک اہم نکتے کو سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا بعض اوقات ایک ایسا کفر ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اور بعض اوقات یہ گناہ کبیرۃ یا گناہ صغیرۃ ہوتا ہے اور ان دو صورتوں میں اس کو مجازی کفر یا کفر اصغر کہیں گے اور اس کا فیصلہ حکمران کے حالات کے مطابق ہو گا۔ اگر کسی حکمران کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنا غیر واجب ہے یا اختیاری ہے یا اس نے کسی حکم شرعی کو تیقن کے ساتھ اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا تو یہ تمام صورتیں کفر اکبر ہیں۔ اور اگر کسی حکمران نے کسی واقعے میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے کو تو واجب سمجھا لیکن اس نے اس شرعی حکم کے ساتھ اس مقدمے کا فیصلہ نہ کیا جبکہ وہ اس بات کا معترف بھی ہو کہ وہ اپنے اس عمل کی بنا پر سزا کا مستحق ہے تو ایسا حکمران گناہ گار ہے اور اس کے کفر کو مجازی کفر یا کفر

اصغر کہیں گے۔ اسی طرح جو حکمران اپنی مقدور بھر کوشش اور طاقت صرف کرنے کے باوجود اللہ کا حکم معلوم نہ کر سکا اور اپنے اجتہاد میں خطا کی بنا پر اللہ کے حکم کے مطابق اس نے فیصلہ نہ کیا تو یہ حکمران مجتہد مخطی ہے اور اسے اپنے اجتہاد کا ثواب ملے گا اور اس کی خطا قابل معافی ہے۔ "

یہ واضح رہے کہ شیخ کے قول 'ان الحکم بما أنزل اللہ غیر واجب، وأنہ مخیر فیہ ' سے مراد مکمل شریعت کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا ہے کہ اس میں اختیار ہے جبکہ بعض شرعی احکام میں تو اختیار شریعت نے دیا ہے۔ اباحت شرعی حکم ہی کی ایک قسم ہے اور کئی ایک شرعی احکام میں تخییر اللہ سبحانہ وتعالی ہی کی طرف سے ابتداءً وجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ 'أو استھان بہ مع تیقنہ أنہ حکم اللہ ' کے مطابق اہل سنت کے نزدیک شرعی احکام کا مذاق واستہزاء اس وقت ملتِ اسلامیہ سے خارج کرے گا جبکہ حکمران کو اس بات کا یقین ہو کہ جس کا وہ مذاق اڑا رہا ہے وہ ایک شرعی حکم ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ حکمران کسی حکم شرعی کا مذاق اس بنا پر اڑا رہا ہوتا ہے کہ وہ اسے اللہ کا حکم نہیں سمجھ رہا ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں حکمران کی تکفیر میں اس کی جہالت مانع ہو گی۔ ہمارے موجودہ حکمرانوں کی اکثریت احکام شرعیہ سے جاہل بلکہ اجہل ہے۔

ا۔ لہٰذا ان حالات میں اگر کسی حکمران کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل جائے تو اسے پہلے تنبیہ کی جائے۔ اللہ کا حکم اس پر واضح کیا جائے اور اس کے استہزاء پر اس کا جو دینی مقام (Status) ہو گا وہ بھی مفتیان کرام کو واضح کرنا چاہیے۔ اس

سب کے باوجود بھی اگر حکمران کسی شرعی حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے پر مصر ہو تو۔

ب۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ حکمران کسی تاویل کا سہارا تو نہیں لے رہا ہے اور اس تاویل کی وجہ سے اس شرعی حکم کو منسوخ یا مباح یا عارضی و وقتی حکم تو نہیں سمجھ رہا ہے۔ اگر وہ کسی تاویل کا سہارا لے کر کسی شرعی حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کر رہا ہے تو اس کی تاویل کا علمی جواب دیا جائے گا۔

ج۔ حکمران کی تاویل کے علمی جواب کے بعد بھی اگر وہ حکمران کسی شرعی حکم کا استہزاء کرے یا اس کے مطابق فیصلہ نہ کرنے پر اصرار کرے تو اب جمیع مکاتب فکر کے اکابر علماء کی ایک جماعت اس پر کفر کا فتویٰ لگائے نہ کہ گلی گلی پھرنے والے مفتی حضرات یا جذباتی نوخیز نوجوان۔ اگر حکمران کی تکفیر پر جمیع مکاتب فکر کے علماء کا اتفاق نہ ہو تو پھر ہر عالم دین کو اپنی اجتہادی رائے کے مطابق فیصلہ دینے کا اختیار ہو گا لیکن ایسے حکمران کو قطعی کافر یا قطعی دائمی جہنمی کہنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ اس حکمران کی تکفیر اب ایک اجتہادی اور اختلافی مسئلہ ہے اور اجتہادی و اختلافی مسائل میں عموماً علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ پس حکمران کی تکفیر میں علماء کے اختلاف سے شبہ پیدا ہو گیا ہے اور شبہ کی وجہ سے علم ظن حاصل ہوا۔

تکفیر سے پہلے اہل علم کی جماعت اس کی وضاحت حاصل کر لیں کہ حکمرانوں میں

سے کون ایسا ہے جو شریعت اسلامیہ کو کلی طور پر غیر ضروری سمجھتا ہے یا اس کے احکام کا استہزاء کرتا ہے۔ اور اگر کسی حکمران نے کسی شرعی حکم کا مذاق اڑایا ہو یا کسی غیر شرعی حکم کے مطاق قانون سازی کی ہو تو پھر یہ غور ہو گا کہ اس کی تکفیر میں جہالت 'تاویل یا خوف مانع ہے یا نہیں؟ اور علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ پہلے ایسے حکمران کی جہالت دور کریں 'اس کی تاویل باطل کا جواب دیں 'اس کو وعظ و نصیحت اور آمر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں اور اس شرعی حکم کے انکار کے نتائج و عواقب سے ڈرائیں اور اگر پھر بھی وہ حکمران اپنے کفر پر اڑا رہے تو ان بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ہی اکابر علماء کا اجتماعی و اتفاقی فتوی ہی اس حکمران کی قطعی تکفیر کی بنیاد بن سکتا ہے۔ تکفیر کی یہی وہ کڑی شرائط ہیں کہ جن کی وجہ سے بعض اہل علم مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس وغیرہ نے 'ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک ھم الکفرون 'کو مطلق طور پر 'کفر دون کفر 'یعنی ایسا کفر جو حقیقی کفر نہیں ہے 'پر محمول کیا ہے۔

ہر وہ شخص خواہ وہ حکمران ہو یا عوام جب اپنا فیصلہ غیر اللہ کی شریعت کے مطابق اس کو حلال، شریعت اسلامیہ سے بہتر یا اس کے برابر اور جائز سمجھتے ہوئے کرے گا تو اس کا یہ کفر اعتقادی شمار ہو گا اور ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیگا۔ بصورت دیگر اس کا کفر عملی ہو گا جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، ہم اس کو معتبر متقدمین سلف صالحین کی تفاسیر و توضیحات کی روشنی میں واضح کرتے ہیں۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک سب سے درست بات یہی ہے کہ یہ آیت

''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی وہ لوگ اس سے مراد ہیں جیسا کہ سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے لہذا اس سے مراد ان (یہود) کے بارے خبر والی بات زیادہ مناسب ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آیت کے الفاظ تو عام آپ نے اس کو خاص کیوں قرار دیدیا تو اسے کہا جائے گا اللہ تعالی نے ایک ایسی قوم کے بارے میں خبر دی ہے جو اپنی منزل من اللہ (اللہ کی طرح سے نازل شدہ) کتاب کے حکم کے منکر تھے ان کے بارے میں خبر دینے سے مقصود یہ ہے کہ جو ان کی طرح (انکار کرتے ہوئے) اللہ کے حکم کو چھوڑے گا وہ کافر ہو گا، یہی حکم ہر اس شخص پر لگے گا جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا (شریعت اسلامیہ کا) انکار کرتے ہوئے۔ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا۔

(تفسیر ابن جریر الطبری، ص:557، ج:4 طبع دار الحدیث القاھرہ)

امام قرطبی اور مسئلہ تحکیم: وہ فرماتے ہیں:

''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰ

یہ آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا براء بن عازب سے بیان ہوا ہے جو کہ گزر چکی ہے البتہ مسلمان اگر کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرلے تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس میں عبارت پوشیدہ ہے، معنی یہ ہو گا:

''وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ رد اًللقرآن وجحدا القول الرسول علیه الصلاۃ والسلام فھو کافر''

جو آدمی غیر شریعت کے مطابق فیصلہ قرآن کی تردید کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی بات کا انکار کرتے ہوئے کرے تو وہ کافر ہے یہی موقف سیدنا عبد اللہ بن عباس اور مجاہد کا ہے اس مفہوم میں یہ آیت عام ہے سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ آیت تمام مسلمانوں یہودیوں اور کفار کے بارے میں عام ہے یعنی اگر وہ اسے جائز اور حلال سمجھتے ہوئے یہ کام کرے (تو وہ کافر ہو گا) لیکن اگر کوئی آدمی غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کو حرام سمجھتا ہے لیکن وہ پھر بھی کام کر لیتا ہے یہ فاسق و فاجر مسلمان ہو گا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو سزا دے ۔

(تفسیر قرطبی، ص:124، ج:6، افرای، ص:170، ج:6)

درج بالا دو اقتباس ہم نے اس لیے نقل کیے ہیں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ متقدمین مفسرین و سلف صالحین کے نزدیک جب کوئی غیر شریعت کے مطابق فیصلہ، اس کو جائز و حلال سمجھتے ہوئے کرے تو وہ مرتد ہو گا و گرنہ وہ حرام کا مرتکب تو ہے لیکن دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

یہ بات ہم نے اس لیے بھی نقل کی ہے کہ آج کل بعض لوگ جو تکفیری نظریات کے حامل ہیں جب وہ کسی اہل علم کے زبان و قلم سے تحکیم بغیر ما انزل اللہ کیلئے ایسی شروط قیود سنتے یا پڑھتے ہیں تو فورا اس پر ارجاء، مرجئیہ وغیرہ کے احکام صادر کر دیتے ہیں، حالانکہ جمیع سلف صالحین نے ما انزل اللہ کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے کو عملی یا مجازی کفر قرار دیا ہے یعنی ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث نہیں بنتا جب تک کے فاعل اس فعل کو حلال اور جائز نہ سمجھتا ہو اب ہم اختصار کے ساتھ ان اہل علم متقدمین کا تذکرہ کریں گے جنہوں نے کفر و ارتداد کیلیے بالخصوص ایسی شرائط عائد کی ہیں تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ یہ موقف اہل ارجاء کا نہیں بلکہ سلف صالحین کا ہے۔

امام ابن قیم کا فیصلہ:

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والصحیح: أن الحکم بغیر ما أنزل اللہ یتناول الکفرین: الأصغر والأکبر بحسب حال الحاکم فانہ ان اعتقد وجوب الحکم بما أنزل اللہ فی ھذہ الواقعۃ وعدل عنہ عصیانا مع اعترافہ بأنہ مستحق للعقوبۃ فھذا کفر أصغر وان اعتقد أنہ غیر واجب وأنہ مخیر فیہ مع تیقنہ أنہ حکم اللہ فھذا کفر أکبر ان جھلہ وأخطأہ فھذا المخطیء لہ حکم المخطئین." (مدارج

السالکین' باب فی أجناس ما یتاب منہ ولا یستحق العبد اسم التائب حتی یتخلص منھا ، دار الکتاب العربی' بیروت)

"صحیح قول یہ ہے کہ ما أنزل اللہ کے بغیر فیصلہ کرنا دو قسم کے کفر پر مشتمل ہوتا ہے: کفر اصغر اور کفر اکبر۔ (ان دونوں میں کسی ایک کا حکم) فیصلہ کرنے والے کے حالات کے مطابق عائد ہو گا۔ پس اگر کوئی حکمران کسی مسئلہ میں ما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ کو واجب سمجھتا ہے لیکن اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو گناہ گار بھی سمجھتا ہے تو اس حکمران کا کفر' کفر اصغر ہے۔ اور اگر حکمران کا عقیدہ یہ ہو کہ ما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا لازم نہیں ہے یا اختیاری معاملہ ہے' چاہے وہ اسے یقینی طور پر اللہ کا حکم ہی سمجھتا ہو تو یہ کفر اکبر ہے۔ اور اگر حکمران نے کوئی فیصلہ جہالت (یعنی شرعی حکم سے عدم واقفیت) کی بنیاد پر کیا تو وہ خطاکار ہے اور اس کے لیے خطاکاروں کا حکم ہے۔ "

امام ابن کثیر کا فیصلہ:

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

''ولھذا قال ھناک ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکفرون لأنھم جحدوا حکم اللہ قصدا منھم وعنادا وعمدا۔'' (تفسیر ابن کثیر: المائدہ:44)

"یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے یہاں یہ کہا ہے کہ جو ما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے کیونکہ انہوں (یعنی اہل کتاب) نے اللہ کے حکم کا جانتے بوجھتے عمداً اور سرکشی سے انکار کر دیا تھا۔"

امام سمعانی رحمہ اللہ کا فیصلہ:

امام سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ جان لیں! کہ خوارج اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں: جو ما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ جبکہ اہل سنت کا یہ قول ہے کہ صرف ما أنزل اللہ کو ترک کر دینے سے کافر نہیں ہوگا (جب تک اس کا عقیدہ نہ رکھے)۔ اور اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ جو شخص ما أنزل اللہ کے مطابق اس کا انکار اور رد کرتے ہوئے فیصلہ نہ کرے تو یہ کافر ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جو ما أنزل اللہ کے مطابق کلی طور پر فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ کافر اپنی زندگی میں اللہ کے حکم کو کلی طور پر چھوڑ دیتا ہے جبکہ مسلمان کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ (سمعانی، المائدہ 44)

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا فیصلہ:

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن من لم یحکم بما أنزل اللہ جاحدا لہ وھو یعلم أن اللہ أنزلہ کما فعلت الیھود فھو کافر ومن لم یحکم بہ میلا الی الھوی من غیر جحود فھو ظالم فاسق."

(زاد المسیر: المائدة: ۴۴)

"جو ما أنزل اللہ کے مطابق اس کا انکار کرتے ہوئے فیصلہ نہ کرے' جبکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ اس حکم کو اللہ نے نازل کیا ہے جیسا کہ یہود کا معاملہ تھا تو وہ کافر ہے اور جو ما أنزل اللہ کے مطابق اپنی خواہش نفس کی اتباع میں فیصلہ نہ کرے اور اس کا انکار کرنے والا نہ ہو تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔"

امام ابن العربی المالکی رحمہ اللہ کا فیصلہ:

امام ابن العربی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ان حکم بما عندہ علی أنہ من عند اللہ فھو تبدیل لہ یوجب الکفر و ن حکم بہ ھوی ومعصیة فھو ذنب تدرکہ المغفرة علی أصل أھل السنة فی الغفران للمذنبین."　　(أحکام القرآن: المائدة: ۴۴)

"اگر تو کوئی حکمران اپنی کسی رائے سے اس طرح فیصلہ کرے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو یہ اللہ کی شریعت کو تبدیل کرنے کے مترادف ہے اور سببِ کفر ہے۔ اور اگر اس نے اپنی خواہش یا نافرمانی میں ما أنزل اللہ کے بغیر فیصلہ کیا تو یہ ایسا گناہ ہے جو قابل مغفرت ہے جیسا کہ گناہ گاروں کے لیے مغفرت کے بارے اہل سنت کا اصول ہے۔ "

امام بیضاوی رحمہ اللہ کا فیصلہ :

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن لم یحکم بما أنزل الله مستهینا به منکرا له فأولئک هم الکفرون."

(تفسیر بیضاوی: المائدۃ: ۴۴)

"اور جس نے ما أنزل اللہ کے مطابق اس کا انکار کرتے ہوئے اور اسے حقیر سمجھتے ہوئے فیصلہ نہ کیا تو وہ لوگ کافر ہیں۔ "

امام ابن تیمیہ کا فیصلہ :

امام ابن تیمیہ مرتد کے احکام کے نفاذ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں انسان جب اللہ تعالی کی مجمع علیہ حرام چیز کو حلال یا حلال کر حرام قرار دے دیتا ہے یا مجموعہ شریعت کو تبدیل کرتا ہے تو ایسا شخص باتفاق علماء کافر مرتد ہو گا۔

دو قولوں میں سے ایک کے مطابق ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

''وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ 44 ۔ ای هو المستحل للحکم بغیر ما انزل الله''

''یعنی جب وہ غیر ما انزل کے مطابق فیصلہ کو حلال سمجھتا ہو''۔

(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ، ص:267-268،ج:3)

ہماری بیان کردہ تقسیم ''کہ اگر کوئی غیر شریعت کے مطابق فیصلہ کو جائز و حلال یا برابر و بہتر سمجھتا ہو اکرے تو کافر و گرنہ گناہ کبیرہ کا مرتکب'' کے درج ذیل اہل علم بھی قائل ہیں۔

عبد اللہ بن عباس، امام احمد بن حنبل امام محمد بن نصر مروزی، امام جریر طبری، امام ابن عبد البر ، امام سمعانی، امام ابن جوزی، امام ابن العربی، امام قرطبی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن کثیر، امام شاطبی، امام ابن ابی العز الحنفی، امام ابن حجر عسقلانی م شیخ عبد الطیف بن عبد الرحمن آل الشیخ، شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی، علامہ صدیق حسن خان، علامہ محمد أمین شنقبطی اور شیخ عبد المحسن العباد رحمہم اللہ اجمعین بھی ہیں۔

قوانین وضعیہ[25] اور مسئلہ تکفیر

ہماری سابقہ گفتگو سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سلف صالحین کے فیصلے کے مطابق اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنے والے حاکم کا کفر، حقیقی اس صورت میں ہو گا جبکہ وہ اپنے اس فعل کو جائز سمجھتا ہو اور جو حاکم غیر اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے کرے اور اس کو معصیت یا دین کی مخالفت سمجھے تو وہ حقیقی کافر نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے اس فعل کو حلال نہیں سمجھا۔ بعض اوقات کوئی حاکم خوف یا عجز یا اس قسم کی وجوہات کی وجہ سے بھی شریعت کے خلاف فیصلہ کر دیتا ہے، (لہذا اس صورت میں بھی اس پر کفر کا فتوی نہیں لگایا جائے گا)۔"

ما أنزل اللہ کے غیر کے مطابق فیصلہ کرنے کی تین قسمیں یعنی کفر ،ظلم اور فسق وفجور قرآن میں بیان کی گئی ہیں اور ان قسموں کا اطلاق اس حکم کے اسباب کے اعتبار سے بدلتا رہے گا۔ پس اگر کسی شخص نے اپنی خواہش نفس کے تحت ما أنزل اللہ کے غیر کے مطابق فیصلہ کیا جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ کا فیصلہ حق ہے تو ایسے شخص کی تکفیر نہ ہو گی اور یہ ظالم اور فاسق کے مابین کسی رتبے پر ہو گا۔ اور اگر کوئی حکمران ما أنزل اللہ کے غیر کو تشریع عام یعنی عمومی قانون کے طور پر نافذ کرتا ہے تاکہ امت مسلمہ اس پر عمل کرے اور ایسا وہ اس لیے کرتا ہے کہ اسے اس میں کوئی مصلحت دکھائی دیتی ہے حالانکہ اصل حقیقت اس سے

---

[25] **وضعی قوانین / قوانین وضعیہ:** خود ساختہ قوانین، اپنے وضع کردہ (بنائے ہوئے) قوانین، انتظامی قوانین کو بھی قوانین وضعیہ کہتے ہیں۔

پوشیدہ ہوتی ہے تو ایسے حکمران کی بھی تکفیر نہ ہو گی کیونکہ اکثر حکمرانوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں اور انہیں ایسے جہلاء کا قرب حاصل ہوتا ہے جنہیں وہ بہت بڑا عالم سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ پس اس طرح وہ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی حکمران شریعت کو جانتا ہو لیکن اس نے کسی وضعی قانون کے مطابق فیصلہ کر دیا یا اسے بطور قانون اور دستور نافذ کر دیا تاکہ لوگ اس پر عمل کریں تو ایسے حکمران کے بارے بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ وہ اس مسئلے میں ظالم ہے اور حق بات کہ جس کے ساتھ کتاب و سنت وارد ہوئے ہیں' یہ ہے کہ اس حکمران کی بھی ہم تکفیر نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف اسی حکمران کی تکفیر کریں گے جو ما أنزل اللہ کے غیر کے مطابق اس عقیدے کے ساتھ فیصلہ کرے کہ لوگوں کا ما أنزل اللہ کے غیر پر چلنا اللہ کے حکم پر چلنے سے بہتر ہے یا وہ اللہ کے حکم کے برابر ہے۔ ایسا حکمران بلا شبہ کافر ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کے قول' کیا اللہ تعالی سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے' اور' کیا وہ جاہلیت کے فیصلہ سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے' ایسی قوم کے لیے جو کہ یقین رکھتے ہیں' کا انکار کرتا ہے۔

تاتاری قانون الیاسق اور موجودہ وضعی قوانین:

ہمارے ہاں عمومی طور تکفیر کرنے والے حضرات تاتاری قانون ''الیاسق'' نامی مجموعہ قوانین کو بنیاد بناتے ہیں معاصر حکمرانوں اور اس سے متعلقہ اداروں کو کافر مرتد قرار دیتے ہیں اور بطور دلیل امام ابن کثیر اور ابن تیمیہ علیہما الرحمہ کا حوالہ ذکر کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ابن کثیر اورامام ابن تیمیہ رحمہا اللہ نے 'الیاسق'نامی مجموعہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے تاتاریوں کو کافر قرار دیاہے لیکن ان کی تکفیر کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے مجموعہ قوانین کو شرعی قوانین کے برابر حیثیت دیتے تھے اور یہ اعتقادی کفرہے اور کسی بھی انسانی قانون کو شرعی قانون کے برابر قرار دیناصریح کفر ہے جیسا کہ سلفی علماء کے حوالے سے ہم یہ بحث پہلے نقل کر چکے ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسلام قبول کرنے والے تاتاریوں کے عقائد کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان اسلام کے مدعی تاتاریوں میں سے جو لوگ شام آئے۔ ان میں سب سے بڑے تار تاری نے مسلمانوں کے پیام بروں سے خطاب کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمان اور ان کے قریب ثابت کرتے ہوئے کہا: یہ دو عظیم نشانیاں ہیں جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ ان میں سے ایک محمد عربی ہیں اور دوسرا چنگیز خان ہے۔ پس یہ ان کا وہ انتہائی عقیدہ ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول جو مخلوق میں سے سب سے بزرگ 'اولاد آدم کے سردار اور نبیوں کی مہر ہیں' انہیں اور ایک کافر اور مشرکین میں سب سے بڑھ کر مشرک 'فسادی' ظالم اور بخت نصر کی نسل کو برابر قرار دیا؟۔ ان تاتاریوں کا چنگیز خان کے بارے عقیدہ بہت ہی گمراہ کن تھا۔ ان نام نہاد مسلمان تاتاریوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ چنگیز خان اللہ کا بیٹاہے اور یہ عقیدہ ایساہی ہے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت مسیح کے بارے عقیدہ تھا۔ یہ تاتاری کہتے ہیں کہ چنگیز خان کی ماں سورج سے حاملہ ہوئی تھی۔ وہ ایک خیمہ میں تھی جب سورج خیمہ کے

روشندان سے داخل ہوا اور اس کی ماں میں گھس گیا۔ پس اس طرح اس کی ماں حاملہ ہو گئی۔ ہر صاحب علم یہ بات جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے... اس کے ساتھ ان تاتاریوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ چنگیز خان کو اللہ کا عظیم ترین رسول قرار دیتے ہیں کیونکہ چنگیز خان نے اپنے گمان سے ان کے لیے جو قوانین جاری کیے ہیں یا مقرر کیے ہیں یہ ان قوانین کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ جو ان کے پاس مال ہے' اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ چنگیز خان کا دیا ہوا رزق ہے اور اپنے کھانے اور پینے کے بعد (اللہ کی بجائے) چنگیز خان کا شکر ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ اس مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں جو ان کے ان قوانین کی مخالفت کرتا ہے جو اس کافر ملعون' اللہ' انبیاء و رسل' محمد عربی اور اللہ کے بندوں کے دشمن نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس یہ ان تاتاریوں اور ان کے بڑوں کے عقائد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد محمد عربی کو چنگیز خان ملعون کے برابر قرار دیتے ہیں۔ "

(مجموعہ الفتاوی)

تاریخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کی عبارت پر غور کیجئے۔

1- تاتاریوں کا پہلا کفر کہ وہ چنگیز خان کو رسول اللہ ﷺ کے برابر سمجھتے تھے۔

2- وہ چنگیز خان کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

3- اور اس کے دیے گئے قوانین کی تعظیم کرتے تھے۔

4- مجموعہ قوانین ''الیاسق'' کا انکار کرنے والے مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے تھے۔

5- کھانے پینے کے بعد چنگیز کا شکر ادا کرتے تھے۔

یہ تمام امور ایسے صریح کفریہ عقائد ہیں جن کے کفر اکبر ہونے میں دو بندوں کا بھی اختلاف ممکن نہیں لہذا ''الیاسق'' کے مجموعہ قوانین کے بارے تاتاریوں کا جو رویہ اور عقیدہ تھا علماء قائل ہیں۔

پس آج بھی کوئی حکمران وضعی مجموعہ قوانین کو منجانب اللہ سمجھے یا اس کو خلاف اسلام کہنے والوں کے خون کو حلال سمجھے یا اس قانون کے واضعین کو اللہ کے رسول ﷺ کے برابر کا درجہ دے تو ان کے کفر میں بھی کوئی شک نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہمارے حکمران عرصہ دراز سے وضعی قوانین کے مرتکب ضرور ہیں یہ یقینا ایک بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ اس کو منجانب اللہ یا خلاف شریعت سمجھنے والوں کے خون کو حلال یا قانون سازوں کو نبی کریم ﷺ کے برابر کا درجہ نہیں دیتے لہذا بغیر کسی کفریہ عقیدہ کے مطلق ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے کو کفر اکبر قرار دینے کی کوئی شرعی عقلی، نقلی، یا تاریخی دلیل موجود نہیں ہے۔

ہاں یہ عمل، مجازی کفر کہلانے کا مستحق ضرور ہے۔

تشریع عام[26] اور مسئلہ تکفیر

ہمارے ہاں مکفرین کی تکفیر کی ایک بنیاد تشریع عام بھی ہے جس کی اساس وہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ علیہ کے ایک قول کو قرار دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ پر استمرار و دوام بھی ارتداد بن جاتا ہے حالانکہ یہ بات بھی شرعا درست نہیں ہم پہلے آل تکفیر کا استدلال پیش کرتے ہیں بعد میں اس کی حقیقت حدیث رسول کی روشنی میں واضح کریں گے۔ وہ کہتے ہیں:

معاصر حکمران یا جج حضرات جس آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اسے ایک مصدر اور منبع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جج حضرات اپنے فیصلوں میں بار بار اس آئین یا قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں لہذا قرون اُولی میں کسی قاضی کا کسی خاص واقعے میں شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا اور موجودہ دور میں کسی جج کا کسی واقعے میں بار بار کسی غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلے میں استمرار کا پایا جانا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے۔

ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صورتیں گناہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں۔ پہلی صورت گناہ میں ہلکے درجے کی ہے جبکہ دوسری صورت کا گناہ بہت بڑھ کر ہے لیکن یہ کفر اکبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ گناہ کفر نہیں بن جاتا جیسا کہ

---

[26] **تشریع عام:** کسی کبیرہ گناہ کو چھوڑنے کی طاقت ہونے کے باوجود بار بار کرنا، کسی گناہ پر اصرار کرنا یعنی گناہ پر ہمیشگی اختیار کرنا

ایک شرابی زندگی بھر شراب پیتا رہے اور ایک سود خور عمر بھر سود کھاتا رہے تو اس کے اس فعل کی برائی، قباحت اور شناعت تو بڑھ جائے گی لیکن اس کا یہ فعل گناہ کبیرہ ہی رہے گا نہ کہ کفر اکبر بن جائے گا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول کی صحبت میں رہنے والے ایک صحابی عبد اللہ الحمارؓ، شراب نوشی پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے تھے اور اللہ کے رسول نے ان پر کئی دفعہ حد جاری فرمائی یہاں تک ایک دفعہ تنگ آکر بعض صحابہ نے اس پر لعن طعن کی کہ اتنی بار حد نافذ کرنے کے بعد بھی اس عادت کو نہیں چھوڑتے ہو تو اللہ کے رسول نے اس پر لعن طعن کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

(صحیح بخاری 'کتاب الحدود' باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر)

پس نص سے ثابت ہوا کہ کسی برائی یا کبیرہ گناہ پر دوام اسے کفر اکبر نہیں بناتا لہذا اگر قضیہ معینہ میں ایک چیز کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے تو تشریع عام میں اس گناہ کبیرہ پر استمرار کی صورت میں وہ کفر اکبر کیسے بن جائے گی؟۔

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا توجیہات پر مطمئن نہ ہو تو پھر ایسے شخص کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقلی و منطقی اعتبار سے شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا قول، ان کی جلالت علمی کے باوصف، اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ اس قول میں یہ بات موجود ہے کہ تحکیم بغیر ما

آنزل اللہ میں اعتقادی کفر کی چھ اقسام ہیں اور اعتقادی کفر کے بیان میں پانچویں اور چھٹی قسم ایسی بیان کی ہے جو عمل سے متعلق ہے اور عملی کفر ہے۔ انسان کا عمل ہر صورت میں اس کے عقیدے پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر صورت میں عمل کی عقیدے پر دلالت قطعی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص ساری عمر حرام سود کھاتا رہا ہے۔ اب کیا اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سود کھانے کو جائز یا اچھا سمجھتا ہے جیسا کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کے قول میں یہ بات موجود ہے کہ حکمران یا جج ساری عمر غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرتا رہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غیر اللہ کے قانون کو کتاب و سنت سے بہتر سمجھتا ہے۔ کسی عمل پر دوام اور استمرار کسی کے عقیدے کے لیے دلیل کیسے بنتا ہے، یہ بات قابل فہم نہیں ہے۔ زنا کا ارتکاب ایک دفعہ ہو یا کوئی شخص زنا کا عادی مجرم ہو، دونوں صورتوں میں زنا کی حد ایک ہی ہوگی یعنی زنا کے عادی مجرم کے لیے کوئی علیحدہ سے سخت حد نازل نہیں ہوئی ہے، اگرچہ عادی مجرم کا گناہ ایک دفعہ کے مرتکب کے گناہ سے بہت بڑھ کر ہے۔

درود سلام ہو آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر اور رحمتیں ہوں آپ ﷺ کے ساتھیوں پر!

باب پنجم:

کیا پاکستان کا آئین کفریہ ہے؟

پاکستان کے آئین کو کفریہ کہنے والوں کے نظریات پر ایک نظر

الشیخ جابر علی عسکری حفظہ اللہ

مقدمہ:

دورِ حاضر میں اگر پوری دنیا کے مسلم ممالک ان کے حکمرانوں، افواج، محلِ وقوع اور ان تمام چیزوں پر نظر دوڑائی جائے جن سے کسی ملک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو یہ کہنے میں مبالغہ آرائی نہ ہوگی کہ اس وقت مسلم دنیا میں پاکستان وہ واحد ریاست ہے جو سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بھی دنیا کے کسی کونے میں مظلوم مسلمانوں کی مدد کی ضرورت پڑی تو اس کی پکار پر لبیک کہنے والوں کا پاکستان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق لازمی رہا ہے، اور یہ تعلق انفرادی طور پر تو اپنی جگہ مگر حکمران طبقے کی طرف سے بھی امت مسلمہ کے دکھ درد پر لبیک کہا جانا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ جس کی واضح مثالیں افریقہ میں مظلوم مسلمانوں کی فریاد پر لبیک کہنے والے پاک فوج کے دستوں کا وہاں پہنچنا، بوسینیا کی برف پوش پہاڑوں میں پاک فوج کے شہداء کا خون بہنا، تامل ٹائیگر کے خلاف پاک فوج کا کامیاب آپریشن، سعودی عرب میں خوارج کے خانہ کعبہ پر حملوں میں پاک فوج کی کمال حکمت عملی اور آپریشن، افغانستان میں روس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے آئی ایس آئی کا جہاد، کشمیر میں مسلمانوں کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے ہندوستان پر مختلف خفیہ اور اعلانیہ محاذوں پر حالت جنگ میں شہید ہونے والے پاک فوج اور آئی ایس آئی کے عظیم جوانوں کا خون ہمیں کہہ رہا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے دفاع اور ان پر ہونے والے مظالم کے انتقام کا ذمہ ہم نے لیا ہوا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب پاکستان ایٹمی قوت بنا تو انڈونیشا کے بازروں میں میٹھائیاں تقسیم کی گئیں ، اور ان مسلمانوں کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا" آج ہم ایٹمی طاقت بن گئے ہیں"

فلسطین کے بچوں نے اس دن اسرائیل کے یہودیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا کہ "ہمارے ہاتھوں میں پتھر کو نہ دیکھو، پاکستان میں موجود ایٹمی بم کو دیکھو۔" بالکل ایسے ہی

جیسے گلی محلے میں کسی کی لڑائی ہو جائے تو وہ دشمن کو کہتا ہے کہ میر ابھائی، یا ابو فلاں فلاں ہے، مجھے ہاتھ لگانے سے پہلے سوچ لینا میں کس کا بھائی یا بیٹا ہوں۔

ہمیں شاید اندازہ نہ ہو کہ پوری دنیا کے مسلمانوں کی پاکستان پر کس قدر نظریں جمی ہوئی ہیں، کہ فلسطین میں بیت المقدس کی آزادی کے لیے اگر کوئی ریلی نکالی جائے تو اس میں پاک فوج کو پکار لگائی جاتی ہے، اگر یورپ کے کسی کونے میں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پاکستانیوں کو اپنا مسیحا سمجھ کر پکارتا ہے، اگر عرب ممالک میں کسی ملک پر کوئی کافر قوت یلغار کرتی ہے تو ان مسلمانوں کی سب سے پہلی پکار پاکستان کے مسلمانوں کو ہوتی ہے۔ اگر بھارت میں کسی مسلمان پر بھی ظلم ہوتا ہے تو وہ پاکستانیوں کو مدد کے لیے آواز دیتا ہے، اگر افغانستان میں کسی مسلمان پر کوئی کافر ظلم کرتا ہے تو اس کو اپنے زخموں کا مرہم پاکستان کی سرزمین سے ہی نظر آرہا ہوتا ہے۔ ابو غریب، گوانتانا موبے، تہاڑ اور دنیا کی باقی بدنام زمانہ جیلوں سے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے جو خطوط آتے ہیں ان میں 90 فیصد سے زائد پاکستان کے مسلمانوں کے نام ہی ہوتے ہیں۔

یہی بنیادی وجوہات ہیں کہ پوری دنیا کے کافر پاکستان کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے وہ جہاں خود بے شمار تگ و دو کر رہے ہیں وہیں انہوں نے دانستہ یا غیر دانستہ پر ایسے لوگوں کو استعمال کیا ہے جو بظاہر تو اسلام کے ٹھیکیدار نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کفار کی سازشوں کو ہی پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم ہوتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ پچھلے دنوں ایک مصنف کی تحریر پڑھ کر محسوس ہوا، جس نے اپنی ساری توانائی اس بات پر صرف کر دی کہ پاکستان کا آئین اسلامی نہیں ہے بلکہ کفریہ آئین ہے، اور پاکستان اسلامی ملک نہیں بلکہ کفریہ ملک ہے، لحاظہ ایک مسلمان جس طرح امریکہ، انڈیا اسرائیل کے خلاف جنگی جنون رکھتا ہے اسی طرح اس کو پاکستان کے خلاف بھی جنگی جنون رکھنا چاہیے۔

وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶،۱۷ پر لکھتا ہے ”پاکستان ایک غیر اسلامی مملکت ہے اور اس کا دستور بھی غیر اسلامی ہے، بلکہ اسلامی شریعت کے ساتھ کئی اساسی اور خطرناک تناقضات پر مبنی ہے۔ نیز مجھ پر یہ بھی واضح ہوا کہ پاکستانی دستور بھی اسی مغربی ذہنیت کی پیداوار ہے جو عوام کی حکمرانی اور عوام کے حقِ قانون سازی کے نظریے پر یقین رکھتی ہے اور بلاشبہ یہ نظریہ اسلام کے عطا کردہ عقیدے سے صراحتاً متصادم ہے۔“

مناسب یہی سمجھا کہ پاکستان کے خلاف اٹھنے والی اس سازش کا بھی سرسری نوٹس لیا جائے، تو مصنف کے اعتراضات اور ان کا مدلل رد لکھ رہا ہوں تاکہ کفار کی یہ سازش بھی ناکام و نامراد ہو۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپ کا بھائی جابر علی عسکری

7ربیع الاوّل1435ھ

معترض کا کتاب لکھنے کا مقصد:

مصنف نے کتاب اس لیے نہیں لکھی کہ وہ پاکستان کی عوام کے سامنی شریعت کی بالادستی کو قائم کرنے کا کوئی متبادل لائحہ عمل پیش کرے، یا پھر جمہوریت جیسے نظام سے نجات دلا کر عوام کو اسلامی نظام کی طرف مائل کرے، بلکہ مصنف نے اپنی کتاب لکھنے کا مقصد اپنی کتاب میں ہی بیان کر دیا کہ

"پس اگر آپ کلی طور پر ہماری موافقت نہ بھی کریں تو اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جرات ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے فقہی موقف کی درستی تسلیم کریں اور ان ظالم وفاجر لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیں جو دشمنان دین کے ساتھی بن کر ہمارے مقابل کھڑے ہیں۔.... پس قبائل میں برسرپیکار مجاہدین کی حمایت کرنا آپ کا شرعی فریضہ ہے۔ آخر یہی تو وہ فی سبیل اللہ مجاہدین ہیں جو نہ صرف امریکہ اور عالمی صلیبی طاقتوں کے مد مقابل ڈٹے ہوئے ہیں، بلکہ اس صلیبی اتحاد کے اساسی رکن پاکستان کی فوج کے مظالم بھی ثابت قدمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں شریعت کا کم سے کم تقاضا یہ بھی ہے کہ امریکہ کی وفادار اور اسلام سے غدار حکومتوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی مخالفت نہ کی جائے۔" (ص ۱۸۳)

اس میں واضح طور پر پاکستانی عوام خصوصاً قبایلی عوام کو اس بات پر آمادہ کیا جارہا ہے کہ وہ قبائلی علاقوں میں پاکستان سے انتقامی جنگ لڑنے والوں کا ساتھ دے، اور پاکستان کی حکومت کے خلاف جو بغاوت کھڑی کی گئی ہے اس میں ہمارا بھرپور ساتھ دے۔ مولف کی کاوش کے اس عملی محرک کو سامنے رکھا جائے تو وہ پاکستان کے علما اور عوام کی صحیح راہ نمائی سے زیادہ تحفظ ذات کے جذبے کی غمازی کرتی ہے۔ وہ دستور کے فنی تجزیے، اسلام اور جمہوریت کے علمی تقابل اور پاکستانی نظام کی خرابیوں جیسی اعلیٰ علمی بحثیں چھیڑ کر تاثر تو یہ پیدا کرتے ہیں کہ

ان کے لیے اس ساری جہد و کاوش کا محرک نفاذ شریعت کی جدوجہد میں پاکستان کے اہل علم اور مذہبی قیادت کا قبلہ درست کرنے کا جذبہ بنا ہے، لیکن بحث کی تان جس نکتے پر آکر ٹوٹتی ہے، وہ یہ ہے کہ شمالی علاقہ جات کے قبائل کی بغاوت کی تائید کی جائے جو اس وقت القاعدہ کی قیادت کے لیے بظاہر دنیا کی آخری پناہ گاہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نکتہ ان کی اس ساری سعی کی فکری قدر و قیمت متعین کرنے میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

معترض کی کتاب کے مقدمے کا جائزہ

بہر حال، آیئے پاکستان کو ایک غیر اسلامی ریاست اور دستور پاکستان کو ایک غیر اسلامی دستور ثابت کرنے کے لیے مولف کے استدلالی مقدمے کا جائزہ لیتے ہیں۔ مولف پہلا اعتراض کرتے ہوئے اپنی کتاب کے مقدمے میں ہی لکھتا ہے کہ

پاکستانی اسلامی جماعتوں کی دستور پاکستان کے متعلق رائے:

مصنف اپنی کتاب میں پاکستان کی اسلامی جماعتوں کی دستورِ پاکستان کے متعلق رائے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''پاکستان کا دستور صحیح اسلامی اساس پر قائم ہے۔ یہ دستور عامۃ المسلمین کو اپنے نمائندے چننے اور شریعت کی روشنی میں اپنے حکام کا محاسبہ کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔ پس مسئلہ دستور یا نظام کا نہیں، بلکہ اس فاسد حکمران طبقے کا ہے جو کبھی بزور قوت اور کبھی دیگر ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر قابض ہے اور دستور میں درج امور کی پابندی نہیں کرتا۔'' (ص ۱۵،۱۶)

مولف کا دستور پاکستان کے متعلق موقف:

مولف کو اس رائے سے اختلاف ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ:

"دستور پاکستان کے مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے مکر وفریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدہ بھی ہو جائے، لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور داعی حضرات بھی اس دھوکے کا شکار ہو کر دستور کی تعریف و تقدیس بیان کرتے رہے۔ (ہاں! اس میں کچھ شک نہیں کہ ان حضرات کا اس دستور سے نیا نیا واسطہ پڑا تھا اور ابھی اس کے عملی اثرات بھی پوری طرح واضح نہیں ہو پائے تھے، لہٰذا غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا شاید کوئی امکان موجود تھا)۔۔۔۔ البتہ اصل تعجب کے لائق تو ہمارے وہ فاضل دوست ہیں جو نفاذ شریعت کے جھوٹے وعدوں کو ساٹھ (۶۰) سال گزر جانے کے بعد بھی وہی گھسے پٹے اوہام واشکالات دہرائے چلے جا رہے ہیں اور آج تک دستور پاکستان کی اسلامیت کے فریب سے دامن نہیں چھڑا پائے۔" (ص ۲۶)

تکفیر کے ضمن میں فقہا کے دو متفقہ اصول:

مولف نے جن استدلالات کی بنیاد پر دستورِ پاکستان کا "کفر" پر ہونا ہونا ثابت کیا ہے، ان پر نظر ڈالنے سے پہلے تکفیر کے ضمن میں فقہا کے دو متفقہ اصولوں کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلا اصول: تکفیر کا سب سے **بنیادی اصول** یہ ہے کہ کوئی بھی قول، چاہے وہ بظاہر کفریہ ہی کیوں نہ دکھائی دیتا ہو، اگر وہ ایک سے زیادہ مفاہیم کا احتمال رکھتا ہو اور ان میں سے کوئی ایک ضعیف احتمال بھی ایسا ہو جو اسے کفر کے دائرے سے نکال دیتا ہو تو اسے اسی مفہوم پر محمول

کیا جائے گا تا آنکہ قائل خود یہ صراحت نہ کر دے کہ اس کی مراد کفریہ مفہوم ہی ہے۔ ابن نجیم لکھتے ہیں:

اذا کان فی المسالۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم . (البحر الرائق ۱۳۴/۵)

"اگر کسی مسئلے میں کئی احتمال ایسے ہوں جو تکفیر کو واجب کرتے ہوں اور صرف ایک احتمال تکفیر سے روکتا ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ وہ مسلمان کے ساتھ حسن ظن کی بنیاد پر اس وجہ کو اختیار کرے جو تکفیر میں رکاوٹ ہو۔"

علماء کلام نے اس کی ایک واضح نشانی یہ بتائی ہے کہ جس قول یا عمل کو کفر کہا جا رہا ہے، اس کا کفر ہونا ایسا واضح ہو کہ مسلمان بالاتفاق اسے کفر قرار دینے میں کوئی تردد محسوس نہ کریں۔ باقلانی لکھتے ہیں:

ولا یکفر بقول ولا رای الا اذا اجمع المسلمون علی انہ لا یوجد الا من کافر ویقوم دلیل علی ذلک فیکفر .

(فتاویٰ السبکی ۵۷۸/۲)

"کسی بات یا رائے پر اس وقت تک تکفیر نہ کی جائے جب تک مسلمانوں کا اس پر اتفاق نہ ہو کہ وہ بات کسی کافر ہی سے صادر ہو سکتی ہے اور اس پر دلیل قائم ہو جائے، تب اسے کفر قرار دیا جائے گا۔"

دوسرا اصول:

دوسرا اصول یہ ہے کہ کسی استنباطی یا اجتہادی شرعی مسئلے کے انکار کی بنیاد پر، چاہے اس پر فقہا کا اتفاق ہی کیوں نہ ہو، کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ تکفیر کے لیے ضروری ہے کہ آدمی نے قطعی، واضح اور غیر محتمل نص سے ثابت شریعت کے کسی اصولی اور اساسی حکم کا انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جنرل ایوب خان کے دور میں جو عائلی قوانین منظور کیے گئے، اس کی بہت سی شقیں متفق علیہ شرعی احکام کے منافی تھیں، لیکن چونکہ وہ دین کے اصولی نہیں، بلکہ فروعی مسائل تھے اور قطعی طور پر منصوص نہیں بلکہ استنباطی اور اجتہادی تھے، اس لیے اس وقت سے آج تک کسی بھی ذمہ دار عالم یا مفتی نے اس پر 'کفر' کا فتویٰ صادر نہیں کیا۔

ان اصولوں کی رعایت ایک عام فرد کی تکفیر میں بھی ضروری ہے، جبکہ معاملہ اگر ایک پورے نظام ریاست اور اس کے دستور کا ہو جس کی ترتیب و تدوین میں وقت کے جید ترین اور اکابر علما شریک رہے ہوں اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ اس دستور کو ایک اسلامی دستور قرار دے رہے ہوں تو اس دستور کی کسی دفعہ سے 'کفر' اخذ کرتے ہوئے مذکورہ اصولوں کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

مولف کے اعتراضات کا علمی محاکمہ:

ان اصولوں کی روشنی میں اب یہ دیکھیے کہ مولف نے دستور پاکستان کو 'کفر' قرار دینے کے لیے کیا دلائل پیش کیے ہیں۔

پہلا اعتراض:

مولف نے سب سے پہلا اور بنیادی نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ دستور، ارکان پارلیمان کو مطلق طور پر دستور کی کسی بھی شق میں ترمیم کا حق دیتا ہے اور چونکہ یہاں بظاہر ایسی کوئی قید نہیں لگائی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ پارلیمنٹ قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرنے اور قانون سازی میں شریعت کی پابندی کی شقوں میں ترمیم کرنے کی مجاز نہیں ہے، اس لیے اپنے اطلاق کے لحاظ سے یہ دستور پارلیمنٹ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ چاہے تو شریعت کی بالادستی کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر سکتی ہے۔

جواب:

ہم نے تکفیر کا جو پہلا اصول بیان کیا ہے، اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو مولف کا یہ استدلال سرے سے بے بنیاد ہے۔ سیدھا سا سوال ہے کہ کیا آئین میں ترمیم کا حق دینے والی اس شق کی جو تعبیر مولف نے پیش کی ہے، وہی اس کی واحد ممکن تعبیر ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی تعبیر ممکن ہے جو اسے 'کفر' سے بچاتی ہو؟ ہمارے علم کی حد تک پاکستان کی دستوری تاریخ میں اس شق کا یہ مطلب سب سے پہلے مولف نے پیش کیا ہے، جبکہ علما، ججز اور قانون دان طبقے میں سے کسی نے بھی اس سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا۔

یہ ایک سادہ اصول ہے کہ کسی بھی دستاویز کے کسی جز کا منشا و مراد اس دستاویز کے اصولی و نظری مفروضات، مجموعی مزاج اور دستاویز میں شامل دیگر تصریحات کو نظر انداز کر کے متعین نہیں کیا جا سکتا۔ آئین یہ تصریح کرتا ہے کہ اسے ایک اسلامی مملکت کے منتخب

نمائندے اس مقصد کے لیے وضع کر رہے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس ملک کے اجتماعی نظام کو اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے مطابق چلایا جاسکے۔ گویا 'مسلمان' ہونا اور اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کی پابندی کو قبول کرنا آئین کا بنیادی مفروضہ ہے، جبکہ اس کی کسی بھی شق کے محض ظاہری الفاظ کے اطلاق سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ دستور کو تشکیل دینے والے اپنے لیے قرآن وسنت کی بالادستی کے انکار کی گنجائش بھی دستور میں رکھنا چاہتے ہیں، اس بنیادی مفروضے کے بالکل خلاف ہے۔ اس لحاظ سے مولف کا یہ استدلال صرف احمقانہ اور بے بنیاد نہیں، بلکہ سخت اشتعال انگیز بھی ہے۔

دوسرا اعتراض:

مذکورہ بنیادی نکتے کے علاوہ مولف نے دستور میں سات مزید ایسے امور کی نشان دہی کی ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ یہ امور حسب ذیل ہیں:

۱۔ آئین میں بعض اشخاص اور اداروں کو قانونی محاسبہ سے بالاتر رکھا گیا ہے۔

۲۔ آئین کی رو سے سربراہ ریاست کو کسی بھی جرم پر سزائے موت کو معاف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

۳۔ آئین میں قاضی کے لیے عادل ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی جبکہ مسلمان ہونے کی شرط صرف شرعی عدالت کے قاضی کے لیے لگائی گئی ہے۔

۴۔ آئین میں سربراہ ریاست کے لیے مرد ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

۵۔ ایسے افراد کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جنھوں نے اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیے جانے سے پہلے اس جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

۶۔ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۷۔ دستور میں سود کے خاتمے کا صرف وعدہ کیا گیا ہے جس پر آج تک عمل نہیں ہوا۔

جواب:

مولف کا کہنا ہے کہ مذکورہ تمام امور شریعت کے خلاف ہیں اور کسی بھی خلاف شریعت امر کو قانون کا درجہ دینا کفر ہے، اس لیے مذکورہ امور کو دستور کا حصہ بنانا اسے ایک 'کفریہ' دستور کا درجہ دے دیتا ہے۔

مذکورہ دفعات کی نشان دہی اور پھر ان کا تجزیہ کرتے ہوئے مولف نے دستور اور قانون کے فہم کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا ہے جسے کسی بھی طرح قابل رشک نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے 'تکفیری' رجحان کا سب سے دل کش نمونہ سود کے حوالے سے دستور کی دفعہ ۳۸ کو کفر قرار دینے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہ دفعہ یہ کہتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح وبہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو، سود کو ختم کیا جائے گا۔ اب اس دفعہ کو مثبت ذہن سے دیکھا جائے تو یہ دستور کی 'اسلامیت' کا اظہار کرتی ہے کہ اس میں سود کے خاتمے کو مقصد قرار دیا گیا ہے، البتہ چونکہ اسے پورے نظام سے فوری طور پر ختم کرنا ممکن نہیں، اس لیے اسے حالات کی سازگاری پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاہم مولف کی باریک بیں نگاہ نے اس دفعہ میں بھی 'کفر' کو تلاش کر لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ محض ایک وعدہ ہے جسے آج تک ایفا نہیں کیا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر کیا تبصرہ کیا جائے؟ اگر وعدے کو ایفا نہیں کیا گیا تو یہ دستور کا قصور ہے یا قانون ساز اداروں کا؟ ارباب اقتدار کے منافقانہ رویوں کی وجہ سے دستور کی یہ دفعہ جو انھیں سود کے خاتمے کا پابند بنا رہی ہے، کیسے 'کفر' بن گئی؟

مولف کی دی گئی ایک مثال کا تجزیہ:

اپنی بات سمجھانے کے لیے مولف نے یہ مثال دی ہے کہ ”جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کروں گا تو کیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتا ہے؟“ (ص ۱۲۱) یہ ارشاد بھی 'جو بات کی، خدا کی قسم لاجواب کی' کا ایک نمونہ ہے۔ اگر ایک مسلمان یہ کہتا ہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا اور پھر نہ پڑھے تو اسے یقیناً نمازی نہیں کہا جائے گا، لیکن کیا اس سے وہ 'کافر' ہو جائے گا؟ دستور کی ہدایات اور اس پر عمل درآمد کرنے والی قانونی وانتظامی مشینری کے باہمی فرق کو سامنے رکھا جائے تو مولف کے اس فتوے کی مثال یوں بنتی ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے سے یہ کہے کہ تم سود لینا چھوڑ دو، لیکن دوسرا شخص اس کی ہدایت پر عمل نہ کرے تو اس سے پہلا شخص کافر ہو جائے گا۔

سیرت رسول ﷺ سے مولف کے غلط فہم کا رد:

اگر مولف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سود کے خاتمے کے لیے مہلت دینا اور 'تدریج' کا طریقہ اختیار کرنا 'کفر' ہے تو پھر یہ مسئلہ ایک نازک اصولی بحث سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اگر وہ واقعی عملی حکمت و مصلحت کے لحاظ سے کسی فرد یا گروہ یا معاشرے کو احکام شریعت کا پابند بنانے میں تدریج کے طریقے کو 'کفر' سمجھتے ہیں تو پھر انھیں اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے مطالبے پر یہ رخصت کیوں دی تھی کہ وہ سر دست صرف دو نمازیں ادا کر لیا کرے؟ (الآحاد والمثانی، رقم ۹۴۱۔ اسد الغابہ، ۶/ ۴۷۵) اسی طرح آپ نے بنو ثقیف سے اسلام کی بیعت لیتے ہوئے ان کی یہ شرط کیوں قبول کی کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیں گے اور جہاد بھی نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ

جب وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہو جائیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔(سنن ابی داود، رقم ۳۲۰۵)

مولف کی دستور کی دو شقوں کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ:

پہلی شق پر مولف کا اعتراض:

'کفر سازی' اور 'کفر' کشید کرنے کے اسی ذہنی رجحان کا اظہار مولف نے باقی مثالوں میں بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر دستور کی دفعہ ۴۸ صدر کے کسی کو جواب دہ نہ ہونے کے معاملے کو واضح طور پر ان مخصوص معاملات تک محدود کرتی ہے جن میں اسے دستور کی رو سے صواب دیدی اختیار حاصل ہو، جبکہ اس کے علاوہ باقی امور کی انجام دہی میں صدر کو کابینہ یا وزیر اعظم کے مشورے کا پابند بنایا گیا ہے۔ واضح لفظوں میں لکھی ہوئی اس تصریح کے باوجود مولف اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "یہ دفعہ صدر کو اس کے ہر فعل میں کھلی چھوٹ اور تحفظ فراہم کرتی ہے، خواہ اس کا فعل شریعت سے موافق ہو یا شریعت کے مخالف۔" (ص ۸۹) اس کی مثال انھوں نے یہ دی ہے کہ "اگر صدر پاکستان فوج کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انھیں روند ڈالو..... یا اسی طرح انھیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کر دو تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے..... نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے نہ ہی اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے" (ص ۸۸)۔

جواب:

دستور اور نظام حکومت سے واقف ایک ابتدائی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ مذکورہ احکامات سرے سے صدر کے دائرۂ اختیار میں آتے ہی نہیں۔ یہ اختیار وزیر اعظم کے پاس ہے جو

اپنے فیصلوں کے لیے پارلیمنٹ کو جواب دہ ہے۔ یہاں دستور کو سمجھنے کے لیے مولف نے دراصل جنرل پرویز مشرف کے ان فیصلوں اور اقدامات کو اپنا ماخذ بنایا ہے جو انھوں نے دستور کو پامال کر کے سارے اختیارات طاقت کے زور پر اپنی ذات میں مرتکز کر لینے کے بعد کیے تھے۔

دوسری شق پر مولف کا اعتراض:

یہی صورت حال دستور کی دفعہ ۱۴۸ کی ہے جو صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزراے اعلیٰ اور وفاقی وصوبائی وزرا کو ان افعال کے لیے عدالتی جواب دہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جو انھوں نے اپنے حکومتی فرائض کی انجام دہی کے دوران میں کیے ہوں۔ اس پر مولف کا تبصرہ یہ ہے کہ یہ دفعہ ”جو بعض حکومتی عہدے داران کو عدالت میں پیشی سے تحفظ فراہم کرتی ہے، شریعت سے صراحتاً متصادم ہے اور یہ بات تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے، اگرچہ وہ مخالفت بذات خود صرف فسق ہی ہو۔“ (ص ۹۱)

جواب:

یہاں بھی قانون کا وہی سطحی فہم کارفرما ہے جس کا نمونہ ہم گزشتہ مثال میں دیکھ چکے ہیں۔ دستور کی یہ دفعہ مذکورہ حکومتی عہدے داروں کو مطلقاً محاکمے اور محاسبے سے نہیں، صرف ”عدالتی“ محاسبے سے مستثنیٰ قرار دے رہی ہے اور اس کے پس منظر میں ان کے قانون سے بالاتر ہونے کا تصور نہیں بلکہ نظام حکومت کو چلانے میں مختلف اداروں کو ایک دوسرے کے دائرۂ کار میں بے جا مداخلت سے روکنا ہے۔ یہ انتظام اس لیے کیا گیا ہے کہ اگر حکمرانوں کو عدالتی محاسبہ سے مستثنیٰ نہ رکھا جائے تو ان کے لیے روزمرہ کے انتظامی اور حکومتی معاملات

چلانا بھی دشوار ہو جائے گا۔ یقیناً اس کے کچھ منفی اثرات بھی ہیں اور اس انتظام سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن بہر حال اس کا اصل پس منظر یہی ہے اور اسے 'کفر' سے موسوم کرنا محض مولف کی انتہا پسندانہ سوچ کا نتیجہ ہے۔

مولف کا رد فقہ حنفی سے:

اس سے ملتی جلتی ایک نظیر خود اسلامی فقہ میں موجود ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہ ایک خاص قانونی نکتے کی روشنی میں اس بات کے قائل ہیں کہ ریاست کا سربراہ اعلیٰ اگر کسی قابل حد جرم مثلاً زنا، چوری وغیرہ کا مرتکب ہو تو اس کا مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔ ابن الہمام لکھتے ہیں:

وکل شی فعلہ الامام الذی لیس فوقہ امام مما یجب بہ الحد کالزنا والشرب والقذف والسرقۃ لا یواخذ بہ الا القصاص والمال .... لان الحد حق اللہ تعالی وہو المکلف باقامتہ وتعذر اقامتہ علی نفسہ لان اقامتہ بطریق الخزی والنکال ولا یفعل احد ذلک بنفسہ ولا ولایۃ لاحد علیہ لیستوفیہ۔

(فتح القدیر ۵/۲۷۷)

"قصاص اور مالی بدعنوانی کے علاوہ ہر ایسا قابل حد جرم جس کا ارتکاب وہ حکمران کرے جس کے اوپر کوئی حکمران نہیں، جیسا کہ زنا، شراب نوشی، قذف اور چوری، اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ حد، حق اللہ ہے اور حاکم اعلیٰ ہی حدود کو (رعیت پر) قائم کرنے کا مکلف ہے۔ اس کا خود اپنی ذات پر حد قائم کرنا متعذر ہے کیونکہ حد تو رسوائی اور عبرت کے طریقے پر قائم کی جاتی ہے اور کوئی شخص خود اپنے ساتھ یہ سلوک نہیں کر سکتا، جبکہ کسی دوسرے کو اس پر ولایت (قانونی اختیار) حاصل نہیں کہ وہ اس پر حد نافذ کر سکے۔"

اس رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن بہر حال یہ ائمہ مجتہدین میں سے ایک مسلمہ اور مستند امام کی رائے ہے جسے مولف اپنے سطحی قانونی فہم کے تحت چھوٹتے ہی 'کفر' کا عنوان

دے دیا ہے۔

سربراہ ریاست کے مرد ہونے اور قاضی کے مسلمان اور عادل ہونے کی شرائط اپنی جگہ اہمیت رکھنے کے باوجود ایسی نہیں ہیں کہ دستور میں ان کو شامل نہ کیے جانے کو 'کفر' کے ہم معنی قرار دیا جائے۔ قاضی کے مسلمان اور عادل ہونے کی شرائط فقہا کی استنباط کردہ ہیں اور قرآن یا حدیث کی کسی نص میں واضح طور پر قاضی کے لیے ان شرائط کو لازم نہیں کہا گیا۔ حکمران کے مرد ہونے کی شرط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک تبصرے سے اخذ کی گئی ہے جو آپ نے اہل فارس کے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنانے پر کیا تھا۔ اصول فقہ کی رو سے اس ارشاد کو براہ راست حرمت کا بیان نہیں کہا جا سکتا، اس لحاظ سے یہ شرط بھی بنیادی طور پر استنباطی ہے۔ مزید برآں ماضی قریب میں برصغیر کے ایک جید فقیہ اور عالم مولانا اشرف علی تھانوی یہ نقطۂ نظر پیش کر چکے ہیں کہ اس ممانعت کی اصل علت عورت کی رائے پر حتمی اور کلی انحصار ہے، اس لیے جمہوری نظام حکومت میں، جہاں حکمران اپنے فیصلوں کے لیے اصولی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے، عورت کے حاکم بننے پر پابندی نہیں۔ چنانچہ دستور میں مذکورہ شرائط میں سے کسی بھی شرط کو شامل نہ کرنا شریعت کے نہیں، بلکہ شریعت کی ایک خاص اجتہادی واستنباطی تعبیر کے خلاف ہے جسے کسی بھی لحاظ سے 'کفر' سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

مولف کے ایک نکتے پر تبصرہ:

مولف کے پیش کردہ نکات میں سے صرف ایک نکتہ ایسا ہے جسے فی الواقع دستور میں شریعت کے ساتھ تصادم کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، یعنی سربراہ مملکت کے لیے کسی بھی جرم میں سزائے موت کو معاف کر دینے یا اس میں تخفیف کرنے کا اختیار۔

قصاص کے مقدمات کے علاوہ عمومی طور پر سربراہ مملکت کے لیے یہ اختیار تو ہمارے نزدیک شریعت کے کسی صریح حکم کے ساتھ متصادم نہیں، اگرچہ اس پر بعض دیگر سوالات اٹھائے جاسکتے ہیں، البتہ قصاص کے مقدمے میں سزاے موت کی معافی ازروے شریعت مقتول کے ورثا کی رضامندی کے ساتھ مشروط ہے جس کا اس دفعہ میں لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اس اعتبار سے اس شق کو جزوی طور پر شریعت کے منافی کہا جاسکتا ہے، تاہم تکفیر کے پہلے اصول کے تحت اس کو 'کفر' سے تعبیر کرنا اس لیے ممکن نہیں کہ اول تو دستور وضع کرنے والوں کے نیت اور ارادے کے بارے میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انھوں نے اس شق کے الفاظ کو قصداً اور ارادۃً یہ جانتے ہوئے عام رکھا ہے کہ اس کا نتیجہ شریعت کی ایک ہدایت کی خلاف ورزی کی صورت میں نکل رہا ہے۔ ایسا بالکل ممکن ہے کہ یہ شق دستور میں درج کرتے ہوئے اس کا یہ اطلاقی پہلو کہ بعض صورتوں میں یہ اختیار شریعت کے منافی ہے، سرے سے واضعین کے سامنے ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ توجہ نہ ہونے کی بنا پر نادانستہ ایسی کوئی بات کہہ دینے سے ہرگز کفر لازم نہیں آتا۔ پھر یہ کہ دستور کی اس شق کے بارے میں عدالتی سطح پر یہ باقاعدہ بحث رہی ہے کہ دستور کی ان شقوں کی موجودگی میں جو شریعت کی بالادستی کی ضمانت دیتی ہیں، زیر بحث شق قابل عمل اور قابل نفاذ بھی ہے یا نہیں۔

مولف نے اس ضمن میں حاکم خان کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے جس میں قرار دیا گیا ہے کہ دستور کی یہ دونوں شقیں مساوی درجہ رکھتی ہیں اور کوئی ایک شق دوسری کو کالعدم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ تاہم یہ واضح ہے کہ دستور کی تعبیر کے حوالے سے یہ رائے کوئی اتنی واضح اور قطعی نہیں کہ اس سے مختلف کسی تعبیر کا امکان ہی نہ ہو اور اسی نکتے کے حوالے سے ہائی کورٹ اس کے برعکس یہ رائے دے چکی ہے کہ اسلامی شریعت کی بالادستی کی دفعہ دیگر دفعات پر بالادستی رکھتی ہے۔ اگرچہ عملی طور پر اس معاملے میں سپریم کورٹ کی تعبیر موثر ہے، لیکن ہائی کورٹ کے فیصلے سے یہ بات بہرحال واضح ہے کہ علمی طو

رپر اس سے مختلف تعبیر کا امکان موجود ہے۔ پھر یہ کہ اس شق کے حوالے سے تمام تر قانونی بحث کا حاصل صرف یہ ہے کہ دستور میں قرآن وسنت کی بالادستی کی جو ضمانت دی گئی ہے، اس کے حوالے سے ایک ایسی الجھن موجود ہے جو "تکنیکی" طور پر اس بات سے مانع ہے کہ عدالتیں دستور کی اس شق کی بنیاد پر قرآن وسنت کے منافی کسی حکم کو کالعدم قرار دیں، نہ یہ کہ اس ضمانت کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں، جیسا کہ مولف اس سے یہ نتیجہ اخذ کر کے دستور کو 'کافرانہ" ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاکم خان کیس میں عدالت نے اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس تکنیکی الجھن کے حل کے لیے عدالت عالیہ کی طرف نہیں، بلکہ پارلیمنٹ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

نتیجہ:

یہ ہے دلائل کی وہ کل کائنات جن سے مولف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پاکستان میں مسئلہ محض حکمران طبقے کا نہیں، بلکہ پاکستان کا دستور اور نظام حکومت بھی غیر اسلامی ہے اور اس وقت ملک میں اور خاص طور پر ریاستی پالیسیوں کی سطح پر جو بگاڑ نظر آرہا ہے، وہ غیر اسلامی دستور ہی کا نتیجہ ہے۔ مولف کے پہلے سے طے شدہ مقصد کے لحاظ سے ان کا یہ استدلال قابل فہم ہے، کیونکہ اگر ریاست کو نظری اساسات کی حد تک 'اسلامی' تسلیم کر لیا جائے جبکہ بگاڑ کا ذمہ دار صرف ارباب اقتدار کے فکری رویوں اور پالیسیوں کو سمجھا جائے تو اس کی وجہ سے پورے ریاستی نظام کے خلاف بغاوت کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا، جبکہ مولف یہ چاہتے ہیں کہ مذہبی طبقات اور اہل علم کو ریاست کے خلاف خروج کی باقاعدہ تائید پر آمادہ کیا جائے۔ اس پہلو سے دستور کے کفریہ ہونے کی بحث کسی حد تک اس نتیجے تک پہنچا سکتی ہے جو مولف کو مطلوب ہے۔ تاہم ان کے اس تجزیے پر چند در چند منطقی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب ان کے ہاں نہیں ملتا۔

مولف کے استدلات کا منطقی نتیجہ:

مثال کے طور پر مولف کے استدلال کا ایک منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انھوں نے دستور میں جن خرابیوں کی نشان دہی کی ہے، اگر انھیں درست کر لیا جائے تو پھر عملی بگاڑ کی جو صورت حال ہے، وہ باقی نہیں رہنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ جب ان کے تجزیے کے مطابق خرابی کا اصل منبع مقتدر طبقات کے رویے نہیں، بلکہ خود دستور ہے تو پھر اس کی اصلاح کے بعد وہ نتائج بھی باقی نہیں رہنے چاہییں جنھیں مولف ایک غیر اسلامی دستور کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر دستور میں ارکان پارلیمان کو دو تہائی اکثریت سے کسی بھی ترمیم کا جو حق دیا گیا ہے، اگر اسے مطلق رہنے کے بجائے مقید کر دیا جائے، بعض اشخاص اور اداروں کو محاسبہ و مواخذہ سے حاصل استثنا ختم کر دیا جائے، صدر مملکت کا بعض سزاؤں کی معافی کا اختیار کالعدم کر دیا جائے، سربراہ مملکت کے لیے مرد ہونے جبکہ قاضی کے لیے عادل اور مسلمان ہونے کی شرط لگا دی جائے، سود کے خاتمے کے ایک غیر معین وعدے کے بجائے اسے ایک متعین مدت میں ختم کر دینے کی پابندی عائد کر دی جائے، شریعت کی بالادستی کے ضمن میں دستور کی بعض دفعات میں پائے جانے والے تضاد کو دور کر دیا جائے اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار کو تمام قوانین تک وسیع کر دیا جائے تو مولف کے طرز استدلال کی رو سے نظام ریاست کا بگاڑ درست ہو جانا چاہیے، کیونکہ ان کے خیال میں بگاڑ کی اصل وجہ حکمران طبقات نہیں، بلکہ دستور کے مذکورہ نقائص ہیں۔ اب یہ استدلال منطقی لحاظ سے کتنا مضبوط ہے، اس پر شاید تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

مولف کے اپنے ہی موقف پر اٹھائے گئے سوالات کا تجزیہ:

مولف نے اپنے موقف پر خود یہ سوال اٹھایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''صاحب کتاب کا موقف ہے کہ پاکستان کے قانونی و دستوری نظام میں اصولی اور مہلک خرابیاں پائی جاتی ہیں، لیکن پاکستان کی بہت سی دینی تحریکوں کے قائدین اور داعیان دین اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستانی نظام اصولی اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے اور تمام تر بگاڑ نظام پر قابض حکمران طبقے کا پیدا کردہ ہے۔ یہ لوگ پاکستان کے حالات سے زیادہ آگاہ ہیں اور اصلاح احوال کے طریقہ کار کو زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں..... تو پھر مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے؟'' (ص ۱۸۱)

مولف اس سوال کے جواب میں دستور و قانون کی مذکورہ خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ:

''کتاب میں بیان کردہ موقف کا سب سے بڑا ثبوت خود پاکستان کی عملی صورت حال ہے۔ ایک فاسد دستوری و قانونی نظام پر قائم یہ ریاست اپنے قیام کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد بھی بد سے بدتر کی طرف گام زن ہے۔ خائن ملت فوجی اور سیاسی قائدین یکے بعد دیگرے اسی بہانے کے ساتھ اقتدار پر قابض ہوتے رہے ہیں کہ وہ ملکی سیاست سے بدعنوانی ورشوت ستانی کا خاتمہ کرنے اٹھے ہیں، لیکن اقتدار سنبھالنے کے بعد ہر بار وہی مکروہ کھیل دہرایا جاتا ہے..... یعنی پہلے سرکاری خزان سے بھاری رشوتیں دے دے کر سیاست دانوں کی وفاداریاں خریدی جاتی ہیں اور پھر ارکان پارلیمان کی غالب اکثریت کو اپنے ساتھ ملا کر ایک نئی آئینی ترمیم منظور کی جاتی ہے جس کے ذریعے حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کو ہر قسم کی عدالتی کارروائی اور جواب دہی سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں لوٹ مار اور فساد و بگاڑ کا

ایک نیا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس کے خاتمے کے لیے جلد ہی کوئی دوسرا نجات دہندہ اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے۔" (ص ۱۸۲)

لیکن واضح ہے کہ یہ اصل سوال کا جواب نہیں۔ سوال یہ تھا کہ اس سارے بگاڑ کی ذمہ داری حکمران طبقات پر عائد ہوتی ہے یا دستور پر؟ مولف کو جواب میں یہ بتانا چاہیے تھا کہ دستور کی فلاں فلاں شقیں ہیں جو حکمرانوں کے مذکورہ طرز عمل کو جواز یا تائید فراہم کرتی ہیں، جبکہ معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ مولف نے دستور میں جن خرابیوں کی نشان دہی کی ہے، ان کے اپنی جگہ قابل توجہ ہونے کے باوجود اس بگاڑ کے ساتھ ان کا براہ راست کوئی تعلق نہیں جس کی منظر کشی مولف نے کی ہے۔
مولف کے سارے زور بیان کے باوجود حقیقت حال یہی ہے کہ پاکستان میں اصل مسئلہ دستور یا آئین کا نقص نہیں، بلکہ قوم کا فکری و نظریاتی انتشار اور حکمران طبقات بلکہ تمام کے تمام طبقات کی غلط اور مفاد پرستانہ ترجیحات ہیں۔ مولف نے دستور میں جتنی خرابیوں کی نشان دہی کی ہے، اگر مقتدر طبقات کا فکری قبلہ درست ہو جائے تو ان خرابیوں کو درست کرنے کا داعیہ از خود بیدار ہو جائے گا۔
مولف لکھتے ہیں:

"دستور پاکستان کے مطالعہ سے مجھ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ یہ دستور کچھ ایسے مکر وفریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدہ بھی ہو جائے، لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔" (ص ۲۶)

مولف کی اس تنقید سے واضح ہے کہ وہ پاکستان میں دستوری اور قانونی سطح پر اسلامائزیشن کی پوری جدوجہد اور اس کے مختلف مراحل سے بالکل ناواقف ہیں۔ غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اوپر بیٹھی ہوئی کسی طاقت نے عوام اور علما کو دھوکہ دینے کے لیے دستور

میں کچھ اسلامی قسم کی باتیں اس انداز سے لکھ دی تھیں کہ لوگ مطمئن ہو جائیں کہ یہ ایک اسلامی مملکت ہے، لیکن عملاً اسلام نافذ نہ ہو سکے اور چونکہ دستور بنانے والوں کی نیت اور عزائم میں کھوٹ تھا، اس لیے دستور میں جان بوجھ کر ایسے نقائص رکھ دیے گئے جو اسے حقیقت کے اعتبار سے ایک 'کفریہ' دستور بنا دیتے ہیں۔ اب جو شخص بھی دستور کی اسلامائزیشن کی تاریخ سے واقف ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ مولف کی اس تنقید کو (جو بالبداہت ایک سطحی اور جذباتی تنقید ہے) درست مانا جائے تو اس کی زد میں براہ راست پاکستان وہ چوٹی کی مذہبی قیادت آتی ہے جو دستور سازی کے مختلف مراحل میں شریک رہی اور ان کے اتفاق اور جدوجہد سے ہی پاکستان نے دستوری اعتبار سے ایک اسلامی مملکت کا تشخص حاصل کیا۔ یہی معاملہ قوانین کا ہے۔ ریاست پاکستان کو انگریزی دور کا قانونی ڈھانچہ وراثت میں ملا تھا اور علی الفور اس کی جگہ ایک متبادل قانونی ڈھانچہ کھڑا کر دینا نہ قابل عمل تھا اور نہ مطلوب، چنانچہ قوانین کی اصلاح کے لیے تدریج کا طریقہ اختیار کیا گیا اور مختلف مراحل پر بعض اہم شعبوں میں قوانین کی اسلامائزیشن کے میدان میں قابل لحاظ پیش رفت سامنے آئی۔ تاہم ظاہر ہے کہ اس سارے عمل میں بہت سے نقائص اب بھی موجود ہیں۔

مولف کی تصنیف کا اصل مقصود کیا ہے؟

اب اگر دستور اور قانون کی ساری غیر شرعی خامیوں پر مولف کی پوری تنقید کو من وعن درست مان لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مذہبی طبقے کی اب تک کی ساری جدوجہد کے باوجود دستور اور قانون میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو شریعت کے مکمل نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ تنقید اس حد تک ہوتی تو وہ بجا بھی ہوتی اور اس کا وزن بھی محسوس کیا جاتا، لیکن مولف کا اصل مقصد چونکہ ریاست پاکستان کے خلاف

خروج کا شرعی جواز ثابت کرنا ہے، اس لیے وہ مجبور ہیں کہ نہ صرف دستور کو سرے سے ایک 'کفریہ' دستور قرار دے دیں بلکہ اس کی ترتیب وتدوین میں شریک اعلیٰ ترین مذہبی قیادت کے خلوص اور نیک نیتی پر بھی حملہ آور ہوں اور دستور کی اسلامائزیشن کی اس ساری جدوجہد پر دھوکے اور فریب کا لیبل چسپاں کر دیں۔

مولف کی افغانستان کے حوالے سے پاکستان کی پالیسی کے متعلق غلط بیانی:

مولف نے افغانستان پر امریکی حملے کے حوالے سے پاکستان کی ریاستی پالیسی اور خاص طور پر پاکستانی فوج کے کردار کا بھی بالکل یک رخا اور نہایت جانب دارانہ تجزیہ کیا ہے اور چونکہ وہ ایک غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ جنگ کے ایک فریق کی حیثیت سے اپنا موقف بیان کر رہے ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ انھیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مولف کے لیے یہ الزام لگانا بہت آسان بھی ہے اور ان کے مفاد کا تقاضا بھی کہ پاکستانی فوج اس ''صلیبی جنگ'' میں مکمل طور پر امریکا کی آلہ کار بن چکی ہے، لیکن حالات وواقعات پر نظر رکھنے والے کوئی بھی غیر جانب دار مبصر اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ پاکستانی فوج نے امریکا کو لاجسٹک سپورٹ دینے یا قبائلی علاقوں کے آپریشن میں سے کوئی بھی فیصلہ خوش دلی اور آزادانہ اختیار کے ساتھ نہیں کیا۔ ان فیصلوں کی غلطی کتنی ہی سنگین اور نتائج کے لحاظ سے کتنی ہی تباہ کن کیوں نہ ہو، عملی محرکات کے لحاظ سے یہ صرف اور صرف حالات کے جبر کے تحت کیے گئے فیصلے تھے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہماری خفیہ ایجنسیاں شروع سے اب تک کسی نہ کسی انداز میں افغانستان میں جا کر طالبان کی حمایت میں لڑنے والوں کو سہولیات فراہم کر رہی ہے اور ایسے بہت سے قبائل کے ساتھ جو افغانستان کی جنگ میں عملاً

شریک ہیں لیکن ریاست پاکستان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے، فوج اور ریاست کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ اور اس بات کا اقرار خود امریکہ بھی جا بجا کرتا ہے کہ پاکستانی اداروں نے ہم سے دھوکا کیا اور اندکھاتے مجاہدین کا ساتھ دیا۔ پاکستان کی ریاستی و عسکری پالیسی کے نقائص اپنی جگہ ناقدانہ تجزیے کے مستحق ہیں اور خاص طور پر ان میں پایا جانے والا دوغلا پن اور جنگی اخلاقیات کی پامالی کسی بھی لحاظ سے تائید کی مستحق نہیں، لیکن مولف کو پاکستانی ریاست اور فوج کے کردار پر انگلی اٹھانے سے پہلے خود اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ انھوں نے مسلمان ملکوں کی ریاست، فوج اور عوام کو کشت و خون کی جس دلدل میں لا پھنسایا ہے، اس پر اسلام اور مسلمان دوستی کا آخر کون سا تمغہ ان کے سینے پر سجایا جائے؟

مولف اور اس قبیل کے عناصر کی اب تک کی ساری جہد و کاوش کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ مسلم معاشرے کی تائید اور ہمدردی حاصل کرنے کے لیے نعرہ تو بلند کرتے ہیں اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے کا، لیکن حکمت عملی ایسی اختیار کرتے ہیں کہ ان کی سرگرمیوں، جدوجہد اور تباہ کاریوں کا سارا رخ خود مسلم معاشروں کے داخلی نظام اور ڈھانچے کی طرف ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایک طرف امت کی مشکلات کے حل میں کوئی کامیابی نہیں ہوتی اور دوسری طرف خود مسلم معاشرے بھی اس طرز فکر کو عمومی تائید فراہم نہیں کرتے تو اس سے ایک نفسیاتی فرسٹریشن پیدا ہوتی ہے جس کا اظہار مسلم حکمرانوں اور بارسوخ فکری طبقات کی تکفیر اور عام مسلمانوں کی کم سے کم تفسیق اور تنفیق کے فتووں کی صورت میں اور جہاں موقع ملے، ان کے خلاف مسلح جدوجہد کی شکل میں ہوتا ہے۔ جذباتی لفاظی اور الفاظ کی ملمع سازی سے صرف نظر کر لیا جائے تو انکا اب تک کا نامہ اعمال اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نے ”جہاد“ کے نام کچھ ایسے کارنامے انجام دیے جس کے نتیجے میں پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی نہایت منفی تصویر ابھری۔ افغانستان میں جب گھیرا تنگ ہونے پر ان عناصر نے

پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں آپناہ لی۔ یوں اپنے وجود اور حرکتوں سے اس علاقے کے مسلمانوں کو بھی شدید مشکلات و مصائب کا نشانہ بنادیا۔ اور اب امت مسلمہ کے مفاد میں یہ ساری ''خدمات'' انجام دینے کے بعد ان کی نظر کرم پاکستان پر ہے اور وہ یہاں کے عوام اور اہل علم کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ وہ پاکستان کے امن وامان اور ریاستی و حکومتی ڈھانچے کو تباہ کرنے کے اس ''کار خیر'' میں ان کا ہاتھ بٹائیں تاکہ عراق اور افغانستان کی طرح امریکہ اور عالمی طاقتوں کو یہاں بھی گھس آنے کا موقع ملے اور یوں ''مجاہدین'' امت مسلمہ کی سربلندی کا ایک اور کارنامہ اپنے نامہ اعمال میں درج کرا سکیں۔ انا للہ وانا علیہ راجعون

اس غلط طرز فکر کا مقصد:

یہ طرز فکر اور حکمت عملی دراصل ایک خاص ذہنی رویے کی پیداوار ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری غیرت وحمیت نے اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے جو حکمت عملی ہمیں سجھادی ہے، وہ باقی ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور خطا کے امکان سے کلیتاً مبرا ہے۔ چنانچہ اگر طالبان کی حکومت کو اس کی بھینٹ چڑھایا جاسکتا ہے جو دنیا کی واحد حکومت تھی جس نے ساری دنیا کی مخالفت مول لے کر القاعدہ کی قیادت کو اپنا مہمان بنار کھا تھا تو پاکستان کے دستور کے اسلامی تشخص کی بیک قلم نفی کر دینا کیا معنی رکھتا ہے، بھلے پاکستان کی مذہبی قیادت ساٹھ سال سے اسے قائم رکھنے کے لیے مسلسل اور ان تھک جدوجہد کر رہی ہو اور چاہے اسے پاکستان میں مذہبی طبقات کی سیاسی جدوجہد کے تنہا حاصل کی حیثیت حاصل ہو۔ کسی فرد یا گروہ نے عملاً کسی میدان میں جدوجہد کر کے کوئی مقصد حاصل نہ کیا ہو تو اسے اس کی واقعی قدر و قیمت کا احساس نہ ہونا ایک قابل فہم بات ہے، لیکن اس فکر کی ذہنی کیفیت 'عدم احساس' سے کہیں آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ دوسرے مذہبی طبقات کی محنت اور جدوجہد کے ہر اس حاصل کو قربانی کی بھینٹ چڑھا دینے کو عین دین وشریعت کا تقاضا تصور کرتی ہے جو اس کی حکمت عملی سے ہم آہنگ نہ ہو۔

مولف کی پاکستانی جمہور اہل علم کی رائے کی مخالفت پر تبصرہ:

مولف کے بعض جملوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کا ذہن اس پہلو کی طرف کم از کم متوجہ ضرور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کو ایک کفریہ ریاست قرار دینے کے ضمن میں اپنے موقف پر، جو یہاں کے جمہور اہل علم سے مختلف ہے، انھوں نے خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ:

”مصنف ان سب حضرات کی رائے کو وزن کیوں نہیں دیتے اور اسے کیوں نہیں اپناتے ؟ خصوصاً جبکہ پاکستانی نظام کو غیر شرعی قرار دینے کے نتیجے میں تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اٹھنے کا امکان ہے جس سے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں حاصل ہو گا۔“ (ص ۱۸۱)

تاہم سوال اٹھانے کے بعد وہ اس خاص پہلو کا براہ راست کوئی جواب نہیں دیتے اور ہمارے خیال میں خود سوال اٹھا کر جواب میں خاموشی اختیار کر لینا بڑا معنی خیز ہے بلکہ بجائے خود ایک واضح جواب کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ان کے فلسفے کے مطابق تو ”تشدد، تصادم اور فتنوں کی آگ بھڑک اٹھنے“ میں ہی امت کی نجات پوشیدہ ہے اور اس سے ”تباہی و بربادی کے سوا“ بھلے کچھ حاصل نہ ہو، ”فریضہ جہاد“ کا احیا تو بہر حال ہو ہی جائے گا! اس ذہنی رویے پر ان کی خدمت میں اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ

ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو!

دستور پاکستان کی بنیادی اسلامی شقیں:

اب ہم یہاں دستورِ پاکستان کی بنیادی شقوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جن سے یہ طبقہ صرف نظر کئے ہوئے ہے اور بے لگام تکفیر کے گھوڑے دوڑانے میں مصروف عمل ہے:

1۔ آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۲ کی رُو سے اسلام، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ریاستی مذہب ہے۔

2۔ آرٹیکل ۲۲۷ کے مطابق پاکستان میں کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جا سکتا جو قرآن و سنت سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ یہ آرٹیکل یہ بھی کہتا ہے کہ اگر موجودہ قوانین قرآن و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے تو اُنہیں قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جائے گا اور مطابقت پیدا کی جائے گی۔

3۔ آرٹیکل ۴۱ کے مطابق صدر کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ہے، پھر قراردادِ مقاصد جسے اب آئین کے قابلِ تنفیذ آرٹیکل (۲/اے) کا درجہ حاصل ہے، بے حد وضاحت سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان کرتی ہے۔ یہ سب باتیں معروف ہیں، البتہ آئین میں صدرِ پاکستان کے عہدے کے لیے جو حلف کی عبارت دی گئی ہے، اُس کا تذکرہ کم کم ہوتا ہے۔ اس عبارت میں جہاں حلف لینے والے صدر کو توحیدِ باری تعالیٰ اور قرآنِ مجید کو آخری الہامی کتاب اور حضرت محمد ﷺ کی ختمِ نبوت اور یومِ آخرت پر ایمان کا اقرار کرنا پڑتا ہے، وہاں قرآنِ

مجید کے ’تمام تقاضوں اور تعلیمات‘ پر عمل پیرا ہونے کا بھی حلف اٹھانا پڑتا ہے۔ ’تمام تقاضے اور تعلیمات‘ کے اندر سب کچھ آجاتا ہے۔

مختصراً یہ ہے کہ آئینِ پاکستان کی رُو سے بھی قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہے۔

بانی پاکستان کے چند فرمودات:

جہاں باقی دلائل سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان کا دستور اور اساس کفریہ نہیں بلکہ اسلامی ہے، وہیں ہم پاکستان کے بانی محمد علی جناح کے ارشادات کے چند اقتباس پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کا پاکستان کی بنیاد اور اساس کے بارے موقف بالکل دوٹوک ہو جائے کہ آیا پاکستان کو دو قومی نظریے اور بطور اسلامی مملکت کے حاصل کیا گیا تھا یا پھر کافروں کے نظام کو چلانے کے لیے، (جیسا کہ مولف نے بار بار اس کا ذکر کیا)۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پاکستان میں کافروں کا نظام چلانے کے لیے کیا الگ ملک بنانا ضروری تھا یا پھر کافروں کے ساتھ رہ کر یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے ہو سکتا تھا؟ للعجب

اس موضوع پر مصورِ پاکستان، حکیم الامت علامہ محمد اقبال اور بانیِ پاکستان محمد علی جناح کے کئی ایک ارشادات ریکارڈ پر ہیں جن سے ہم با آسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ پاکستان کے قیام کا مقصد کیا تھا؟۔ قائد اعظم کے درجنوں بیانات تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں۔

1۔ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے، قائد اعظم الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں نواب سر محمد یوسف کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ وکلا کا ایک وفد ملاقات کے لیے آیا۔ وہاں یہ مکالمہ ہو:

ارکانِ وفد : پاکستان کا دستور کیسا ہو گا؟... کیا پاکستان کا دستور آپ بنائیں گے ؟

قائداعظم : پاکستان کا دستور بنانے والا مَیں کون ہوں؟ پاکستان کا دستور تو تیرہ سو سال پہلے ہی بن گیا تھا۔

2۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۴۴ء کی بات ہے۔ کھانے کی میز پر راولپنڈی مسلم لیگ کے صدر محمد جان بیرسٹر نے پوچھا: سر! آپ جو پاکستان بنانا چاہتے ہیں، اس کا دستور کیا ہو گا؟

قائداعظم: یہ تو اس وقت کی دستور ساز اسمبلی کا کام ہے۔ مَیں کیا بتا سکتا ہوں؟

محمد جان : اگر ہم فرض کر لیں کہ آپ کی موجودگی میں پاکستان بنتا ہے اور آپ اس ملک کے سربراہ ہیں تو پھر دستور کی حیثیت کیا ہو گی؟

قائداعظم: ''اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کے پاس تیرہ سو سال سے دستور موجود ہے۔''

3۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: ''مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیسا ہو گا؟ پاکستان کا طرزِ حکومت متعین کرنے والا مَیں کون؟ یہ کام پاکستان کے رہنے والوں کا ہے اور میرے خیال میں مسلمانوں کے طرزِ حکومت کا آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآنِ حکیم نے فیصلہ کر دیا تھا۔''

4۔ ۱۹۴۵ء میں ممبئی میں عید الفطر کے موقع پر آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
''مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآنِ پاک غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔''

5۔ ایک اور جگہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”مَیں نے قرآنِ مجید اور قوانینِ اسلامیہ کے مطالعے کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا رُوحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی پہلو ہو یا معاشی، غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے اِحاطہ سے باہر ہو۔ قرآنِ کریم کی اُصولی ہدایت اور طریقِ کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہے بلکہ اسلامی حکومت، غیر مسلموں کے لیے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ دیتی ہے، اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔ “

6۔ مسلمانانِ پشاور کے عظیم اجتماع میں ۲۶/ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم نے جو بیان دیا، وہ بے حد جامع اور ہمارے لیے راہنمائی کے اُصول فراہم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور فرمائش کا مرجع اللہ کی ذات ہے جس کے لیے تعمیل کا مرکز ’قرآنِ مجید‘ کے اَحکام اور اُصول ہیں۔ اسلام میں نہ اصلاً کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارے کی، قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ ’اسلامی حکومت‘ دوسرے الفاظ میں ”قرآنی اُصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ ،،

7۔ ایک اور موقع پر کہا: "اس وقت میدان سیاست میں ہندو مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کون فتح یاب ہو گا؟ علم غیب خدا کو ہے لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علی الاعلان کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر شیوۂ صبر و رضا پہ کاربند ہوں اور اس ارشاد خداوندی کو کبھی فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں

تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتیں مل کر بھی مغلوب نہیں کر سکتیں۔ ہم تعداد میں کم ہونے کے باجود فتح یاب ہونگے اور اسی طرح فتح یاب ہونگے جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران وروم کی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔" (حیدر آباد دکن میں جلسۂ عام سے خطاب 11 جولائی 1946ء)

8۔ ایک اور موقع پر کہا: "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنۂ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات واصولوں پر رکھیں(" شاہی دربار، سبی بلوچستان میں خطاب 14 فروری 1948ء)

9۔ یادرکھیے کہ پاکستان کا قیام ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے اور اگر ہم نے دیانت داری، تن دہی اور بے غرضی کے ساتھ کام کریں تو یہ بھی سال بہ سال شاندار ترقی کرتی رہے گی۔ مجھے عوام پر کامل بھروسہ ہے اور یقین ہے کہ ہر موقع پر وہ اسلام کی تاریخ، شان وشوکت اور روایات کے مطابق عمل پیرا ہونگے۔ (پاکستان کی پہلی سالگرہ 14 اگست 1948ء پر محمد علی جناح کا بیان)

حرف آخر

آخر میں ہم ان تمام نوجوانان کو نصیحت کرتے ہیں جو پاکستان کو ہی ہر وقت کوستے رہتے ہیں، کہ بے شک پاکستان میں سو فیصد اسلامی نظام نہیں ہے، ابھی بھی نظام میں بہت سے بہتریاں ہونی ضروری ہیں، لیکن ان سب کے باوجود بھی اگر آپ پوری دنیا پر نظر دوڑا کر دیکھیں آپ کو کوئی ایسا ملک نظر نہیں آئے گا جس کو ختم کرنے کے درپر پوری کافر قوتیں اس قدر اکھٹی ہوں، اور جتنی آزادی اسلام کے ارکان پر عمل کرنے کی پاکستان میں ہے یقیناً دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جہاد جیسے عظیم فریضے کے سب سے زیادہ پشتی بان بھی آپ کو پاکستان میں ہی ملیں گے، جیسا کہ مقدمے میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

آئیں پاکستان کی قدر کریں، اس کی خامیوں کو درست کر کے اپنے اس ملک کو پوری ملت اسلامیہ کے لیے رہنما ریاست بنائیں۔ اللہ آپکا حامی وناصر ہو۔

وآخردعوانا ان الحمداللہ رب العالمین

باب ششم:

کفار سے تعاون

کی شرعی حیثیت اور فتنہ تکفیر

الشیخ ابو عبد الرحمن احسن حفظہ اللہ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ والصلاۃوالسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن اتبع ھداہ، وبعد

دنیا کی ابتداء سے ہی اللہ کو ماننے اور نا ماننے والے موجود رہے ہیں، اور ان دونوں قسم کے افراد کا ایک دوسرے سے ہمیشہ کسی نا کسی صورت میں واسطہ پڑتا ہی رہا ہے۔ جہاں ان دونوں گروہوں میں حد درجے تک شدت اور مخالفت موجود رہی ہے وہیں انسانیت کے ناطے ایک دوسرے کے احساس اور ہمدردی کا عنصر بھی ان میں موجود رہا ہے۔ اللہ کو نا ماننے والوں کو عموماً غیر مسلم جبکہ ماننے والوں کو مسلمان کہا جاتا رہا ہے۔ غیر مسلم تو اپنی زندگی میں جو بھی کرتے رہیں، جس قدر بھی اچھے کام کرتے رہیں، چاہے وہ مسلمانوں کی ہی خیر خواہی کرتے رہیں، لیکن جب تک وہ کلمہ نہیں پڑھ لیتے تب تک انہیں ان کے اچھے کام کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ لہذا وہ جو بھی فعل کرتے رہیں ہمیں ان کی قبولیت یا عدم قبولیت کی بحث میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری طرف اہل اسلام کا گروہ ہے، جو بسا اوقات کفار پر رحمدلی، احسان، تالیف قلب یا خیر خواہی کے طور پر ان سے تعاون اور لین دین کرتا ہے اور بعض اوقات کسی لالچ، خوف، اکراہ یا جہالت کی وجہ سے ان کفار کے ساتھ لگاؤ اور تعاون کرتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں اس پہلو کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ دوستی اور دشمنی کا معیار کیا ہونا چاہیئے اس کے علاوہ کفار کے ساتھ تعاون کی کون کون سی اقسام ہیں اور کن اقسام کے تعاون کرنے کی شریعت میں اجازت ہے

اور کن کی ممانعت؟اس کے علاوہ دور حاضر میں کفار سے تعاون کی آڑھ میں مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے کے خلاف جو محاز آرائیاں کھڑی کی گئیں ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ان تمام پہلوؤں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مخالفین کی طرف سے پیش کئے گئے دلائل اور ان کا مدلل جواب بھی کتاب ہذا میں دیا گیا ہے۔اس کتاب میں جو بھی خوبی اور اچھائی ہے وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہے،اور جو کمی کو تاہی ہے وہ بندئے ناچیز کی طرف سے ہے۔اللہ اس کاوش کو قبول فرمائے،اسے حق کی نصرت کا ایک ذریعہ اور مسلمانوں کے لیے بیداری کا ایک وسیلہ بنائے اوراس صدقہ جاریہ کو مصنف کی جنت میں جانے کی سبیل بنادے۔

آمین یارب العالمین

الھم ارنا الحق حقاوالرزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا

والرزقنااجتنابہ!الھم ارنا الاشیاکما ھی

ابو عبدالرحمٰن

8 رجب 1435

دوستی دشمنی کا معیار

"ایمان کی سب سے مضبوط کڑی اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی، اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے نفرت ہے"

(سلسلۃ الصحیحۃ:958،1728)

اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ کے لئے بغض رکھا، اللہ کے لئے دیا اور اللہ کے لئے ہی روکا تو اس نے ایمان کو مکمل کر لیا"

(سنن أبي داؤد:4681)

یعنی کسی کے ساتھ محبت ہو تو اللہ کیلئے اور کسی سے ناراضگی ہو تو اللہ کیلئے یہی وہ اسلامی اصول ہے جس کی بناء پر مسلمان ایک دوسرے کیلئے رحما بینهم (شیر وشکر) جبکہ أشدآء علی الکفار (کفار کے خلاف سخت ہیں) کی عملی تصویر ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس چیز کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"تین خوبیاں ایسی ہیں جس میں وہ پائی گئیں اس نے ایمان کی مٹھاس کا (مزا) چکھ لیا۔"

آدمی کی ساری کائنات سے بڑھ کر محبت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہو اور وہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کی رضا کیلئے اور اس کو اسلام سے ایسی پختہ محبت ہو کہ اس کو اسلام چھوڑ کر کفر میں جانا اس طرح ناپسند ہو جس طرح (آگ سے بچنے کے بعد) دوبارہ آگ میں جانا ناپسند ہے۔ (البخاری:16، المسلم:43)

اور اہل ایمان سے دوستی و محبت اور اہل کفر سے نفرت کے بارے میں متعدد آیات قرآنی موجود ہیں۔

”اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس ان کے درمیان صلح کروادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے“

(الحجرات:10)

”مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں“

(سورۃ التوبۃ :71)

اور ایک اور مقام پر فرمایا:

”تمہارا دوست صرف اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان ہیں“

(المائدۃ:55)

اور کفار سے نفرت کے بارے فرمایا:

”اے ایمان والو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضاجوئی کے لیے نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستہ سے بہک گیا۔“ (الممتحنۃ:1)

مزید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس اہل ایمان، اہل ایمان کو چھوڑتے ہوئے کافروں کو دوست نہ بنائیں“

(آل عمران:28)

خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی سیرت جس میں مسلمانوں کے لیے ایثار و قربانی اور رشتہ دار کفار کے لیے نفرت کے واقعات مسلمان کے لیے ایک عظیم نمونہ ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک انسان کو بحثیت مسلمان اپنی ہر قسم کی محبت و عقیدت اور تعاون مسلمان سے رکھنا چاہیے اور کفار سے نفرت و بغض اپنی زندگی کا دستور بنانا چاہئے۔

جس طرح حدیث میں ہے:

”مؤمن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے“

(البخاری:481،المسلم:2585)

اور دوسری حدیث میں فرمایا:

”مؤمنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے آرامی اور بخار سے پریشان رہتا ہے۔“

(البخاری:6011،المسلم:2586)

لیکن یہاں پر مسئلہ ہذا کا ایک یہ پہلو بھی قابل غور ہے۔ کہ مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ کفار کا معاون و مدد گار بنے بالخصوص مسلمانوں کے خلاف۔ اور اس بارے کتاب و سنت میں وارد دلائل بھی روز روشن کی طرح ہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو کوئی اختلاف ہے اور نہ ہی ہونا چاہیے البتہ قابل فہم بات تو یہ ہے کہ یہ تعاون کس صورت میں مسلمان کو گنہگار بناتا ہے اور کس صورت میں اسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے؟

کفار سے تعاون کی اقسام

- رشتہ دار کفار سے تعاون
- مصیبت زدہ کفار سے تعاون
- خوف کی وجہ سے کفار سے تعاون
- غیر حربی کفار سے تعاون
- حربی کفار سے تعاون

رشتہ دار کفار سے تعاون:

جہاں اللہ تعالیٰ نے کفار سے برات اور ان سے بغض کے احکام نازل کئے ہیں وہیں ایسے کفار جو کسی مسلمان کے رشتے دار ہوں، خصوصا والدین، تو ایسے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

[وصاحبهما فى الدنيا معروفاً]

(لقمان:15)

"دنیا میں ان (مشرک والدین) کے ساتھ اچھی گزر بسر کرنا"

مصیبت زدہ کفار سے تعاون کا حکم

اسلام انسانیت کا درس دیتا ہے جس میں کفار تو دور کی بات مصیبت زدہ جانور پر بھی رحم کرنے پر زور دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک گنہگار عورت نے ایک پیاسے کتے پر رحم کرتے ہوئے اس کو پانی پلایا تو اسلام نے اس کے عمل کو اس قدر پسند کیا کہ اس کو جنت کی بشارت دے دی۔ لہذا مسلمانوں کے علاوہ باقی مخلوق کے ساتھ مصیبت کے وقت تعاون کرنا نا صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں اپنی زندگی میں 87 جنگیں لڑیں، وہیں جب کفار کے کسی گروہ پر کوئی قحط یا مصیبت آتی تو آپ

ﷺ انہیں ہر ممکن مدد فراہم کرتے۔ جیسا کہ اہل مکہ (جنہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بے شمار جنگیں لڑیں لیکن جب ان پر قحط آیا تو آپ ﷺ نے انہیں غلے کی کثیر مقدار امداد کے طور پر مہیا کی۔ اور امت مسلمہ کے لیے یہ رہنمائی فرمادی کہ جب بھی کسی مصیبت زدہ کو پاؤ اس کی مدد کرو۔

بالکل اسی طرح جیسے آج کل غیر مسلم ممالک میں کوئی مصیبت یا آفت آجاتی ہے تو ان کی مدد کرنا ضروری ہے، جیسا کہ سیرت النبی ﷺ کی تعلیمات ہیں۔

شبہ 1:

بعض حضرات یہ شبہ پیدا کرتے ہیں کہ کفار کے ممالک میں آنے والی مصیبت، طوفان یا زلزلہ اللہ کی عذاب کی شکلیں ہوتیں ہیں، لہذا جن پر اللہ کا عذاب ہو ان کی مدد کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔

ازالہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس خود ساختہ اصول کی شرعی دلیل کیا ہے؟ کیونکہ نہ یہ اصول ہمیں نبی ﷺ کی سیرت سے ملتا ہے اور نہ ہی کسی صحابی کی سیرت سے، البتہ غیر مسلم تو کجا جانوروں پر رحم کا درس ضرور ملتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہی اصول اپنالیا جائے تو پھر دنیا کے کسی کونے میں بھی فلاح انسانیت یا خدمت خلق کا کام نہ ہوسکتے، کیونکہ غیر مسلم ممالک کی بات تو بعد میں کریں گے پہلے کشمیر بلوچستان میں آنے والے زلزلے، کو ہی لے لیں۔ حالانکہ زلزلوں کے آنے کی وجہ

بھی قرآن نے یہی بتائی ہے کہ یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ہی آتے ہیں۔(الاعراف:155،العنکبوت:37)

لیکن ان جگہوں پر خدمت خلق اور فلاح انسانیت کا کام کرنے والوں کے خلاف کسی نے کوئی فتوی پیش نہیں کیا۔ کیا یہ اللہ کے عذاب کا شکار لوگ نہیں تھے؟ پھر ان کی مدد کیوں کر جائز ہو گئی؟

اسی طرح جنوبی پنجاب اور سندھ میں سیلاب کی مصیبت جس میں لاکھوں افراد متاثر ہوئے۔ اور ان میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ سندھ کے سیلاب میں تو متاثرین کی اکثریت غیر مسلموں کی تھی۔ لیکن ان کی مدد کرنے اور فلاح کا کام کرنے کے خلاف کسی نے فتوی نہیں دیا۔ کیا یہ کافر اور بیرون ممالک کے کافر مختلف ہیں؟

شبہ 2:

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصیبت زدہ غیر حربی کفار کے ساتھ تعاون کرنا تو جائز ہے، لیکن حربی کفار پر جب کوئی مصیبت آئے تو ان سے تعاون کرنا جائز نہیں، کیونکہ جو ممالک مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں جب ان پر مصیبت آتی ہے تو ان کی مدد کرنا ان کی ڈوبتی ہوئی معیشت کا سہارا دینے والی بات ہے۔ لہذا ایسے موقعے پر ان کفار کی مدد کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔

ازالہ:

وہ تمام ممالک جو مسلمانوں سے کسی نا کسی محاذ پر جنگ کی حالت میں برسرپیکار ہیں، ان ممالک میں بہت سے مسلمان بھی رہتے ہیں اس کے علاوہ بہت سے ایسے کفار بھی رہتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف کسی قسم کی جنگ کے خلاف ہیں اور امن سے رہنا پسند کرتے ہیں، اس کے علاوہ انسان کے علاوہ باقی جاندار بھی موجود ہوتے ہیں۔ جب ان ممالک میں کوئی ایسی مصیبت یا آفت آتی ہے تو سب انسانوں اور جانداروں کو ایک ہی کیٹگری میں نہیں رکھا جائے گا، لہذا ایسے ممالک میں بھی مصیبت زدہ کی مدد کرنا جائز ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ.

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے.

(سورۃ الممتحنۃ)

اسی طرح نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کی قحط میں اس وقت مدد کی جب وہ مسلمانوں کے برسرپیکار تھے۔

لما منع ثمامة بن آثال- سيد بني حنيفة- حمل الحنطة إلى مكة بعدما أسلم، جهدت قريش وكتبوا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يسألونه أن يكتب إلى ثمامة يخلّي إليهم حمل الطعام، ففعل رسول الله صلى الله عليه وسلم (الرحیق المختوم، زاد المعاد: ج1؛ ص377)

نبی مکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں مکہ والے مسلمانوں پر بار بار حملے کرتے تھے لیکن جب وہاں قحط کی صورتحال پیدا ہوئی تو رسول معظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسلمانوں کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر وہاں غلہ پہنچانے کا حکم دیا۔

کیا، اہل قریش میں گستاخ رسول نہ تھے؟

حربی کفار نہ تھے؟

مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والا نہ تھے؟؟؟

مگر پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ نے ان مشرکین کی قحط جیسے انسانی المیے میں مدد کی۔

خوف کی وجہ سے کفار سے تعاون

امام شنقیطی المالکی فرماتے ہیں کہ اگر دشمن کے خوف کے سبب سے کوئی مسلمان ان سے دوستی کا اظہار کرے تو یہ جائز ہے۔

وہ'يأيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء ' کے تحت لکھتے ہیں:

"وبين فى مو ضع آخر : أن محل ذلک،فيماا ذا لم تكن الموالاة بسبب خوف وتقية ون كانت بسبب ذلک فصاحبها معذور وهو

قولہ تعالی : لاَ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلاَّ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاة."

(أضواء البيان : المائدة)

"ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ یہود و نصاری سے یہ دوستی کسی خوف یا بچاؤ کے سبب سے نہ ہو' اور اگر یہود و نصاری سے دوستی اس سبب (یعنی خوف یا ان کی اذیت سے بچاؤ) کے تحت ہو تو ایسا شخص معذور ہے اور اللہ سبحانہ و تعالی کا قول ہے: "پس اہل ایمان' اہل ایمان کو چھوڑتے ہوئے کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی بھی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم (یعنی اہل ایمان) ان کافروں (کی اذیت) سے بچنا چاہو کچھ بچنا"۔

امام نسفی الحنفی نے بھی یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(اِلاَّ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاة) الا أن تخافوا من جهتهم أمرا يجب اتقاؤه أى إلا أن يكون للكافر عليک سلطان فتخافه على نفسک ومالک فحينئذ يجوز لک ا ظهار الموالاة وابطان المعاداة."

(تفسیر نسفی: آل عمران)

'الا أن تتقوا منهم تقاة' کا معنی یہ ہے کہ تمھیں ان کی طرف سے کسی ایسے امر کا اندیشہ ہو کہ جس سے بچنا لازم ہو یعنی یہ کہ کسی کافر کو تم پر غلبہ حاصل ہو اور تمھیں اس کافر سے اپنے جان اور مال کا خوف لاحق ہو تو اس وقت تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم کافر سے دوستی کا اظہار کرو اور اس سے دشمنی کو چھپالو۔ "

امام بیضاویؒ نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے کہ خوف کے وقت دشمن کافر سے تعلق

ولایت کا اظہار جائز ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"منع عن موالاتهم ظاهرا وباطنا فی الأوقات كلها إلا وقت المخافة فإن اظهار الموالاة حينئذ جائز."

(تفسیر بیضاوی: آل عمران:)'

'اللہ تعالیٰ نے جمیع حالات میں کفار سے ظاہری یا باطنی تعلق ولایت قائم کرنے سے منع فرمایا ہے سوائے خوف کی حالت کے' کیونکہ اس حالت میں کافر سے تعلق ولایت کا اظہار جائز ہے۔ "

کفار سے جنگ میں تعاون

کفار کے ساتھ اس قسم کا تعاون کرنا ہر گز جائز نہیں ہے۔ وہ کسی بھی وجہ یا عذر سے ہو، کفار سے جنگ میں تعاون کرنا گناہ ہے اور بعض اوقات کفار سے تعاون کرنا کفر اور ارتداد کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ لہذا کفار سے جنگ میں تعاون کرنا کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ذیل میں ہم کفار کے ساتھ جنگ میں تعاون کرنے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم بیان کرتے ہیں۔

i. کفار کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنا۔
ii. جنگ میں کفار کا کسی لالچ، مجبوری یا ڈر کی وجہ سے تعاون کرنا
iii. جنگ میں کفار کا تعاون اس وجہ سے کرنا کہ اسے ان کفار سے محبت ہو اور مسلمانوں سے نفرت یا اسلام سے بیزار ہو کر کفار اور کفر کا تعاون کرنا۔

کفار کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنا

کفار کے ساتھ اس طرح کا تعاون کسی صورت جائز نہیں ہے، بعض او قات ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔اور بعض او قات اس کا یہ فعل اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔اس کی دو صورتیں ہیں۔

1. کفر کو پسند کرتے ہوئے کفار کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنا
2. کسی مجبوری، خوف، لالچ یا جہالت کی وجہ سے کفار کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنا۔

کفر کو پسند کرتے ہوئے کفار کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے بارے احکام

ایسی صورت میں انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔کیونکہ جن نے بھی کفر کو پسند کرتے ہوئے اس کا ساتھ دیا اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے اور ایسی شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، قیدی بنایا جائے یا جو بھی سلوک حربی کفار کے ساتھ اپنایا جائے گا اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔اس کی مثال امریکہ اور انڈیا جیسے حربی کفار کی افواج میں شامل مسلمان ہیں جو کفر کو پسند کرتے ہوئے افغانستان، کشمیر، اور عراق میں مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔کیونکہ ان کے لیے فوج کے شعبے کے علاوہ کوئی دوسرا شعبہ بطور

پیشہ اختیار کرنے کی آزادی ہے، لیکن وہ پھر بھی فوج میں شامل ہوتے ہیں، اور فوج کے ایسے دستے کا حصہ بنتے ہیں جو خالصتاً مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو ایسے فوجیوں کا حکم ارتداد والا ہے۔ ان کو قتل کیا جائے گا یا ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو دوسرے کافر فوجیوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی ایسے کلمہ پڑھنے والے اور کلمہ نہ پڑھنے والے فوجیوں کے درمیان کسی معاملے میں کوئی فرق نہیں رکھا جائے گا۔

کسی مجبوری، خوف، لالچ یا جہالت کی وجہ سے کفار کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے بارے احکام۔

ایسے مسلمان جن کو کسی مجبوری، لالچ، خوف یا جہالت کی وجہ سے کفار اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں اور ان سے بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا کام لیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ان کو کفر ناپسند ہی ہوتا ہے اور مسلمانوں سے ہی محبت کرنے والے اور اسلام کے ہی چاہنے والے ہیں۔ لیکن وہ کسی بھی عذر کے تحت کفار کی صف کا حصہ بن جاتے ہیں۔ تو ایسے مسلمانوں کی تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن ان کے ساتھ باقی سلوک وہی کیا جائے گا جو دوسرے حربی کفار کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی اگر قتل کرنے کی ضرورت پڑے تو قتل کیا جائے گا، اگر قیدی بنانے کی ضرورت پڑے تو قیدی بنایا جائے گا اور اگر جزیہ لینے کی کیفیت درپیش ہو تو ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ یعنی کلمہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والوں میں صرف اتنا فرق رکھا جائے گا کہ کلمہ پڑھنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا، اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ باقی جنگی حکمت عملی کے تحت جو سلوک اس کے ساتھ رکھنا بہتر ہو وہی رکھا جائے گا۔

اس بات پر احادیث سے دلائل: اس کی مثال امریکہ اور انڈیا کی فوج افغانستان، کشمیر اور عراق کے علاقوں میں کسی مسلمان کو زبردستی پکڑتے ہیں اور اس کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہمیں مجاہدین کے ٹھکانے تک پہنچایا جائے، یا ہمارے ساتھ مجاہدین کے خلاف لڑو، ورنہ اس کی اور اس کے اہل خانہ کی مال، جان، اور حرمت کو پامال کرتے ہیں یا کوئی مسلمان چند پیسوں یا کسی دنیاوی لالچ کے پیش نظر ان فوجیوں سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دے، یا جاسوسی کر دے۔ یا یہ فعل جہالت میں کر دے کہ اس کو علم ہی نہ ہو کہ یہ مجاہدین کا ٹھکانہ ہے اور یہ آرمی والے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ تو ایسی تمام صورتوں میں حربی کفار کے ساتھ تو لڑا جائے گا ہی، لیکن ان کی صوں میں شامل ان کلمہ گو کے خلاف بھی لڑا تو جائے گا، ان کو قتل یا قید تو کیا جائے گا، لیکن ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں کتاب الجیاد میں موجود ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں نبی ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کفار کی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آئے تھے۔ ان کے ساتھ نبی ﷺ نے وہی سلوک کیا جو باقی کفار کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ کفر کو پسند کرتے اور اسلام سے بیزار ہو کر نہیں لڑنے آئے تھے، بلکہ لالچ کی وجہ سے آئے تھے لہذا نبی ﷺ نے ان کی تکفیر نہیں کی اور نہ ہی ان کو دوبارہ مسلمانوں کی صف میں شامل کرنے کے لیے کلمہ پڑھنے کا کہا۔

مزید یہ کہ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں یہ حدیث موجود ہے کہ غزوہ بدر میں کچھ مسلمان جو کہ مکہ میں رہ گئے تھے اور انہوں نے ابھی تک اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا،

وہ مکہ والوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تو ان میں سے کچھ دوران جنگ قتل کر دیئے تو ان لوگوں کی مذمت میں سورہ نسا کی آیت 94 اتری:

ترجمہ: "جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور شمار ہوتے تھے فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔" (النسا:94)

امام ابن تیمیہؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ: "علماء کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ اگر دوران جنگ کفار کسی مسلمان کو ڈھال بنائیں تو اس مسلمان کا قتل جائز ہے" (لیکن موانع تکفیر کے بغیر اس کی تکفیر کرنا جائز نہیں ہے)

(مجموع الفتاویٰ 28/239)

کفار کی جنگ میں مدد کرنا

اس قسم کے تعاون میں کفار کی صفوں میں شامل ہو کر لڑنے والی کیفیت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے علاوہ باقی ہر قسم کا تعاون ہوتا ہے۔ اس قسم کے تعاون کی بھی دو صورتیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام ہیں۔

- کفر کو پسند اور اسلام کو ناپسند کرتے ہوئے کفار کا جنگ میں تعاون کرنا

- کسی اکراہ، لالچ یا جہالت میں کفار کا جنگ میں تعاون کرنا

کفر کو پسند اور اسلام کو ناپسند کرتے ہوئے کفار کا جنگ میں تعاون کرنے کے بارے احکام

کفار کے ساتھ جنگ میں اس قسم کا تعاون کرنے والا شخص، ادارہ یا لشکر کافر اور مرتد ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔ لیکن یہ نہایت ہی حساس مسئلہ ہے کیونکہ اس میں آپ کسی کے دل کے حالات نہیں جانتے کہ وہ یہ تعاون کس بنیاد پر کر رہا ہے، لہذا اس قسم کا تعاون اصول وضوابط تکفیر کی کسوٹی سے گزارنے کے بعد ہی واضح ہو گا یا ہوتا ہے۔ محض ظن کی بنیاد پر کسی کے بارے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ، حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ اور حضرت حاتم بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے معاملوں میں کیا۔ آپ نے محض ان کو کفار کی صفوں یا کفار کی حمایت میں کھڑا دیکھ کر انکو ارتداد کی سواری پر نہیں بٹھایا بلکہ ان سے تحقیق کی، اصول تکفیر کا اطلاق کیا تو معاملہ واضح ہو گیا۔

کسی اکراہ (کراہت کی حالت میں)، لالچ یا جہالت میں کفار کا جنگ میں تعاون کرنے کے بارے احکام

ایسی حالت میں کفار کا جنگ میں ساتھ دینے والا گنہگار تو ضرور ہے، لیکن وہ کافر اور مرتد نہیں ہے۔ اس کی واضح مثال حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ کا فتح مکہ کے وقت کفار کو خط لکھ کر اہم معلومات کی صورت میں کفارِ مکہ کے ساتھ تعاون کرنا تھا۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا علی زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ روضہ خاخ نامی مقام پر ایک عورت سانڈھ پر سوار تمھیں ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے کر آؤ جب یہ صحابہ کرام وہاں پہنچے تو اس عورت سے کہا تیرے پاس جو خط ہے وہ ہمیں دیدے پہلے پہل اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں تب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا تو ہمیں خط دیدے تو بہتر ہے وگرنہ ہمیں ننگاہ کر کے بھی خط برامد کرنا پڑا تو ہم یہ بھی کر گزریں گے۔ تو اس عورت نے بالوں کی چوٹی سے خط نکال کر دیدیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب یہ خط لے کر بارگاہ نبوی میں پہنچے، خط کھولا گیا تو وہ خط سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے رؤس قریش کے نام لکھا گیا تھا جس میں نبی ﷺ کے بعض معاملات کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا حاطب یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ آپ کو

معلوم ہے میں قریش کے ساتھ رہتا تھا حالانکہ میں قریشی نہیں ہوں بلکہ ان کا حلیف ہوں آپ کے پاس جتنے مہاجرین ہیں ان کے وہاں رشتہ دار موجود ہیں جو ان کے گھر بار اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں تو میں نے سوچا قریشیوں کے ساتھ میری رشتہ داری تو نہیں ہے چلو ان پر کوئی احسان کر دو جس کی بناء پر وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں۔اور سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا،

لم افعلہ ارتدادا عن دینی و لا رضا بالکفر بعد الاسلام۔

اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے یہ کام مسلمان ہونے کے بعد نہ ہی کفر کو پسند کرتے ہوئے کیا اور نہ ہی دین سے ارتداد اختیار کرتے ہوئے کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے چھوڑ دیجئے میں اس منافق کو قتل کر دوں آپ ﷺ نے فرمایا یقینا یہ بدری ہے۔امید ہے کہ اللہ تعالی نے بدریوں کو معاف کر دیا ہے اور فرمایا: جو مرضی عمل کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے تب اللہ نے سورۃ ممتحنہ میں یہ آیات نازل کر دیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُواْ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ يُخْرِجُونَ ٱلرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُواْ بِٱللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَـٰدًا فِى سَبِيلِى وَٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِى ۚ تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَأَنَا۠ أَعْلَمُ بِمَآ أَخْفَيْتُمْ وَمَآ أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ ٱلسَّبِيلِ

(الممتحنۃ :1)

”اے ایمان والو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو سچا دین آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلے ہو تو ان کو دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے راستہ سے بہک گیا۔“

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الفتح وما بعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکتہ یخبرھم بخبر النبی ﷺ :4274، صحیح مسلم:2494)

حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ سے اخذ شدہ مسائل:

1- جنگی امور کفار میں کے لئے نبی ﷺ کی جاسوسی کی اور مسلمانوں کے خلاف کفار کا تعاون کیا۔

2- اس میں مطلقاً کفریہ عمل ارتداد نہیں بلکہ ساتھ میں عقیدے کی قید بھی ہے اسی لئے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضح کرتے ہیں:

اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے یہ کام مسلمان ہونے کے بعد کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں کیا، اور آپ ﷺ نے بھی حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو قبول کیا

3- یہ واقعہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دنیاوی لالچ یا مفاد کی خاطر مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کر دے تو وہ اس سے کافر و مرتد نہیں ہو جاتا الا کہ وہ اس کفر کو پسند کرتا ہو۔

چنانچہ یہ ثابت ہوا کی حاطب رضی اللہ عنہ کا تعاون اسلام سے بیزار ہو کر یا کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں تھا بلکہ وہ لالچ کے تحت یعنی حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کے رشتے دار مکہ میں رہتے تھے، اور نبی ﷺ مکہ پر حملہ کرنے والے تھے، حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ ایسی صورت میں تو مکہ والے میری رشتے داروں پر بھی رحم نہیں کھائیں گے، کیونکہ وہ بھی مسلمان تھے۔ لہذا ان کا جنگ میں کچھ تعاون کر دیتا ہوں تا کہ ان پر میرا احسان ہو جائے اور وہ اس احسان کے بدلے میری رشتے داروں پر رحم کریں گے۔ یعنی ان کے دل میں اپنے رشتے داروں کو بچانے کی لالچ پید ہو گئی۔ اور حاطب رضی اللہ عنہ نے محظ لالچ کے تحت نبی ﷺ کے مکہ پر چڑھائی کرنے کے پورے منصوبے کی خبر ایک خط کی صورت میں کفارِ مکہ کو بھیج دی۔

لیکن چونکہ یہ معلومات اس قدر خطرناک تھیں، کہ اگر کفار کے پاس پہنچ جاتیں تو وہ بھی بہت زیادہ تیاری کے ساتھ مسلمانوں کو مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہونا تھا، اسی وجہ سے اللہ نے فوراً فرشتے کے ذریعے وحی نازل کی کہ مکہ کی طرف ایک بڑھیا خط لے کر جا رہی ہے، جس میں مسلمانوں کی نہایت حساس جنگی معلومات ہیں۔ نبی ﷺ نے فوراً صحابہ کرام کو اس عورت سے وہ خط لانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ہر صورت اس عورت سے وہ خط

لے کر آنا ہے۔ جب وہ خط لایا گیا اور حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے پوچھ گوچھ کی گئی تو، انہوں نے بالکل واضح کہہ دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے یہ خط کفر کو پسند کرتے اور اسلام سے بیزار ہو کر نہیں لکھا تھا، بلکہ میں نے تو محض اس لالچ کے پیش نظر لکھا تھا کہ کفارِ مکہ اس خط کے احسان کے بدلے میرے خاندان والوں پر رحم کریں گے۔ اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین اس صحابی کو قتل کرنے کے درپر تھے، لیکن نبی ﷺ نے جب یہ وضاحت سنی اور جان لیا کہ یہ کفریہ فعل نہیں ہے، بلکہ صرف انسان کو گنہگار کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ بدری صحابی تھی لہذا ان کا یہ گناہ کا فعل بھی بدری ہونے کی وجہ سے معاف ہو گیا۔ جس وجہ سے نبی ﷺ نے فرمادیا کہ اسے چھوڑ دو یہ بدری ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کی روایات پر کیئے گئے اعتراضات کا علمی محاکمہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کفریہ تھا، لیکن چونکہ وہ بدری تھے جس وجہ سے ان کا یہ کفریہ فعل معاف کر دیا گیا۔ جبکہ یہ بالکل بے بنیاد اور قرآن حدیث کی تعلیمات سے ہٹی ہوئی بات ہے، کیونکہ کفر یا شرک اللہ نے کسی کو بھی معاف نہیں کیا اور نہ ہی کرنا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام کو بھی کفر اور شرک جیسے فعل کے بارے اللہ نے واضح فرمادیا کہ اگر نبیوں میں سے بھی کسی نے نبی نے شرک کیا تو اس کے بھی سارے اعمال برباد کر دئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

خود اندازہ لگائیں ایک کفریہ، شرکیہ فعل کی انبیاء کو معافی نہیں ہے، تو پھر ایسے فعل کی بدر کی صحابہ کو کیسے معافی مل سکتی ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ ان کا یہ فعل کفریہ تھا ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے یہ اسلام سے بیزاری اور کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں کیا تھا بلکہ لالچ کی وجہ سے کیا تھا۔ جس کے بارے حکم کی اوپر وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس بات سے بھی اندازہ لگائیں کہ اگر حاطب رضی اللہ عنہ کا فعل کفریہ تھا، اور ان کو صرف بدری ہونے کی وجہ سے ہی معاف کر دیا گیا تو یہ ایسا تو نبی ﷺ فوراً ہی کر دیتے، یعنی جیسے ہی خط پکڑا گیا تھا، اور پتہ چلا کہ یہ حاطب رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے جو کہ بدری ہے، لہذا اس کو فوراً معاف کر دیا جاتا۔ جبکہ نبی ﷺ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھ گوچھ کی، جب حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ وضاحت کی کہ اس نے اسلام سے بیزار ہو کر اور کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں لکھا تو تب جا کر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو (یعنی یہ عمل ارتداد نہیں،) یہ بدری ہے (کیونکہ اگر ارتداد ہوتا ان پر حد لازمی لگتی، کیونکہ بدریوں کو گناہ کی معافی کا اعلان ہوا تھا حدود اللہ کی معافی کا نہیں، جیسا کہ واقع قذف میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور مسطح بن اثاثہ کو بدری ہونے کے باوجود 80 کوڑے کھانے پڑے تھے)

آل تکفیر نے اپنی مختلف تصانیف میں اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں، اور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ والی روایت موجودہ حکمرانوں کے عمل کی دلیل نہیں بن سکتی۔ ذیل میں ہم پہلے آل تکفیر کے وہ تمام اعتراضات اور ان کا ازالہ پیش

کرتے ہیں اس کے بعد موجودہ حکمرانوں کے امریکہ کے بارے تعاون کی وضاحت کریں گے۔

اعتراض 1: حاطب رضی اللہ عنہ کا خط کفار سے تعاون پر مبنی نہیں تھا

حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ خط کفار کی مدد کے لیے نہیں تھا، بلکہ وہ تو صرف اطلاع تھی کہ اللہ کے نبی ﷺ تم پر حملہ کرنے والے ہیں اور حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ بھی راسخ یقین تھا کہ نبی ﷺ کا لشکر ہی فتح یاب ہو گا۔ لہذا حاطب کا یہ خط لکھنا کسی صورت کفریہ فعل نہیں تھا۔

ازالہ:

اس اعتراض میں یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا کام کفریہ تھا ہی نہیں حتیٰ کہ ان کا یہ خط بھی کفار سے تعاون تھا ہی نہیں، جبکہ اگلے ہی اعتراض میں یہی تکفیری حضرات اسی فعل کو کفریہ قرار دیتے ہیں اور اس خط کو کفار سے تعاون قرار دیتے ہیں(انا للہ وانا الیہ راجعون)

آئیں جائزہ لیتے ہیں کہ آیا حاطب رضی اللہ عنہ کا کام کفار سے تعاون تھا یا نہیں؟

فرض کریں یہ خط کفار سے تعاون کے لیے نہیں لکھا تھا، تو پھر آپ خود ہی بتائیں یہ خط کس لیے لکھا تھا؟

جنگ کے موقع پر، جب بہت خفیہ پلاننگ کی جا رہی ہو، اور کفار کے بہت بڑے لشکر پر مسلمانوں کی قلیل تعداد نے حملہ کرنا ہو، ایسے میں منصوبہ یہی بنایا جا رہا ہو کہ کفار کو اس

سارے حملے کی خبر تک نہ ہونے دی جائے، تاکہ ہم خفیہ حملہ کریں گے، اور کفار کا زیادہ سے زیادہ نقصان کر سکیں گے اور اپنا کم سے کم نقصان ہونے دیں گے۔ اور ایسے میں کفار کو خط لکھ کر یہ ساری معلومات فراہم کر دینا، بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا تعاون ہو گا؟ اگر یہ تعاون تھا ہی نہیں، اور اس خط کا مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں تھا، تو اللہ نے پھر کیوں وحی نازل کی ؟ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ کرام کو کیوں شدت کے ساتھ روانہ کیا؟ اور صحابہ نے وہ خط لانے کے لیے دوڑ دھوپ کیوں کی؟ کیا معاذ اللہ حاطب رضی اللہ عنہ کو زیادہ علم تھا اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کم؟ اگر اس خط کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی اس خط کی وجہ سے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے در پہ نہ ہوتے۔ لہذا یہ کہنا کہ یہ خط تو تعاون تھا ہی نہیں، نہایت فضول اور جہالت والی بات ہے۔

موجودہ دور میں کسی جگہ مجاہدین اپنی پناہ گاہ میں رہتے ہوں، اور وہ کفار کے کسی بیس کیمپ پر حملہ کرنے کی تیاری کئے بیٹھے ہوں، جبکہ ان میں سے ایک شخص ان کفار کو یہ اطلاع دے دے کہ فلاں علاقے کے مجاہدین تمہارے فلاں کیمپ پر فلاں تاریخ کو حملہ کریں گے۔ مجھے بتاؤ کیا یہ معلومات مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہوں گی یا نقصان دہ؟ کیا ایسی اطلاع دینے والے کو بھی یہ تکفیری لوگ کفار سے تعاون نہیں سمجھیں گے ؟

لہذا درست بات یہی ہے کہ یہ کفار سے تعاون ہی تھا، لیکن چونکہ ایک لالچ کے تحت تھا، جس وجہ سے یہ کفریہ فعل نہیں تھا، اور بدری ہونے کی وجہ سے بطور صغیرہ گناہ حاطب رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا گیا۔

اعتراض 2: بدری ہونے کی وجہ سے حاطب رضی اللہ عنہ کو معافی ملی

حاطب رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے تھے، جس وجہ سے ان کا یہ فعل تو کفریہ تھا، لیکن ان کے بدری ہونے کی وجہ سے ان کو معاف کر دیا گیا، کیونکہ اللہ نے بدریوں کے گناہ معاف کئے ہیں۔

ازالہ:

ابھی پچھلے اعتراض میں یہی تکفیری لوگ اس فعل کو کفریہ ہی تسلیم نہیں کر رہے تھے، اور اس خط کو تعاون ہی نہیں قرار دے رہے تھے، جبکہ اب اس فعل کو کفریہ خود تسلیم کر رہے ہیں اور دلیل یہ گھڑ رہے ہیں کہ یہ صحابی بدر میں شریک ہوئے تھے، جس وجہ سے ان کا کفر شرک معاف ہے۔ جب کہ جب ہم دلائل کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ہمیں یہ فرمان ملتا ہے۔

(اے محمد ﷺ) اگر تم نے بھی شرک کیا تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے، اور تم زیا کاروں میں سے ہو جاؤ گے (الزمر:65)

خود اندازہ کریں کہ ایک کفریہ، شرکیہ فعل جس کی اجازت نبی ﷺ کو نہیں ہے، اور اگر اس فعل کے مرتکب نبی ﷺ بھی ہوں تو ان کے اعمال بھی برباد ہو جائیں، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک فعل کی وجہ سے نبیوں کے اعمال تو ضائع ہوں، جبکہ بدری صحابہ کے اعمال پر زرا بھی آنچ نہ آئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آئیں جائزہ لیتے ہیں کہ سیرت مبارکہ میں کیا کسی بھی بدری صحابی کو کبھی سزا نہیں دی گئی؟

حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ بھی بدری صحابی تھے، اور یہ دونوں صحابہ کرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنا پر تہمت کے معاملے میں ساتھ تھے، جو کہ کبیرہ گناہ ہے، جس وجہ سے نبی ﷺ نے ان دو بدری صحابہ کو بھی معاف نہیں کیا، بلکہ 80،80 کوڑے لگوائے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ النور، ص:697، ج:2)

(سنن ابی داؤد کتاب الحدود)

اگر بدری ہونے کی وجہ سے ہی کبیرہ گناہ یا کفر و شرک معاف ہو جاتا تو پھر ان صحابہ کرام کو کیوں سزا دی گئی؟ حالانکہ یہ بھی بدری صحابہ تھے۔

یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک کفریہ کام نبیوں اور رسولوں کو بھی معاف نہ ہو، لیکن ایک بدری حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کو معاف ہو

تہمت کا جرم بدری صحابہ (حسان بن ثابت اور مشطح بن اثاثہ) کو معاف نہ ہو، لیکن اس سے بڑا جرم کفریہ فعل حاطب بن ابی بلطہ کو معاف ہو۔

یہ اسلام کا مزاج اور اصول کسی صورت بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ آل تکفیری کی باطل تشریحات ہیں، جو کہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔

ورنہ حقیقت یہی ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ تعاون لالچ میں آکر کیا تھا جس وجہ سے ان کا یہ فعل کفریہ نہیں قرار پایا۔ اب چونکہ یہ فعل صغیرہ گناہ تھا تو بدری ہونے کے ناطے ان کو معاف کر دیا گیا۔

اہم نقطہ:

فرض کریں ایک لمحے کے لیے مان لیتے ہیں کہ بدری ہونے کی وجہ سے حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ فعل معاف کر دیا گیا، تو زرا بتائیں کہ جب نبی ﷺ کو یہ علم ہوا کہ یہ خط حضرت حاطب رضٰ اللہ عنہ نے لکھا ہے، اور نبی ﷺ کو پہلے ہی علم تھا کہ یہ صحابی بدری ہیں، تو آپ ﷺ نے اسی وقت ہی کیوں نہیں کہہ دیا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بدری ہیں؟ بلکہ پہلے اس صحابی سے وضاحت طلب کی، جب اس نے بتایا کہ اس نے یہ کام اسلام سے بیزار ہو کر اور کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں کیا بلکہ فلاں لالچ (کفار پر احسان کے بدلے اپنے گھر والوں کو محفوظ کرنے) کے لیے کیا تھا، تو یہ حقیقت واضح ہونے کے بعد نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو یہ بدری ہیں۔ کیونکہ اب واضح ہو چکا تھا کہ یہ فعل کفریہ نہیں ہے، بلکہ صغرہ گناہ ہے، وہ لوگ جو بدری ہونے کی وجہ سے کفریہ فعل کی معافی کا واویلہ کرتے ہیں ان سے سوال ہے کہ پھر نبی ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ سے باز پرس کیوں کی تھی؟

اعتراض 3: حاطب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے

حاطب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، لیکن آج کے حکمران خیر خواہ نہیں ہیں لہذا حاطب کو تو معافی مل سکتی ہے، لیکن ان حکمرانوں کو نہیں۔

ازالہ:

کیا اگر کوئی کافر مسلمانوں کو خیر خواہ ہو تو اسے صرف اسکے اس خیر خواہی پر چھوڑ دیا جائے گا باقی وہ جو مرضی کفر و شرک کرتا پھرے؟ یا ایک مسلمان جو اپنی کسی ذاتی مجبوری یا مفاد میں

ایسے کام کا مرتکب ہو جائے جس میں مسلمانوں کی خیر خوای نہ ہو تو اسے کافر و مرتد قرار دے دیا جائے گا؟ یہ دونوں سوالات قابل غور ہیں۔ اس کے علاوہ جب فتنہ پرور لوگ حکمرانوں کے اس عمل کو مطلق کفر وارتداثابت نہیں ہوتا دیکھتے ہیں تو اپنی بات میں وزن ڈالنے کے لئے ایسے نکات پر بحث شروع کر دیتے ہیں جنکا کفر وارتداد ہونا ناممکن ہے، چاہیئے وہ ظلم ہو یا عدم خیر خواہی۔ اگر کسی کا کوئی عمل کفریہ نہیں تو اس کا ظلم یا عدم خیر خواہی اس غیر کفریہ فعل کو کفریہ میں تبدیل نہیں کرتی۔ یہی وہ خوارج کی جہالت ہے کہ وہ اپنی طابل تشریحات کے ساتھ کبیرہ گناہ کے مرتکبین کو کافر و مرتد شمار کرتے اور کرواتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطہ ہے جو قدیم خوارج کو آج کے جدید کے ساتھ جوڑتا ہے۔ افلا تتنظرون؟

ایک طرف تو کفریہ فعل سرزد ہو رہا ہے اور دوسری طرف خیر خواہی ہے، بتائیں ایسی چیزیں کفر کے آگے آڑھے آسکتی ہیں؟ جب کائنات کی سب سے عظیم ہستیوں انبیاء کرام کو جو کہ سب سے زیادہ مسلمانوں کے خیر خوا تھے، ان کو کو اللہ نے واضح فرمادیا کہ اگر تم نے بھی شرکیہ کام کیا تو تمہارے اعمال بھی برباد ہو جائیں گے۔ جب ایسا فعل نبیوں کے اعمال کی بربادی کا سبب بن سکتا ہے تو پھر حاطب رضی اللہ عنہ کی خیری خواہی کی نبیوں کی خیر خواہی کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟

ہوئے تم دوست جس کے آسماں اس کا دشمن کیوں ہو

اعتراض 4: حاطب رضی اللہ عنہ سے یہ کفریہ کام صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا تھا

حاطب رضی اللہ عنہ سے یہ کفریہ کام صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا تھا جبکہ موجودہ حکمران اس کو بار بار کر رہے ہیں۔

ازالہ:

اس قسم کا اعتراض کرنے والوں سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ

کفریہ فعل کم سے کم کتنی مرتبہ سرزد ہو تو بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کی دلیل بھی پیش فرمائیں؟

کیونکہ یہ اصول اہل السنہ کے اصولوں میں سے ہے کہ کوئی کبیرہ گناہ اس پر قرار پکڑنے یا دوام اختیار کرنے سے کفر و ارتداد نہیں بن جاتا۔ یعنی ہر وہ گناہ جو ایک مرتبہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا اس کو بار بار کرنے سے بھی کافر نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں ایک صحابی جس کا نام عبد اللہ اور لقب حمار تھا، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ہنسایا کرتا تھا، اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو شراب پینے کے سبب کوڑے لگوائے تھے، ایک دن پھر نشہ (شراب) کی حالت لایا گیا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کو پھر کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، اس کو پھر کوڑے مارے گئے، قوم کے ایک شخص نے اس پر لعنت کی کہ کس قدر (نشہ کی حالت میں) لایا جاتا ہے، نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ کس قدر اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے (حالانکہ وہ مستقل شراب پینے کا گناہ کرتا تھا، لیکن پھر بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی تکفیر نہیں کی)

(بخاری کتاب الحدود حدیث:1684)

شیخ بن باز رحمہ اللہ اس بارے فرماتے ہیں کہ:

اگرچہ وہ[فاعل]اس کبیرہ گناہ کو ہلکا جانتا ہوا کرے تو بھی کافر نہیں ہوگا جب تک وہ اسے حلال نہیں سمجھتا، برخلاف ان کے جو آجکل یہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر اسے ہلکا جانتے ہوئے کرے تو وہ کفر اکبر کا مرتکب ہو کر ملت اسلامیہ سے خارج ہو گیا۔ یہ بھی عین خوارج کا ہی قول ہے،

(کیسٹ سوال وجواب طائف سن 1415ھ از شیخ عبدالعزیز بن بازؒ)

اعتراض5:حاطب رضی اللہ عنہ نے سچ بولا تھا

حاطب رضی اللہ عنہ نے سچ بولا تھا جبکہ موجودہ حکمران جھوٹے اور کذاب ہیں۔

ازالہ:

کسی کے دل میں کیا ہے وہ تو اللہ ہی جانتا ہے، آج اگر حکمران کسی معاملے کفر سے بچنے کے لئے جھوٹ اور کذب بیانی کا سہارا لیتے ہیں تو ان یہ جھوٹ بولنا انکو دنیا میں تو تکفیر اور حد سے بچا سکتا ہے مگر اللہ کے ہاں انکا معاملہ وہی ہوگا جو وہ کرتے رہے ہیں۔ حاتم بن ابی بلعتہ رضی تعالی عنہ سچ نہ بولتے تو اور کیا کرتے ؟انکو معلوم تھا کہ میں اللہ کے نبی سے جھوٹ بولا تو فوراوحی آئے گی اور سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ لیکن اب نہ تو کسی کے دل کی حالت بتانے کے لئے کسی پر وحی آسکتی ہے اور نہ ایسا کوئی انسان کے پیمانہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ یہ اپنے ایمان کے بارے میں جھوٹ بول رہا ہے، اس دل میں تو کفر ہے۔

ویسے بھی کفریہ کام کرنے کے بعد سچ سچ بتادینا کہ میں نے یہ کفریہ کام کیا ہے، کیا اس سچ کی وجہ سے اس کا ایمان بچ جائے گا؟اور حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ نے سچ کب بولا تھا؟

پہلے تو خفیہ طریقے سے خط لکھ دیا، جب وحی کے ذریعے نبی ﷺ کو اطلاع دے دی گئی اور خط پکڑا گیا اور باز پرس کی جانے لگی تب جا کر حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا تھا۔ ویسے بھی شریعت محمدی میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ کفری فعل کرنے کے بعد انسان سچ بولے اس کا کفر معاف ہو جائے گا اور ایمان سلامت رہے گا۔

چور چوری کر کے سچ سچ بتادے، اس کے اس سچ سے اس کی حد تو معاف نہ ہو

زانی عورت زنا کرنے کے بعد خود رسول ﷺ کے پاس آ کر سچ سچ بتائے اور اس پر پھر بھی حد لگائی جائے

غزوہ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین صحابہ کا سچ بولنے کے باوجود بھی پچاس دن تک بائیکاٹ رہا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا فعل کفریہ بھی تھا، اور ان کو معافی صرف اس وجہ سے مل گئی کہ انہوں نے سچ بولا تھا۔

اعتراض6: حاطب رضی اللہ عنہ کی اللہ نے وحی سے تصدیق کر دی تھی

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کی بذریعہ وحی تصدیق ہو گئی تھی، لیکن موجودہ حکمرانوں کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ اب وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

ازالہ:

ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ رہتی دنیا تک کے لیے رہنمائی ہے، اس پر اللہ نے وحی نازل کی تو نبی ﷺ نے صحابی سے باز پرس کی، اس نے وضاحت کر دی کہ یہ کام کفر کو پسند کرتے ہوئے نہیں کیا تھا، بلکہ لالچ کے تحت کیا تھا تو رسول ﷺ اس کو معاف کر دیا، ہمارے لی بھی اس واقعے میں بہترین رہنمائی ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص ایسا ہی کام کرتا ہے جیسا حاطب رضی اللہ عنہ نے کیا جائے گا تو اس پر اس سے تحقیق اور پوچھ کچھ ہو گی اور تکفیر کے ظوابط انبیاء کے ورثاء یعنی متبحر فی العلم علماء کریں گے۔ اگر تو اسنے یہ کام اسلام سے بیزار ہو کر اور کفر کو پسند کر کے کفار سے تعاون کرے تو وہ شخص کافر قرار دیا جائے گا ہے لیکن اگر یہ تعاون کسی لالچ، مجبوری، خوف یا جہالت کی بنیاد پر ہو تو ایسی حالت میں اس پر کفر کا حکم نہیں لگے گا بلکہ اس کی اصلاح کی جائے گی، کیونکہ یہ گناہ ہے کفر نہیں۔ اب وحی کا سلسلہ بے شک بند ہو چکا ہے لیکن سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی لینے کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔

اعتراض 7: حاطب رضی اللہ عنہ نے تعاویل کی تھی

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ تاویل کرتے تھے، جبکہ موجودہ حکمران قصداً اعلانیہ اور فخریہ مسلمانوں کے خلاف کفار سے تعاون کرتے ہیں۔

ازالہ:

اگر کوئی بھی ایسا مسلمان کفار سے تعاون اس وجہ سے کرے کہ اس کو اسلام سے نفرت اور کفار کے دین سے محبت ہے، اور وہ قصداً، فخریہ یہ کام کر رہا ہے تو ایسا شخص بالکل دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لیکن موجودہ حکام میں سے کوئی ایک شخص کا بھی اس طرح کا بیان پیش کریں تاکہ ہم بھی تسلیم کرلیں۔ جبکہ حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ نے بھی تاویل نہیں کی تھی، بلکہ لالچ اور اپنے رشتہ داروں کی موت کے خوف کے عوض یہ کام کیا تھا۔

اعتراض 8: حاطب رضی اللہ عنہ کفار کے ساتھ قتال میں عملاً شریک نہیں تھے

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کفار کے ساتھ قتال میں عملاً شریک نہیں ہوئے تھے، جبکہ موجودہ حکمران کفار کے ساتھ عملاً شریک ہوتے ہیں۔

ازالہ:

پنجابی میں ایک کہاوت مشہور ہے، "تیلی تیلی تیرے سرتے کوہلو" کسی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ یہ تو کوئی بات ہی نہیں بنی۔ تو اس نے جواب دیا کہ کوئی بات نہیں، بات نا بھی بنے وزن تو بن گیا ہے نا۔

کچھ ایسا ہی یہ تکفیری حضرات کر رہے ہیں۔ کہاں کفار کے ساتھ صفوں میں مل کر مسلمانون کے قتال میں شریک ہونا اور کہاں ان سے تعاون کرنا۔ یہ دونوں الگ الگ موضوع ہیں، عملاً قتال کرنے والے کے بارے الگ احکام ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ والے واقعے میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ لہذا اس مسئلے کو قتال والے مسئلے سے خلط ملط کرنا بالکل فضول بات ہے۔ چلیں اگر مان بھی لیں کہ عملا شامل ہیں تو پھر بھی انکی تکفیر علی الاطلاق نہیں کی جائے گی بلکہ تحقیق کے بعد تکفیر کے و قواعد سے گزارے کے بعد یہ کام سر انجام دیا جائے گا، یہ بات خوب سمجھ لیں

اعتراض 9: حاطب رضی اللہ عنہ کی جاسوسی سے کوئی مسلمان قتل نہیں ہوا تھا

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کی اس جاسوسی سے کوئی بھی مسلمان قتل نہیں ہوا تھا، ہاں اگر ہو جاتے تو پھر دیکھتے کہ نبی ﷺ ان کو معاف کرتے؟ جبکہ موجودہ حکمرانوں کی جاسوسیوں سے بے تحاشہ مسلمان قتل ہوئے ہیں، لہذا اس واقعے کو موجودہ حکمرانوں کے واقعے کے ساتھ جوڑنا کسی صورت جائز نہیں۔

ازالہ:

یہاں پر مجھے بیچارے ایک دین کے اصول و مبادیات سے نابلد مولوی صاحب کا واقعہ یاد آ گیا کہ جب اس کے مخالف حضرات ایک مناظرے میں اس پر غالب آنے لگے تو اس نے آگے سے ایک حدیث تراش ڈالی اور شور ڈال دیا۔ اس پر جب دوسری جانب سے مواخذہ ہوا تو وہ

مولوی صاحب پکڑے گئے اور مناظرہ ہار گئے۔ ان مولوی کے پیروکاروں ان سے پوچھا صاحب اگر نے دلیل کیوں پیش نہیں کی، یہ کیا پیش کیا؟

تو مولوی صاحب اس سے فرمانے لگے "چھڈ دلیل نوں مشہوری تے ہوئی نا"۔

کچھ ایسا ہی معاملہ ادھر ہے کہ خوارج کسی عمل کو کفریہ ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے زیرو میٹر ضابطے بنا رہے ہیں جو آج سے پہلے نہ کسی نے قرآن میں پڑھے، نہ حدیث میں، نہ کسی صحابی سے، نہ آئمہ دین اور علما امت سے۔ لیکن بات وہی ہے۔ کیا ہوا کہ "چھڈ ضابطے نوں مشہوری تے ہوئی نا"

ایک مرتبہ پھر حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ والے فعل کو غیر کفریہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یعنی ان کی جاسوسی سے کونسا کوئی مسلمان قتل ہوا تھا جو یہ کام کفریہ ہو، لہذا جب کوئی مسلمان قتل ہی نہیں ہوا تھا تو نبی ﷺ نے ان کو معاف کر دیا، ہاں اگر کوئی قتل ہو جاتا تو پھر دیکھتے کہ نبی ﷺ اس کو کیسے معاف کرتے۔(انا اللہ وانا الیہ راجعون)

آل تکفیر سے ایک سادہ سا سوال ہے کہ

مسلمانوں کا قتل کسی کی وجہ سے بچا ہے؟

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کے خط کے متن کی وجہ سے

یا

رسول اللہ ﷺ کی تگ ودو کی وجہ سے؟

اگر رسول اللہ ﷺ خط نہ پکڑتے تو نا جانے مسلمانوں کا کتنا نقصان ہو جاتا۔ تبھی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتہ بھیجا اس نے رسول اللہ ﷺ کو وحی کی اور رسول اللہ ﷺ نے فوراً صحابہ کرام کو خط لانے کے لیے دوڑایا، اگر یہ کچھ نہ کیا جاتا تو نہ جانے مسلمانوں کا کتنا نقصان ہو جاتا۔

لہذا مسلمانوں کا نقصان حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کے خط کی وجہ سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی بہتر پلانگ کے تحت نہیں ہوا۔

چلیں ایک لمحے کے لیے مان بھی لیتے ہیں کہ اس خط میں ایسا کچھ نہیں تھا جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا۔ لیکن یہ تو آل تکفیر خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ اس خط میں مسلمانوں کا نقصان بے شک نہیں تھا، لیکن کفار کا فائدہ ضرور تھا۔ چلیں آل تکفیر ہمیں اس بات کی ہی دلیل پیش کر دیں کہ جنگ کے میدان میں مسلمانوں کی بجائے کفار کا فائدہ کرنا کس شریعت کے تحت جائز ہے؟

اعتراض 10: حاطب رضی اللہ عنہ کفار کے خلاف جہاد بھی کرتے تھے

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کفار کے خلاف جہاد کرتے تھے، جبکہ موجودہ حکمران نہیں کرتے، لہذا ان کو اس لیے معافی مل گئی۔

ازالہ:

مقام حیرت کہ کیا کسی کا جہاد کرنا اس پر سے کفر اور حد کو ساقط کر دیتا ہے؟

کیا شرک اور کفر کرنے والے کے باقی اعمال قابل قبول ہیں؟

ایک شخص شرک اور کفر کرتا ہے اور جہاد بھی کرتا ہے کیا ایسے شخص کا ایمان سلامت رہتا ہے؟

آیئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے اس کی رہنمائی لیتے ہیں۔

یہودی جو جہاد کرتے ہوئے مارا گیا تھا، اس کو جہنمی ہی قرار دیا۔

جہاد کرنے کے باوجود خودکشی کرنے والا کو جہنمی قرار دیا

مشرک کا کوئی عمل قابل قبول نہیں حتیٰ کہ جہاد بھی نہیں۔

لیکن حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ ایک طرف آل تکفیر کے نزدیک کفریہ فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں، جبکہ دوسری طرف ان کو صرف اس وجہ سے معاف کیا جا رہا ہے کہ وہ جہاد کرتے تھے۔ اللعجب

اعتراض 11: حاطب رضی اللہ عنہ مواحد تھے

حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ مواحد تھے، جبکہ موجودہ حکمران رافضی اور مشرک ہیں۔

ازالہ:

کیا مواحد کا شرک اور کفر معاف ہے؟ اور مشرک کا شرک اور کفر معاف نہیں۔

کیا کمال لطیفہ ہے۔ آج کے خوارج ایسے حکمرانوں کو "تکفیر" کرنے کے لئے بے چین ہو رہے ہیں جنکو وہ پہلے ہی "مشرک" قرار دے چکے ہیں۔

اگر یہ حکمران پہلے سے ہی مشرک ہیں تو پھر ان پھر مزید کفر ثابت کرنے کا گورکھ دھندا کیسا؟

اگر یہ مشرک ہیں تو دکھاؤ کس نے انکے بارے تحقیق کی اور انکی معین تکفیر کا فتوی جاری کیا؟

چلیں ایک لمحے کے لیے تمہارے اس اصول کو ہی مان لیتے ہیں۔ کہ مواحد انسان اگر کفار کے ساتھ تعاون کرے تو وہ کافر نہیں ہو گا۔ بلکہ اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ پھر آپ ہی اپنی اداؤں پر غور کریں کہ کسی مسلمان ملک کے مواحد حکمران اگر کفار کا کسی جنگ میں ساتھ دیں تو ان کے ایمان کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ وہ مواحد ہیں، ایک مواحد کفریہ کام کرتا ہے اور ایک مشرک کفریہ کام کرتا ہے، کیا دونوں کا حکم الگ الگ ہو گا؟ اللعجب

کفریہ کام تو ہوتا ہی وہ ہے جو انسان کو مواحد اور مومن کے درجے سے گرا کر کافر کر دیتا ہے، پھر مواحد کے کفریہ کام کرنے پر تمہارے نزدیک چھوٹ کس بنیاد پر رکھی گئی ہے؟

پاکستانی حکام کافر نہیں- آلِ تکفیر کے موقف کا رد انکی اپنی ہی کتاب "التبیان" سے:

آخر میں ہم تکفیریوں کے گھر کی گواہی سے ثابت کرتے ہیں کہ کفار سے کس قسم کا تعاون انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا ہے اور کس قسم کا تعاون خارج نہیں کرتا۔

ابو عمرو عبد الحکیم کی مشہور تصنیف "التبیان" جس کا اردو ترجمہ "دوستی دشمنی کا معیار" کے نام سے تکفیری حضرات بہت زور و شور سے پھیلانے پر تلے ہوئے ہیں، اور اسی کتاب کو اپنے موقف کی وضاحت کے لیے حرفِ آخر کہتے ہیں۔

آج ہم قارئین کے سامنے اسی کتاب کے صفحہ 58 سے 61 تک اقتباس سے بیان کریں گے کہ کفار سے دوستی کب انسان کو کافر بناتی ہے اور کب صرف گنہگار بناتی ہے۔ اور اس کتاب میں بیان کردہ اس اصول کی روشنی میں موجودہ حکام خصوصا پاکستانی حکام مرتد ٹھہرتے ہیں یا نہیں؟

التبیان سے اقتباس:

لفظ المُوالَاۃِ اور التَّوَلِّی میں ایک دقیق فرق:

یہاں ایک بڑا لطیف علمی نکتہ بھی سمجھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ عربی زبان میں دوستی کے لیے ایک لفظ "المُوَالَاۃ" استعمال ہوتا ہے اور ایک لفظ "التَّوَلِّی" مستعمل ہے۔ لفظ الموالاۃ تو قربت ،نزدیکی ، پیروی ، مدد ، تعاون ، محبت ، دوستی اور غلامی وغیرہ کے معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن لفظ "التَّوَلِّی" بطورِ خاص صرف اور صرف دو معانی ⇑ پیروی اور ⊄ نصرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

یہی وہ معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وارد ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بارے میں فرمایا:

﴿كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ﴾(الحج:4)

"اس (شیطان) پر (اللہ کا فیصلہ) لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کی پیروی کرے گا وہ اسے گمراہ کردے گا اور اسے آگ ک عذاب کی طرف لے جائے گا"

مذکورہ آیت کریمہ میں (مَنْ تَوَلَّاهُ) کا معنی یہ ہے کہ "جو اس کی پیروی کرے گا "لفظ "التَّوَلِّي" کا دوسرا مخصوص معنی "مدد ونصرت" اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے فرمان میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾(الممتحنة:9)

"اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی (مدد وتعاون) سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیے اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ اس قسم کے کافروں کی مدد ونصرت کریں گے وہ (پکے ٹھکے) ظالم لوگ ہوں گے"

مذکورہ آیت کریمہ میں بھی ﴿أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ کا معنی یہ ہے کہ "تم ان کی مدد ونصرت کرو اور جو شخص بھی ان کی مدد ونصرت کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے"

اسی طرح قرآن مجید میں ایک مقام پر "التَّوَلّی" مدد و نصرت کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لاَ تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللهُ عَلَيْهِمْ . . . . ﴾ (الممتحنۃ=13: 60)

"(اے مسلمانو!) ایسی قوم کی مدد و نصرت نہ کرو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے...."

مذکورہ آیت کریمہ میں (لاَ تَتَوَلَّوْا) کا معنی ہے کہ تم دوستی نہ کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور فرقان حمید میں اپنا ایک خصوصی وصف بیان کیا ہے کہ میں مومنوں کا حامی و مددگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اللهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرہ:257)

"ایمان لانے والوں کا اللہ تعالیٰ خود مددگار ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف خود لے جاتا ہے اور کافروں کے مددگار شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے"

مذکورہ آیت میں بھی ﴿اَاللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ان الفاظ کا معنی ہے کہ "اللہ تعالیٰ خود مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ہیں۔"لہٰذا اس آیت میں "وَلِیُّ" کا معنی مددگار ہے۔اس طرح مذکورہ آیت میں ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ﴾ کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ان الفاظ کا معنی ہے "وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے مددگار طاغوت ہیں۔"اس آیت میں اولیاء کا معنی (زیادہ تعداد میں) مددگار" ہے۔علیٰ ہٰذا القیاس۔

اللہ تعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی یہ لفظ مددگار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (التحریم:4)

"یقینا اس (رسول اللہ ﷺ) کا مددگار اور کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے ،جبریل علیہ السلام ہے اور نیک اہل ایمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں"

مذکورہ آیت میں لفظ "مَولَاہُ" کا معنی "اس کا مددگار" ہے۔

نیز قرآن مجید کے ایک اور مقام پر بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی یہ مددگار کے معنی میں ہی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لاَ مَوْلٰی لَہُمْ﴾ (سورۂ محمد:4)

"(اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سزائیں دیں) اس لیے کہ ایمان والوں کا مدد گار اور کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور کافروں کا کوئی بھی مدد گار نہیں ہے"

مذکورہ آیت کریمہ میں بھی لفظ ''مَولیٰ'' دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔ دونوں جگہ اس کا معنی ومدد گار اور کارساز ہے۔

یہ چند آیات بطور مثال ذکر کی گئی ہیں ان کے علاوہ جہاں جہاں بھی یہ لفظ وارد ہوا ہے اکثر وبیشتر اِسی معنی میں ہے۔

مذکورہ بالا ساری گفتگو کا لب ولباب یہ ہے کہ لفظ ''التَّوَلِّی'' لفظ ''المُوَالَاۃ'' سے زیادہ خصوصیت کا حامل ہے۔ ''التَّوَلِّی'' کا مطلب یہ ہے کہ ''عَلَی الاِطلَاق'' (غیر مشروط طور پر) پیروی اور فرمانبرداری کرتے جانا اور پوری پوری مدد ونصرت کرنا۔'' مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوا کہ التَّوَلِّی اورالمُوَالَاۃ کے درمیان عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔[27]

شیخ عبد اللہ بن عبد اللطیف حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''التَّوَلِّی'' اور ''المُوَالَاۃ'' کے مابین بیان کیے گئے اِسی فرق کو ہی ملحوظ رکھتے ہوئے الشیخ عبد اللہ بن عبد اللطیف رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''التَّوَلِّی کُفْرٌ یُخرِجُ مِنَ المِلَّۃِ وَ ھُوَ کَالذَّبِّ عَنْھُمْ وَ اِعَانَتِھِمْ بِالْمَالِ وَالْبَدْنِ وَالرَّأْیِ ۔ وَالمُوَالَاۃُ کَبِیْرَۃٌ مِنَ الْکَبَائِرِ ۔ کَبَلِّ الدَّوَاۃِ وَ بَرِیِ الْقَلَمِ وَالتَّبَشُّشِ أَوْ رَفْعِ السَّوْطِ لَھُم۔''[28]

''کافروں کے ساتھ التولی والا تعلق واضح کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ مثلاً کافروں کا بھرپور دفاع کرنا۔ نیز دامے، درہمے، سخنے اور قدمے ان کا پورا تعاون کرنا۔ جبکہ کافروں سے المُوَالَاۃ جیسا دوستانہ تعلق اگرچہ ملتِ اسلامیہ سے نکالنے والا کفر نہیں مگر وہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔'' مثلاً

1 کافروں کی خاطر اپنے قلم و قرطاس کو حرکت میں لانا اور ان کی پالیسیوں کی حمایت میں مضامین (Articles) تحریر کرنا۔

2 کافروں کو خوش کرنے کے لیے ان کی خاطر بچھ بچھ جانا اور صدقے واری جانا۔

3 مسلمانوں کے خلاف پولیس وفوج کو حرکت میں لے آنا اور گولی وبندوق کا رخ مسلمانوں کی طرف کر دینا۔ یہ سب اعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

(التبیان، ترجمہ دوستی دشمنی کا معیار از ابو عمر وعبد الحکیم حسان صفحہ 58 تا 61)

تبصرہ:

[28] الدرر السنية: 201/7

قارئین کرام اس اقتباس میں آپ نے تکفیریوں کی ہی کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ پڑھ لیاہے کہ کافروں سے التولی والا تعلق واضح کفر ہے،یعنی ان کا بھرپور دفاع کرنا جبکہ کافروں سے المولاۃ جیسا دوستانہ تعلق انہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا بلکہ گناہ کبیرہ کامرتکب کر دیتا ہے،اور اس کی مثالیں بھی دی ہیں جیسے

کافروں کی خاطر اپنی قلم اور قرطاس چلانا،کفار کو خوش کرنے کے لیے بچھ بچھ جانا اور کفار کی خاطر مسلمانوں کے خلاف تلوار،بندوق یا گولی چلانا یہ سب اعمال المولاۃ میں شامل ہیں،اور یہ کام انسان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتے،بلکہ گنہگار کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کی جنگ میں پاکستان نے امریکہ کا ساتھ دیا ہی نہیں،(جس کی وضاحت آگے آرہی ہے)اور اگر دیا بھی ہے تو وہ جس نویت کا تعاون بھی تکفیری ثابت کرتے ہیں تو اس کے مطابق ان کی اپنی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل کفر نہیں ہے۔پھر کس بنیاد پر پاکستان کے حکمرانوں یا فوج کو کافر قرار دے کر ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا کر بھی آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے ہیں؟

کیاپاکستان نے افغان جنگ میں امریکہ کا تعاون کیا؟

تکفیری حضرات اپنی تحریک کی بنیاد یہی پیش کرتے ہیں کہ پاکستان نے امریکہ کا افغانستان کی جنگ میں ساتھ دیاہے جس کی بنیاد پر یہ کافر ہو چکے ہیں،اور ان سے لڑنا فرض ہے۔یہاں ہم چند ایسے ثبوت پیش کریں گے جن کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ آپ حضرات

خود ہی کر سکیں گے کہ آیا پاکستان نے افغان جنگ میں امریکہ کا تعاون کیا ہے یا نہیں؟ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

الفضل ما **شهدت** به **الاعداء.**

ترجمہ : عزت اور بڑائی وہی ہے جسکی گواہی دشمن دے۔

ذیل میں ہم مختصر ادشمن کی گواہی پیش کرتے ہیں جس سے آپ باخوبی اس چیز سے واقف ہو جائیں گے کہ اگر پاکستانی حکام سے امریکہ کے ڈر وخوف کی وجہ سے کچھ غلط فیصلے ہوئے ہیں تو وہاں انکے امریکہ کے خلاف کچھ ایسے اقدامات بھی ہیں جو کہ ان حکام کی تکفیر کے مانع (رکاوٹ) ہیں اور آپ اس سے ہی بھی باخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ بظاہر دنیا کی نظر میں امریکا کا فرنٹ لائن اتحادی نظر آنے والا پاکستان حقیقت میں افغان مجاہدین کا رتنٹ لائن اتحادی ہے..!! دشمن نے اس پر بہت کچھ کہا اور لکھا[29] ہے جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر سیکرٹ پاکستان[30] کے نام سے ویڈیو ڈاکومینٹری ہے جس میں مختلف امریکی فوج اور خفیہ اداروں کے اہل کاروں کے ویڈیو انٹرویو موجود ہیں کہ کیسے کیسے اور کہاں کہاں پاکستانی اداروں نے ان کے ساتھ ہاتھ کیا۔!!جی ہاں

---

[29] اس موضوع پر حال ہی میں سی آئی اے کی طرف سے "دی رانگ اینیمی (The Wrong Enemy)" کے نام سے اک کتاب بھی چھپی ہے۔ اسکے لکھاری کا نام کیرلوٹا گیل (Carlota Gall) ہے۔

[30] یہ ویڈیو برطانوی ادارے بی بی سی کی جانب سے جاری کی گئی۔ جو کہ اردو ڈبنگ کے ساتھ انٹرنیٹ پر باآسانی دستیاب ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ "جنگ چال اور دھوکے کا نام ہے"[31]۔ دشمن کو دکھاؤ سیدھا اور مارو الٹا۔ لیکن یہ باتیں غبی لوگوں کو کم ہی سمجھ میں آتی ہیں۔!

حکومت یا فوج نے کفار کے ساتھ تعاون نہیں بلکہ دوہری چال چل کر ان کو افغانستان کی جنگ میں دھنسایا، اور افغانستان کے پہاڑوں پر نیٹو کا بیڑہ غرق کیا، بلکل اسی طرح جیسے روس کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ جس کے بارے پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی (ISI) کے سابق سربراہ جنرل حمید گل کہتے ہیں کہ

"تاریخ میں یہ بات لکھی جائے گی کہ آئی ایس آئی نے امریکہ کے تعاون سے روس کا بیڑہ غرق کیا تھا، اور پھر آئی ایس آئی نے امریکہ کے تعاون سے امریکہ کا ہی بیڑہ غرق کیا تھا۔"

(اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی میں میڈیکل کانفرنس سے خطاب)

جنرل حمید گل کی طالبان سے اچھے تعلق قائم کرنے کی تلقین:

"کیا طالبان چلے جائیں گے؟ وہ جانے والے نہیں ہیں۔ آخر یہی لوگ ہماری سرحدوں پر رہیں گے اور ہمیں ان کے ساتھ مل کر رہنا سیکھنا ہو گا۔ کیا ہم اپنے عقب میں افغانستان کو دشمن کے طور پر برداشت کر سکتے ہیں؟ نہیں! ہم نہیں کر سکتے۔ قوم کی مجموعی سوچ یہی کہتی ہے کہ ہمیں طالبان کیساتھ اچھے روابط رکھنے چاہیے۔ یہ پاکستان کے قومی مفاد میں ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ ہمارے قومی مفاد میں ہے"

(سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

---

[31] صحیح بخاری، کتاب الجہاد

پاکستان امریکہ نہیں بلکہ طالبان کا دوست ہے، ملا ضعیف سابق افغان ترجمان کی گواہی:

سابق سفیر افغان طالبان ملا ضعیف ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

"جنرل محمود (آئی ایس آئی کے چیف) مجھ سے ملنا چاہتا تھے۔ اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم ابھی بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ اور ہم امریکہ کے خلاف جہاد میں تمہاری مدد کرتے رہیں گے جس طرح پہلے روس کے خلاف جہاد میں تمہاری مدد کی۔ پاکستان کے دو چہرے ہیں۔ وہ ہمیں کچھ بتا رہے تھے اور امریکیوں کو کچھ اور بتا رہے تھے۔ پاکستان امریکہ کے ساتھ دوہرا کھیل کھیل رہا تھا" (سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

CIA کے سابق سربراہ فلپس مڈ کی پاکستان کی طالبان کو مدد دینے کی گواہی:

امریکی ایجینسی cia کا سابقہ سربراہ ایک ویڈیو انٹرویو میں کہتا ہے کہ

"میں وہاں افغانستان میں موجود تھا اور امریکیوں نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ ضرور ہونا چاہیئے۔ ہم تین ہزار لوگ کھو چکے ہیں اور یہ کوئی ہمارے ساتھ نہیں ہے اور ہم اس چیز کا پتہ چلتے ہی کسی قسم کی حیرانگی نہیں ہونی چاہیے کہ پاکستان میں ایسے لوگ موجود تھے جو نائن الیون سے پہلے مسلسل طالبان کی مدد کرتے نظر آرہے تھے۔ یقینی طور پر ایسا ہی تھا وہ اپنے عقب میں ایک مضبوط دوست رکھنا چاہتے تھے۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں قندوز میں آپریشن دیکھ رہا تھا تو میں نے کہا ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان کی سیکیورٹی اداروں میں طالبان حمایتی موجود ہیں۔" (سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

پاکستان نے کیسے طالبان قیادت کو افغانستان سے نکالا- CIA کے سابق اہلکار گیری برنسٹن کی دوہائی:

امریکی ایجینسی سی آئی اے کا سابقہ ایلکار گیری برنسٹن پاکستان کی طالبان قیادت کو افغانستان سے نکالنے پر دوہائیاں دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"دسمبر 2001 میں جب امریکی زمینی و فضائی فوجیں اور شمالی اتحاد پورے افغانستان میں طالبان کو زمین ہر تہہ و تیغ کر رہی تھیں تو سب سے مشکل جو مرحلہ تھا جسکی وجہ سے پاکستان کے اوپر اتحاد کرنا مشکل نظر آرہا تھا وہ قندوز کی ہوائی ایئر لفٹ تھی اور شمالی اتحاد کے لوگ انتہائی غصے میں میرے پاس آئے اور بتایا کہ پاکستان کے جہاز قندوز کے ہوائی اڈے پر اُتر رہے ہیں اور طالبان کو وہاں سے نکال رہے ہیں۔ میں نے عبد اللہ سالک سے پوچھا جو بعد میں شمالی اتحاد کی انٹیلی جنس کا سربراہ بنا تھا کہ کیا تم نشے میں ہو؟ مجھے بالکل یقین نہیں آرہا تھا، وہ جہاز واقعی اُڑ رہے تھے اور ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ وہاں پر پھنسے چند پاکستانی فوجی افسروں کو نکال رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ قندوز ہوائی اڈے پر اُتر رہے تھے اور طالبان کو وہاں سے نکال رہے تھے۔ امریکی ایئر کنٹرولر نے طالبان کی قیادت کو شمالی افغانستان سے نکلنے دیا اور جو باقی بچے انہیں ہلاک کر رہے تھے۔ میں پاکستان کے دوغلے پن کیوجہ سے بہت زیادہ خوف میں مبتلا تھا۔"

(سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

پاکستان نے امریکہ سے دھوکا کیا۔ کلونل ریچرڈ کیمپ: ہیڈ انٹیلی جنس کیبنیٹ آفس کا بیان:

کلونل ریچرڈ کیمپ جو کہ امریکی انٹیلی جنس کے کیبنیٹ آفس کا سابقہ ہیڈ رہ چکا ہے کہتا ہے کہ:

"میرے خیال میں یہ تو بالکل واضح ہے کہ پاکستان بہت زیادہ ڈبل گیم کر رہا تھا۔ یہ لوگ باتیں زیادہ اور کام کم کرتے ہیں اور جتنا کرتے ہیں اسکا مقصد مغرب کا منظور نظر ہونا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں اور یہی ان کی حقیقت ہے اس سے میرا یہ خیال ہے کہ طالبان کے کچھ عناصر کی پاکستان ابھی بھی مدد کر رہا ہے۔ اپنے مقصد کے استعمال کے لیے پاکستان ابھی بھی تیار کر رہا ہے"

(سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

پاکستانی آئی ایس آئی نے افغان طالبان کا ساتھ دیا۔ کرنل ڈانل شیفر امریکن انٹیلی جنس کے سربراہ کی گواہی:

کرنل ڈانل شیفر جو شمالی افغانستان میں امریکن انٹیلی جنس کا سربراہ تھا کہتا ہے کہ:

"یہ بہت واضح تھا کہ طالبان کو مختلف شکلوں میں پاکستان سے مدد مل رہی تھی۔ سب سے زیادہ قابل غور بات ہوئی جو ہمارے پاس ثبوت کے طور پر تھی وہ ایک ایجنسی کی خاتون تھی (جسکو ہم نے گرفتار کیا تھا)۔ آئی ایس آئی کی یہ خاتون طالبان چھاپہ مار ٹیم میں اپنا کردار

نبھاتی رہی تھی۔ اس خاتون رکن کی آئی ایس آئی سے تعلقات کی تحقیقات کی گئی تھیں۔ اور درپردہ اسے واپس پاکستان لانے کی کوششیں جاری تھیں۔ دوسرے افسران کی طرح میرے دماغ میں بھی یہی تھا کہ اسے گوانتانامو بے بھیجنا چاہیے۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ اس کے لیے مناسب جگہ ہے لیکن بدقسمتی سے سیاست آڑے آگئی اور آخرکار اس کو آئی ایس آئی کے سپرد کر دیا گیا۔ میرے اور دوسرے کام کرنے والوں کی نظر میں پاکستان کا طالبان کی مدد کرنے کے بارے میں ثبوتوں کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔"

(سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

پاکستانی فورسز نے مجاہدین کو بارڈر کراس کرنے دیا-جنرل ڈان میک کو نئیل سربراہ کوالیشن فورس افغانستان کا بیان:

جنرل ڈان میک کو نئیل جو کہ کوالیشن فورس افغانستان کا سربراہ رہا ہے اپنے ساتھ پیش آئے ایک واقعے کے متعلق کہتا ہے۔

"(افغانی) بارڈر کے ساتھ ساتھ سقیل نامی ایک قصبہ ہے یہ ہمیشہ سے ہی مشکل جگہ رہی تھی اور آج تک یہ مشکل جگہ ہے۔ اور ہماری وہاں ایک فارورڈ آپریٹنگ بیس ہے جو کہ بہت چھوٹی اور غیر واضح ہے اور یہاں ہماری ہر ضرورت کو اچھی طرح پورا کر رہی ہے۔ تو 2002 میں ایک رات کو ہم نے ایک بے لگام گشت کو دیکھا جو بیس سے تیس لوگوں پت مشتمل تھا اور وہ بارڈر کراس کر کے ہماری طرف آرہے تھے جو کہ سقیل سے برابر میں پاکستان کے

گاؤں سے ہم اُسے فرنٹئیر کور کی پوسٹ کے ساتھ آتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ وہ پوسٹ کی دیواروں سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور جو اُس پوسٹ پر پہرہ دے رہے تھے وہ یہ بالکل واضح طور پر دیکھ سکتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ افغان چوکی ہر حملہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم اپنی ہنگاموں دستوں کو باہر نکالیں اور وہ ہمارے ان ہنگامی دستوں پر گھات لگا کر حملہ کریں۔ ہم نے جلدی میں گھات لگانے والوں پر گھات لگانے کا فیصلہ کیا اور یہ وہ واضح ثبوت ہے کہ جس طرح یہ سب کچھ پیش آیا ہم ان بچے ہوئے جنگجوؤں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ اسی راستے سے واپس جا رہے تھے جس راستے سے آئے تھے۔

کسی کو تو اسکا علم ہونا چاہیے تھا اور جب ہم اگلے دن پاکستانی ذمہ داران سے پوچھا جہاں تک مجھے یاد ہے وہ ایک ڈویژنل کمانڈر تھا وہ کہتا ہے کہ ارے نہیں! ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا، وہ ہماری طرف سے نہیں آسکتے۔"

(سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

پرویز مشرف نے بش انتظامیہ کے ساتھ خوب فراڈ کیا۔ بروس ریڈیل سابق سربراہ سی آئی اے کی دہائی:

بروس ریڈیل جو امریکی ایجینسی سی آئی اے کا سابقہ سربراہ رہا ہے، کہتا ہے کہ:

"پاکستان اور خاص طور پر پرویز مشرف نے بش انتظامیہ کے ساتھ خوب فراڈ کیا۔ انہوں نے القائدہ کے متعلق وہ کچھ کیا جس سے بس انتظامیہ خوش ہو جائے اور القائدہ بطور تنظیم، طالبان کو بھی نقصان نہ پہنچائے۔ اِن دونوں کے درمیان جب بھی کوئی بڑی میٹنگ ہوتی تو مشرف جانتا تھا کہ طالبان کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے اور نام نہاد القائدہ لے کر وہ اپنے مقصد حاصل کر لیتا۔ جب کبھی مشرف اور بش کی سربراہی کانفرنس طے پاتی تو پاکستان ہمیشہ سے القائدہ کی تیسری اور چوتھی نمبر کی قیادت کو ہمارے حوالے کر دیتا۔ یہ کام صرف اِس تنقید سے بچنے کے لیے کرتا جو امریکہ کی طرف سے پاکستان کی دوہری پالیسی پر ہو سکتی تھی "۔ (سیکرٹ پاکستان ڈاکومنٹری میں ویڈیو بیان)

امریکی کیمپ پر حملہ آئی ایس آئی کے تعاون سے ہوا۔مائیک مولن، سابق امریکی جوائنٹ چیف آف سٹاف کی دہائی:

کابل میں امریکی کیمپ پر ہونے والے حملے کے بعد ایک پریس کانفرنس میں سابق امریکی جوائنٹ چیف آف سٹاف مائیک مولن نے کہا:

"اس (کابل میں ہونے والے) حملے کو پاکستانی حقانی نیٹ ورک نے پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کے بھرپور تعاون سے بلکہ ان دونوں نے ملکر ان حملوں کو انجام دیا ہے۔ حقانی نیٹ ورک پاکستان کی انٹیلی جنس آئی ایس آئی کے مضبوط بازو کے طور پر کام کرتا ہے۔ آئی ایس آئی کی مدد اور بھرپور تعاون سے حقانی نیٹ ورک نے ٹرک بم حملہ پلان کیا اور اُسے انجام بھی دیا تھا اور اِسی طرح ہمارے سفارتخانے پر حملے کا بھی معاملہ ہے۔ ہمارے پاس ناقابل تردید انٹیلی جنس ثبوت ہیں کہ یہی دونوں ہی 28 جون کو انٹرکوانٹیننٹل ہوٹل کابل پر ہونے والے حملے میں بھی ملوث ہے۔ آئی ایس آئی کے یہ تمام آپریشنز چھوٹے مگر نہایت موثر تھے ۔متشددانہ عسکریت پسندی کو پالیسی کے ہتھیار کے طور پر جن کو پاکستانی حکومت بالخصوص پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی نہ صرف ہمارے مفید سٹریٹیجک اتحاد کو تہہ وبالا کر دیا ہے بلکہ پاکستان کے ہمارے لیے ناقابل احترام اور علاقائی طور پر موثر ہونے کے موقع کو کھو دیا ہے"

حاصل بحث:

قارئین کرام ہماری ان تمام ابحاث سے آپ بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تکفیر کے بےلگام گھوڑے دوڑانے والا یہ گروہ علمی میدان میں کس قدر یتیم ہے کہ جب دلیل بن نہیں پاتی تو عجیب و غریب تاویلات کے ذریعہ سے اپنے غلط موقف کو ثابت کرنے کی سعی کرتے ہیں. عوام کے اندر یہ طبقہ معاملے کا صرف ایک رخ پیش کرتا ہے اور حقیقت کو عوام سے چھپاتا ہے اور ایسا کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مسلمان معاشروں کو خون میں نہلایا جائے اور کہ وہ سرزمین جو کہ پورے عالم کفر کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے اسکی بنیادوں کو کمزور کرکے کفار کے ناپاک عزائم کو پورا کیا جائے۔ آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ فرمائے اور سیدھی راہ پر چلائے۔ آمین

بابِ ہفتم:

مسئلہ الولا والبرا اور عصرِ حاضر کی انتہا پسندی

محترم الشیخ حاتم الشریف حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ إمام الأنبياء والمرسلين وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين ومن تبعهم إلى يوم الدين امابعد!

اُمت مسلمہ اپنی تاریخ کے جدید اور مشکل ترین مرحلے میں اپنی بقاء اور دفاع کی جنگ لڑ رہی ہے۔ اُمت اس وقت ایک چوراہے پر کھڑی ہے وہ اپنے علماء، مفکرین اور فیصلہ سازوں کے تعاون کی محتاج ہے تاکہ وہ اس کے ماضی کی تصحیح، حاضر کی اصلاح اور مستقبل کو روشن کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس سخت مرحلے میں اُمت اور اس کے عقائد سخت دباؤ کا سامنا کر رہے ہیں اگر تائید ربّانی اور قوّت دین وایمان نہ ہوتی تو یہ دباؤ شائد اسے اسکی جڑوں سے ہی اکھاڑ پھینکتا۔

اُمت کے جو عقائد اس وقت اعداءِ اسلام کے تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ان میں سے عقیدہ ''الولاء والبراء'' بھی ہے ان اعداء کے پیچھے بعض مرعوب ومغلوب ذہن کے لوگ بھی شامل ہو گئے اور ان کے پیچھے کئی غالی ومتشدد اور متساہل ومداہنت پسند بھی دفاع میں چلے گئے ہیں۔

یہ معاملہ اس وقت زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے جب بعض غالی وانتہا پسند مسلمان، اس عقیدے میں اِفراط و تفریط میں غلو اختیار کر جاتے ہیں اس وجہ سے یہ عقیدہ ''الولاءوالبراء'' طعن و تشنیع کا ہدف بن جاتا ہے اور اس کے بارے میں نازیبا وناروا الزامات لگائے جاتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس ساری دشمنی کا سبب یہ ہے کہ اعداء اسلام اس عقیدے کی اسلام میں حقیقت کو نہیں جانتے، بلکہ وہ جانتے ہیں کہ اس عقیدہ کا اسلام میں مقام و مرتبہ اور اہمیت کیا ہے ؟وہ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام کا مضبوط قلعہ ہے جو اسے تباہی سے بچاتا ہے اور مسلمانوں کی عزت کا وہ ستون ہے جو اسے دوسرے غیر اسلامی معاشروں میں گھل کر، یا حل ہو کر، مٹ جانے سے محفوظ رکھتا ہے جو معاشرے دین اللہ کے مخالف شرائع و تقالید کے پیروکار ہیں پس انہوں نے اس عقیدے پر فیصلہ کن اور مؤثر حملے کا موقع غنیمت جان لیا کہ اس کو مسلمانوں کی زندگی اور معاشرے سے نکال پھینکا جاسکے۔

اس وقت ہم ایک خوفناک دشمن کا سامنا کر رہے ہیں جو پوری سنجیدگی اور عزائم کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہیں، ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس عقیدے کی اہمیت کو پہچانیں، ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ ہمارے پاس صرف محدود وقت ہے ، آج ہے کل نہیں اور ہم جڑ سے اکھاڑنے والی حقیقی جنگ کا سامنا کر رہے ہیں۔

مضمون میں عقیدہ" الولاءوالبراء" کی حقیقت اور اسلام میں اس کا مقام و حیثیت بیان کی گئی ہے، اسلام کی اعتدال پسندی، مہربانی اور رواداری سے اس کا کوئی معارضہ (ٹکراؤ) نہیں ہے یہ عقیدہ اِفراط و تفریط کے غلو سے بالکل پاک، لاتعلق وبیزار ہے اس موضوع میں پانچ عنوانات کے تحت بات کی گئی ہے۔

1- الولاءوالبراء کے دلائل
2- الولاءوالبراء کی حقیقت
3- اساس ایمان سے اس کا تعلق
4- اسلامی رواداری کے ساتھ اسکی موافقت
5- اس عقیدے میں غلو وانتہا پسندی کے مظاہر اور اس کا ان مظاہر سے برئ الذمہ ہونا

آخر میں بعض ضروری نتائج اور نصائح ذکر کیے گئے ہیں۔

اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کتاب وسنت سے ثابت شدہ دلائل ہی ذکر کیے جائیں، اس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کے اقوال بھی بیان کیے گئے ہیں تاکہ کسی خاص مسلک یا عقیدے کے لوگوں پر الزام نہ لگایا جاسکے، حالانکہ کسی اہل علم سے یہ پوشیدہ نہیں کہ تمام اہلِ قبلہ اس عقیدے پر متفق ہیں بلکہ کسی بھی دین اور مذہب کے پیروکار اس سے لاتعلق نہیں ہوسکتے۔

اللہ سے دعا ہے کہ مقاصد کو درست کر دے، اعمال کو قبول فرمالے، ان کا اجر بڑھا دے اور ان اعمال کا اچھا پھل دنیا و آخرت میں ہمارے نصیب میں کر دے۔

آمین!

پہلی بحث

الولاء والبراء کی حقیقت:

لغوی تعریف:

الولاء: الولی سے ہے اس کا لغوی معنی ہے قریب ہونا اور یہی وہ اصل چیز ہے جس کی طرف اس مادے سے مشتق ہونے والے سب الفاظ کے معنی لوٹتے ہیں۔

البراء: اس کے دو مادے ہیں،

1 برِئَ جس کا معنی ہے دور ہونا، الگ ہونا، علیحدگی اختیار کرنا

2 برَأَ: جس کا معنی ہے پیدا کرنا اور اسی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام ہے (الباریٔ) یعنی پیدا کرنے والا۔

اصطلاحی تعریف :

قرآن وسنت کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عقیدہ الولاءوالبراء، حدبندی کے ساتھ دو معانی رکھتا ہے وہ یہ ہیں:

ا۔ الولاء میں محبت اور مدد کرنا اور البراء میں ان دونوں کے برعکس بغض اور دشمنی رکھنا، کا مفہوم پایا جاتا ہے، اور ان دونوں کے معانی لغوی لحاظ سے کسی پر پوشیدہ نہیں (جیسا کہ ان کا بیان گزر چکا ہے)

ب۔ الولاء شرعی اعتبار سے یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، دین اسلام اور اس کے پیروکار یعنی مسلمانوں سے محبت کرنا اور اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ، دین اسلام اور اس کے پیروکار یعنی مسلمانوں کی مدد کرنا، ان سے تعاون کرنا۔

اور البراء یہ ہے کہ طاغوت سے بغض رکھنا یعنی جس کی اللہ تبارک وتعالی کے سوا عبادت کی جائے اور وہ اس پر راضی ہو، مادی بتوں سے یا معنوی بتوں سے، جیسا کہ خواہشات اور آراء ہیں اور کفر سے (یعنی تمام ادیان باطلہ) اور اس کے پیروکار یعنی کافروں سے بغض اور دشمنی رکھنا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ الولاءوالبراء کے دورکن ہیں یعنی الولاء میں محبت اور مدد کرنا اسی طرح البراء میں بغض اور دشمنی

رکھنا تو ہم یہاں مدد کرنے اور دشمنی رکھنے سے قلبی نصرت اور قلبی عداوت (دشمنی)مراد لیتے ہیں۔یعنی اسلام اور اہل اسلام کی مدد کرنے کی تمنا اور دلی خواہش رکھنا اور اسی طرح کفر اور اہل کفر کو شکست دینے کی دلی خواہش رکھنا۔رہی بات عملی نصرت اور عملی عداوت کی، تو یہ دونوں چیزیں اسی عقیدے کا عملی نتیجہ ہیں لازمی طور پر اس کا اعمل سے ظہور ہو گا۔جیسا کہ گزر چکا ہے۔

دوسری بحث

الولاءوالبراءکے دلائل:

عقیدہ الولاءوالبراء یقینی عقیدہ ہے اس میں کسی قسم کا شک ممکن نہیں کیونکہ اس کا بندے کے ایمان کی بنیاد سے بہت گہرا تعلق ہے اسی وجہ سے اس کے دلائل اتنے زیادہ ہیں کہ گنتی سے باہر ہیں خاص طور پر جب ہم کتاب وسنت میں سے ہر چیز کو جو اس عقیدہ پر دلالت کرتی ہے، اس کے دلائل میں شامل کر لیتے ہیں اسی لیے اس عقیدہ کے اثبات میں کتاب وسنت اور اجماع سے بہت زیادہ دلائل نے ایک دوسرے کو تقویت پہنچائی ہے۔لہذا میں یہاں دلائل کے سمندر سے ایک ہی قطرہ ذکر کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

کتاب عزیز سے دلائل

الولاء کے بارے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾[32]

"تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ (رکوع میں) جھکنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اور ان لوگوں کو دوست بنائے جو ایمان لائے ہیں تو یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو غالب ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[32] ۔ (المائدة:55-56)

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾﴾[33]

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں ،وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ،اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے“

ابن جریرؒ نے کہا:

مومن مرد اور مومن عورتیں ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے ہیں پس ان کا وصف یہ ہے کہ ان کا بعض اپنے بعض کا مددگار اور معاون ہوتا ہے

[33] ۔ (التوبة:71)

البراء کے بارے میں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿28﴾[34]

"ایمان والے، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں (یعنی اللہ اس سے لا تعلق ہے) مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی بھی طرح سے بچنا اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"

ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا:

﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿28﴾[35]

---

[34] (آل عمران :28)

[35] (آل عمران:28)

اس کا معنی یہ ہے کہ [36] اے مومنو! تم کفار کو پشتیبان اور مدد گار نہ سمجھو، تم ان کو دوست بناتے ہو ان کے دین پر اور تم مؤمنین کو چھوڑ کر ان کی مدد کرتے ہو مسلمانوں کے خلاف اور ان کو ان کے راز بتاتے ہو یقیناً جس نے بھی یہ کام کیا "پس وہ اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں"

وہ اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ یہ شخص اللہ سے لاتعلق ہے اور اللہ تعالیٰ اس شخص سے بیزار اور لاتعلق ہیں کیونکہ وہ اپنے دین (اسلام) سے مرتد اور کفر میں داخل ہو چکا ہے۔

﴿إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً﴿28﴾﴾ [37]

"مگر یہ کہ تم ان سے بچو، کسی طرح سے بچنا"

یعنی اگر تم ان کی حکومت میں ہو، تم اپنی جانوں پر ان سے ڈرتے بھی ہو اس حالت میں تم ان سے ظاہری دوستی کر سکتے ہو اور دل میں ان کے کفر کی وجہ سے دشمنی

---

[36] ۔ (آل عمران :28)

[37] ۔ (آل عمران :28)

کو چھپائے رکھو اور ان کے کفر پر ہوتے ہوئے ان کی حمایت نہ کرنا اور نہ ہی کسی بھی طرح کسی بھی مسلمان کے خلاف ان کا تعاون کرنا۔[38]

اس مسئلے میں دلائل بہت زیادہ ہیں یہ دلائل عنقریب آنے والی بحث میں پیش کریں گے ان شاءاللہ۔

سنت کے دلائل

الولاء کے بارے میں:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

[عن نعمان ابن بشير رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : مثل المؤمنين فی توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد، إذا اشتكىٰ منه عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى][39]

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
”مؤمنوں کی باہمی محبت، ایک دوسرے پر مہربانی اور باہمی ہمدردی کی

---

[38]۔ (تفسیر طبری :3155،اور زمخشری ”کشاف “ :1831)

[39]۔ (بخاری الادب:5665،مسلم:2876)

مثال ایک جسم کی طرح ہے جب اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم اسکے لئے ساری رات جاگتا اور بخار میں مبتلا رہتا ہے۔"

[وعن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضه بعضاً و شبک بین اصابعه] [40]

ابو موسی الاشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤمن، مؤمن کے لیے ایک عمارت کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کا بعض، بعض کو مضبوط کرتا ہے۔ اور اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دی۔ (دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا)"

[وعن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما أن رسول الله ﷺ قال:المسلم أخو المسلم :لا یظلمه ،ولایسلمه ۔۔الخ]

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی وہ اس کو اکیلا (بے یار و مددگار) چھوڑتا ہے۔"[41]

---

[40] ۔ (بخاری :6446،مسلم:2585)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

[وعن ابی هريرة رضى الله تعالى عنه قال : قال رسول الله ﷺ : والذى نفسى بيده، لاتدخلون الجنة حتىٰ تؤمنوا، ولاتؤمنوا حتىٰ تحابّوا، أولاأدلكم على شىءٍ إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم] [42]

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ تم مؤمن بن جاؤ اور تم اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے حتیٰ کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو (فرمایا) آپس میں سلام کو عام کرو۔“

البراء کے بارے میں:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

---

[41] ۔ (بخاری :2442-6951،مسلم:2580)

[42] ۔ (مسلم:54،ترمذی:2688)

جب جریر بن عبد اللہ البجلیؓ آپ ﷺ کے پاس اسلام پر بیعت کرنے کے لئے آئے، تو جریرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ مجھ پر شرط لگایئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

[أبايعک علی أن تعبد الله ولا تشرک به شيئاً، وتقيم الصلاة، و تؤ تی الز کوٰة، وتنصح المسلم، وتفارق المشرک (وفی رواية: وتبرأ من الكافر)] [43]

"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے، تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، مسلمان کے لئے خیر خواہی کرے اور مشرکوں کا ساتھ چھوڑ دے" (اور ایک حدیث میں ہے: "اور کافر سے بیزار اور لا تعلق ہو رہے")

اجماع سے الولاء والبراء کے استدلالات:۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ کتاب و سنت میں بالکل واضح ہے اس کے قطعی حکم ہونے پر اجماع ہے کیونکہ اس کے لئے قطعی ثبوت اور دلائل موجود ہیں ۔

[43] (مسند احمد ،رقم 19163،19162،19153)

ا- دلائل کی کثرت اور ان کے تسلسل کی بناء پر یہ ان امور دین میں شامل ہے جن کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اور اسی وجہ سے اس اجماع پر کسی اور دلیل کے محتاج نہیں بلکہ صرف یہی کافی ہے کہ ہم اس کے دلائل، حقائق اور ایمان کی بنیاد سے اس کا تعلق بیان کر دیں تا کہ ہم یقین کر لیں کہ الولاء والبراء پر کُل امت کا اجماع (اتفاق) ہے۔

جیسا کہ امام ابن حزمؒ (المحلیٰ) میں فرماتے ہیں:

اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾﴿51﴾[44]

''اور جس نے بھی تم میں سے ان سے دوستی لگائی تو وہ انہی میں سے ہے''

یہ اس بات میں بالکل واضح ہے کہ جس نے یہ کام کیا وہ ان سب کافروں میں سے ایک کافر ہے یہ بات سچ ہے مسلمانوں میں سے کسی دو کا بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں۔[45]

---

[44] ۔ (المائدۃ :51)

[45] ۔ (محلیٰ ابن حزم :11 138)

اور ہم اس اجماع کی صحت میں کیسے شک کر سکتے ہیں کیونکہ ام القرآن (سورۃ الفاتحہ) میں ہے کہ:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿6﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿7﴾[46]

ہمیں سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے رستے پر، جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غضب کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

مفسرین نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ﴿المغضوب علیھم﴾ سے مراد یہود اور ﴿الضالین﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

تیسری بحث

ایمان کی اصل (بنیاد) سے اس کا تعلق:

جب اسلام اللہ کا دین ہے، باقی سب ادیان باطل ہیں، اسلام ہی ایسا دین ہے جس کے احکامات دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں کے تمام معاملات اور حوائج کو گھیر

46۔ (الفاتحة:6-7)

ے ہوئے ہیں۔ اور مسلمان اسی سے اپنے دلی عقائد، اقوال اور افعال میں فیصلہ چاہتا ہے اور یہی اسلام اس کے انفرادی واجتماعی، مسلمانوں کے ساتھ یا غیر مسلم کے ساتھ تعلقات کی جہت مقرر کرتا اور حد بندی کرتا ہے تو یہ بات لازمی ہے کہ اسلام میں الولاء والبراء کے لئے بہت بڑا مقام ہو بلکہ وہ ایسی جگہ ہونی چاہیے جو ایمان کی بنیادوں سے جڑی ہوئی ہو۔ سو الولاء والبراء کے بغیر ایمان کا باقی رہنا ممکن نہیں۔ عقیدہ الولاء والبراء کا ختم ہو جانا ایسے ہی ہے جیسے کہ ایمان سرے سے ہی ختم ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿81﴾ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿82﴾[47]

"اور اگر وہ اللہ اور نبی ﷺ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہوتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا ہے تو انہیں (یہود و نصاریٰ کو) دوست نہ بناتے اور لیکن ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔ یقیناً تو ان لوگوں کے لئے جو ایمان

---

[47] ۔ (المائدة: 81-82)

لائے ہیں، سب لوگوں سے زیادہ سخت عداوت رکھنے والے یہود کو اور ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے شرک کیا اور یقینا تو ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ان میں سے دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا بے شک ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ بے شک ان میں علماء اور راہب ہیں اور اس لئے کہ بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الایمان" میں اس آیت کے ذیل میں کہا کہ:

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿81﴾﴾[48]

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شرطیہ جملہ ذکر کیا ہے کہ جو شرط کی موجودگی میں مشروط کے نہ ہونے کا تقاضیٰ کرتا ہے۔ فرمایا: "اور اگر وہ اللہ اور نبی ﷺ اور اس پر ایمان رکھتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا ہے تو انہیں دوست نہ بناتے"

پس اس نے اس بات پر دلالت کی کہ ایمان انہیں دوست بنانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہی دل میں دو چیزیں (ایمان اور کافر کو دوست بنانا

---

[48] ۔ (المائدۃ: 81)

)اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ جس شخص نے ان کو دوست بنالیا اس نے اللہ، نبی ﷺ اور جو اس کی طرف نازل کیا گیا ان پر ایمان کے حقوق کو پورا نہیں کیا۔ یہ بات جسے شیخ الاسلام نے بیان کیا ہے اس آیت سے بالکل واضح ہے۔

لہٰذا اصل الایمان اور عقیدہ الولاء والبراء کا بہت گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ خبر ایسے مؤمن کے ایمان کی نفی کرتی ہے۔ جو کافروں کے باوجود انہیں پسند کرتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ واقعی خود اس میں کفر موجود ہو کیونکہ کبھی بھی انسان ایک دل میں دو مخالف چیزیں اکٹھی نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿22﴾[49]

[49] - (المجادلة:22)

"تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس حالت میں نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور انہیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں یاد رکھو! یقیناً اللہ کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

چوتھی بحث

عقیدہ الولاء والبراء اور اسلامی رواداری و فراخ دلی میں موافقت :

عقیدہ الولاء والبراء کے دلائل اور اس کے ایمان کی بنیاد سے تعلق کو بیان کرنے کے بعد یقیناً اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ یہ دین اسلام کی بڑی بنیادوں میں سے ایک ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اسے طرز اسلام کے رنگ میں رنگا جائے۔ اور وہ ہے میانہ روی، رواداری اور نرم دلی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿107﴾﴾[50]

”اور ہم نے تو آپ کو صرف جہانوں پر رحم کرتے ہوئے بھیجا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَي النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴿143﴾﴾[51]

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں سب سے بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بنو اور رسول ﷺ تم پر گواہی دینے والا بنے۔۔ الخ“

اور فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴿78﴾﴾[52]

”اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔“

---

[50]۔ (الانبیاء:107)

[51]۔ (البقرة:143)

[52]۔ (الحج:78)

اور فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴿185﴾﴾[53]

"اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

سو پسندیدہ موازنہ اور قطعی نتیجہ یہ ہے کہ الولاء والبراء جب تک اسلام سے ہے تو وہ میانہ روی، رواداری اور نرم دلی کے ساتھ ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس میں شک نہیں کرے گا اور نہ ہی غیر مسلم، شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہو اور انصاف کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ عقیدہ الولاء والبراء کا میانہ روی، فیاضی اور رواداری کے بنیادی اجزاء سے بالکل کوئی تعارض نہیں اور یہ بات درج ذیل نقاط سے واضح ہو رہی ہے جو زیادہ نہیں صرف الولاء والبراء اور اسلام کی فیاضی کے عدم تعارض کی مثالیں ہیں:

<u>اولاً :</u> اصلی کافروں میں سے کسی ایک کو بھی قبول اسلام کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴿256﴾﴾[54]

---

[53] ۔ (البقرة:185)

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

ثانیاً: ذمی لوگ کسی بھی ملک میں جانے کا حق رکھتے ہیں بغیر استثناء کے جہاں بھی وہ چاہیں، سوائے جزیرۃ العرب کے، اسلامی ممالک سے یا غیر اسلامی ممالک سے ،کسی بھی ملک میں وہ جانا چاہیں ان کے لئے رہائش ہو گی۔ حرم میں سے گزرنے کے علاوہ باقی سب پر اجماع ہے تو اس اختلاف میں بھی راجح، جائز نہ ہونا ہے (کہ یہ ذمی لوگ حرم میں سے گزر بھی نہیں سکتے)

ثالثاً: معاہدے کی پاسداری کرنا، جو ہمارے اور ان کے درمیان طے پایا ہے اگر وہ اپنے وعدے اور ذمے کو پورا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿4﴾﴾[55]

---

[54] - (البقرة: 256)

[55] - (التوبة:4)

''مگر مشرکوں میں سے وہ لوگ، جن سے تم نے عہد کیا پھر انہوں نے تم سے اس عہد میں کچھ کمی نہیں کی (یعنی عہد پورا کیا) اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے''

ابو رافعؓ سے مروی ہے (جب وہ قبطی، عیسائی تھے) انہوں نے کہا: مجھے قریش نے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام (کی محبت) ڈال دی گئی میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ میں ان کی طرف کبھی نہیں لوٹوں گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إنی لاأخیس بالعهد، ولاأحبس البرد، ولکن ارجع، فإن کان فی نفسک الذی فی نفسک الآن، فارجع]

''یقیناً میں عہد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور نہ میں چادر کو روکوں گا، لیکن تو واپس لوٹ جا، اگر تیرے دل میں وہ چیز رہی جو اب ہے تو پھر واپس آجانا''

انہوں نے کہا: میں چلا گیا پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔[56]

ابن حزمؒ ''مراتب الاجماع'' میں کہتے ہیں:

---

[56] ۔ (ابو داؤد :2758، احمد :23857)

علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ وفا ان عہود (معاہدات) کی ہے جن کے جواز اور وجوب پر قرآن نے نص (کھلا حکم) بیان کی ہے ان کی صفات اور نام ذکر کیے ہیں۔ اور اسی طرح سنت میں بیان کیا گیا ہے۔ امت نے ان کے وجوب اور جواز پر اجماع کیا ہے پس ان کی وفا کرنا فرض ہے اور اس (عہد) کا پورا کرنا جائز ہے۔

رابعا: معاہد (وہ کافر جو اہل اسلام سے معاہدہ کے ذریعے دار لکفر سے دارالسلام میں آئے) اور ذمی لوگوں کے خون کی حرمت، جب وہ اپنے ذمے اور عہد کو پورا کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة ، وإن ريحهاتوجد من مسيرة أربعين عاماً]

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اگرچہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔"[57]

اور فرمایا:

---

[57] - (البخاری :3166)

[وعن عمروبن الحمق رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ : ایّما رجل أمن رجلاً علی دمه ثم قتله ،فأنا من القاتل بریٔ ،وإن کان المقتول کافراً]

عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" جس نے کسی بھی آدمی کو اس کے خون (یعنی اس کی جان کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا) پر پناہ دی، پھر اسے قتل کر دیا، تو میں قاتل سے بریٔ الذمہ ہوں اگرچہ مقتول کافر ہی کیوں نہ ہو"[58]

خامساً: اہل الذمہ کے بارے وصیت اور ان کے مال، جان اور عزت کی حفاظت کرنا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[إنکم ستفتحون أرضاًیذکر فیها القیراط، فاستوصوا بأهلها خیراً، فان لهم ذمةً ورحماً]

"یقیناً عنقریب تم ایسی سر زمین کو فتح کرو گے جس میں قیراط[59] ذکر کیا جاتا ہے پس تم اس (کے باشندوں کے بارے حسن سلوک کی میری وصیت کے

58۔ (ابن ماجه الدیات :2688،احمد :224/5)

59۔ قیراط: سونے کے خالص پن کو ناپنے کا معیار ہے۔ کمیت (وزن) کے پیمانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ہیرے، جواہرات اور قیمتی پتھروں کا وزن عام طور پر قیراط میں ناپا جاتا ہے۔

پابند رہنا) کو خیر و بھلائی کی وصیت کرنا، بلاشبہ ان کے لئے ذمہ (جان ومال کی حفاظت کا عہد) اور قرابت (رشتہ داری) ہے" [60]

عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

[أوصى الخليفة من بعدى بذمة الله وذمة رسولهﷺ أن يوفىّ لهم بعهدهم، وأن يقاتل من ورائهم، وأن لايكلّفوا فوق طاقتهم]

"میں اپنے بعد کے خلیفہ کو اللہ کے ذمہ اور اسکے رسول کے ذمہ کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کے عہد کو پورا کیا جائے ان کے ورے (یعنی ان کے جان و مال کی خاطر) لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ کا ان کو پابند نہ کیا جائے"[61]

---

[60] - (مسلم فضائل صحابه :2543)

[61] - (البخارى :1392)

ابن حزمؒ نے اہل الذمہ کی شروط ذکر کی ہیں پھر اس اتفاق کو نقل کیا ہے کہ جب وہ یہ شرط پوری کرلیں "تو تحقیق ہر وہ شخص جس نے اس کو پورا کیا اس کا خون ،مال، اہل اور اس پر ظلم کرنا حرام ہو گیا"[62]

سادساً : دین کا اختلاف قرابت داروں کے حقوق کو ختم نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَـيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا﴿15﴾﴾[63]

"اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں پس تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہ"

اسماء بنت اَبی بکرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

---

62 - (مراتب الاجماع)

63 - (اللقمان:15)

[قدمت علیّ أُمّی، وھی مشرکة، فی عھد قریش إذ عاھدھم ،فاستفیت رسول اللہ ﷺ فقلت : یارسول اللہ، قدمت علیّ أمّی وھی راغبة، أفاصل أمی ؟قال : صِلِی أمّک]

”میری ماں میرے پاس آئی جبکہ وہ دین شرک پر تھی جب آپ ﷺ نے ان (مشرکین) سے معاہدہ کیا ہوا تھا، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، میرے پاس میری ماں آئی ہے اور وہ مجھ سے ملنے کی خواہش مند ہے، کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔“[64]

سابعا: یقیناً نیکی، احسان اور انصاف ہر اس شخص کا حق ہے جو مسلمانوں سے نہیں لڑتا یا ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرتا بلکہ لڑائی کرنے والے کے ساتھ بھی نیکی کرنا اور احسان کرنا جائز ہے بشرطیکہ یہ اسے مسلمانوں کے خلاف لڑائی اور ان کی ایذاءرسانی پر طاقتور نہ بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿8﴾ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ

64 - (بخاری :5978، 3183، 2620، مسلم:1003)

عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿9﴾

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں منع کرتا جنہوں نے نہ تم سے دین کے بارے جنگ کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اوران کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں ان لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہیں نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں"[65]

بلاشبہ عدل وانصاف تو ہر ایک کا حق ہے اور ہر ایک کے لئے فرض وواجب ہے حتیٰ کہ اس شخص سے بھی عدل کرنا اس کا حق ہے جس سے ہم حق کی خاطر بغض رکھتے ہیں، مثلاً؛ ان کفار سے جو ہم سے دشمنی کرتے ہیں اور ہم سے لڑائی بھی کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[65] ۔ (الممتحنہ :9،8)

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿8﴾

”اے لوگو، جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو“[66]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿190﴾[67]

”اللہ کے رستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“

---

[66] - (المائدہ:8)

[67] - (البقرة:190)

اسی وجہ سے ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ جس شخص نے ہم سے خیانت کی ہم اس سے خیانت کریں کیونکہ خیانت اور دھوکہ دینا، عدل وانصاف سے نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أدّالأمانة إلٰى من ائتمنک،ولا تخن من خانک]

''جب کوئی شخص تمہارے پاس امانت رکھوائے تو تم اس کی امانت ادا کرو اور جب کوئی شخص تم سے خیانت کرے تو تم اس سے (انتقاماً) خیانت نہ کرو''[68]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے مظلوم کی بد دعا سے ڈرایا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[اتقوادعوۃالمظلوم،وإن کان کافراً،فإنہ لیس دونها حجاب]

''تم مظلوم کی بد دعا سے بچو، اگرچہ وہ کافر ہو، بات یہ ہے کہ اس کی دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں''[69]

---

68 - (الترمذی ، البیوع:1264،ابوداؤد:3529)

69 - (احمد:153/3)

غیر مسلموں کے ساتھ عدل کی فرضیت پر اسلام نے بہت زیادہ تاکید کی ہے اور عدل تو کی خوبی ہے مسلمان ان اخلاق اور آداب کے ساتھ غیر مسلم سے پیش آئیں ۔ان کی کتاب اور ان کے نبی ﷺ کی سنت اسی چیز کا حکم دیتی ہے اور یہ ہمیشہ سے اللہ کے دین سے ہیں۔ پس یہ بات ممکن ہی نہیں کہ یہ حکم اللہ کے دین میں ایک دوسرے حکم (یعنی الولاءوالبراء) سے ٹکرائے یا متعارض ہو۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض جاہلوں نے یہ سمجھ لیاہے کہ ان آداب اورالولاءوالبراء میں تعارض (ٹکراو) ہے اور مسلمان کے لئے ان سب پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں پھر بعض لوگوں نے آداب کا خیال رکھتے ہوئے الولاءوالبراء میں کوتاہی کر دی اور کچھ لوگوں نے اس طرح تطبیق (بظاہر آپس میں ٹکرانے والے دو احکام کی تشریع اس طرح کرنا کہ ٹکراو ختم ہو جائے) دینے کی کوشش کی کہ الولاءوالبراء میں غلو کر دیااور آداب واخلاق میں کوتاہی کی طرف مائل ہو گئے حالانکہ اللہ کا دین تو بین بین (معتدل) ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے نہ غلو (انتہا پسندی) ہوتا ہے، اور نہ چھوڑتے ہوئے بے رخی ہوتی ہے۔

الولاءوالبراء کے ساتھ ان آداب کے عدم تعارض کا بیان:

جب ہم چاہتے ہیں کہ یہ آداب اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوں اور شرعی طریقہ سے ہوں تو پھر ہم پر یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت

کو (کفار سے ان کے کفر کی وجہ سے بغض رکھتے ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی مدد نہ کرتے ہوئے) لازم پکڑیں ہم ان آداب کو کفار سے محبت کرتے ہوئے نہیں بلکہ عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

امام قرافیؒ نے "کفار سے دوستی نہ کرنے کے حکم اور اہل السنہ سے نیکی واحسان کرنے کے حکم" کے درمیان فرق کو بیان کرنے کے لئے ایک فصل باندھی ہے ۔انہوں نے اس بارے میں کہا: جب ذمیوں کے معاہدے کا معاملہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے تو ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہر اس طریقے سے نیکی کریں جس سے دلی محبت اور کفر کے شعائر کی تعظیم کرنا ظاہر نہ ہو رہا ہو اور جب یہ محبت و تعظیم ان دونوں میں سے کسی ایک تک بھی پہنچ جائے تو یہ کام ناجائز قرار پاتا ہے کیونکہ اس سے (آیت کریمہ میں بھی اور اس کے علاوہ بھی) منع کیا گیا ہے۔ پھر انہوں نے کچھ باتیں ذکر کر کے واضح کیا کہ حرام تو دلی محبت ہے

حبّ قلبی (دلی محبت) غیر مسلموں کے ساتھ ہونا ایک معمولی چیز نہیں، کبھی یہ الولاء والبراء کو بنیادوں سے اکھیڑ دیتی ہے اور ایسا کرنے والا صرف اسی کی وجہ سے کافر قرار دے دیا جاتا ہے، کبھی یہ الولاء والبراء میں کمی کر دیتی ہے اور اسے توڑتی نہیں، اس صورت میں یہ ایسی معصیت ہے جو ایمان کو کم کرتی ہے، ایمان کی نفی نہیں کرتی

اور کبھی یہ کمال ایمان اور عقیدہ الولاء والبراء کو بالکل متأثر نہیں کرتی کیونکہ یہ اس وقت مباح (جائز) امور میں سے ہوتی ہے ایسی حب قلبی جو الولاء والبراء کو توڑ دیتی ہے اور ایمان کی سرے سے ہی نفی کر دیتی ہے وہ ایسی محبت ہے جو کفار سے ان کے کفر کو پسند کرتے ہوئے کی جائے۔

وہ حب قلبی جو تباہی کی حد تک تو نہیں پہنچتی لیکن ایمان کو کم کر دیتی ہے اور عقیدہ الولاء والبراء رکھنے والے کی کمزوری کو واضح کرتی ہے۔ یہ محبت وہ ہے کہ کسی مسلمان یا کافر سے اس کے فسق یا نافرمانی کی وجہ سے محبت کی جائے۔ یہ گناہ ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ کفر کے درجہ تک نہیں پہنچتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایمان کی اصل کے منافی نہیں کیونکہ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسا شخص ضرور رہا ہے جو معاصی کو پسند کرتا ہے اور اس کا مرتکب بھی ہوتا ہے پھر اہل سنت میں سے کسی نے بھی اسے کافر قرار نہیں دیا۔ یہ محبت کبھی کبیرہ گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ ہوتی ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا، یہ کمی بیشی محبوب اور اس کی معصیت کے مطابق ہوتی ہے۔

جس شخص نے کسی سے اس کے کبائر کے مرتکب ہونے کی وجہ سے محبت کی تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور جس نے کسی سے اس کے صغائر کے مرتکب ہونے کی وجہ سے محبت کی تو یہ بھی گناہ ہے لیکن اس کے صغیرہ ہی کی طرح ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ یہ بحث بالکل واضح ہے اصل مقصد اللہ کی توفیق سے بیان کر دیا گیا ہے۔

وہ محبت جو مباح ہے وہ طبعی محبت ہے اور یہ گزشتہ اقسام سے مختلف ہے،

مثلاً: والد کا اپنے کافر بچے سے محبت کرنا، یا بچے کا اپنے کافر والدین سے محبت کرنا، یا آدمی کا اپنی کتابیہ (اہل کتاب) بیوی سے محبت کرنا، یا آدمی کا اس شخص سے محبت کرنا جس نے اس پر احسان کیا ہو خواہ وہ کافر ہو تو یہ محبت مباح ہے جب تک یہ کافروں سے ان کے کفر کی وجہ سے، فاسقوں سے ان کے فسق کی وجہ سے اور نافرمانوں سے ان کی نافرمانی کی وجہ سے بغض فی اللہ (رضائے الٰہی کے لیے) کو متأثر نہ کرے لیکن جب یہ محبت اس بغض رکھنے میں اثر انداز ہو تب یہ سابقہ دو ممنوعہ قسموں میں سے ایک قسم بن جاتی ہے جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

کافر سے طبعی محبت ایمان کو متأثر نہیں کرتی اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس شرط کے ساتھ مباح ہے جس کا آگے ذکر آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے حالت کفر میں مرتے وقت آپ ﷺ کی حالت کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ﴿56﴾﴾

"بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے"[70]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اپنے کافر چچا سے محبت کو برقرار رکھا اور اس محبت پر کوئی ڈانٹ نہیں پلائی اور نہ ہی اس پر ملامت کی تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ محبت کمال ایمان کے منافی نہیں اور یہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے جبکہ یہ محبت دنیا کے اکمل الایمان آدمی (رسول اللہ ﷺ) کے سینہ اطہر میں بھی موجود تھی۔

---

[70] - (القصص:56)

پانچویں بحث

عقیدہ الولاء والبراء میں غلو (شدت اور انتہا پسندی) کے مظاہر اور اس کی ان سے برأت:

الولاء والبراء میں غلو کی دو صورتیں ہیں۔

1 حد سے تجاوز کرنے میں غلو۔

2 کوتاہی کرنے میں غلو۔

حد سے تجاوز کرنے میں غلو کے مظاہر:

اس کے دو نمایاں مظہر ہیں۔

پہلا مظہر: الولاء والبراء میں تکفیر کی شرائط کو نہ سمجھنے کے سبب ان ظاہری اعمال کی وجہ سے تکفیر کرنا (کافر قرار دینا) جو الولاء والبراء کے واجبات کے مخالف ہیں۔

پیچھے گزر چکا ہے کہ الولاء والبراء میں دل سے عمل کا ہونا تکفیر کی شرط ہے مثلاً: کافر سے اس کے کفر کی وجہ سے محبت یا دین اسلام کے خلاف دین کفر کی مدد

کرنے کی تمنا کرنا کفر ہے رہی بات صرف عملی مدد کی، جو مسلمانوں کے خلاف کفار کے لئے ہو تو اس اکیلی (عملی مدد) سے کافر قرار دینا ممکن نہیں، اس احتمال کی وجہ سے کہ یہ مدد کرنے والا، ہمیشہ دین اسلام سے محبت اور اس کی مدد کرنے کی دلی تمنا اور خواہش رکھتا ہو۔ لیکن اس کے ایمان کی کمزوری نے اسے ایسا بنا دیا کہ وہ کسی دنیاوی معاملے اور مصلحت کو آخرت پر مقدم رکھتا ہے اس بات کی دلیل حاطب بن اَبی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔

" انہوں نے کفار مکہ کو چوری چوری خط لکھا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے ارادے کی خبر کر دی کہ وہ آپ لوگوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں اس کا نبی ﷺ کو علم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس عورت سے خط لانے کے لئے صحابہ کو بھیجا جو کفار کو پہنچانے جا رہی تھی اور حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا، اور اسے فرمایا: (اے حاطب! یہ کیا ہے ؟) انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھ پر جلدی نہ کیجیے، میں قریش کے ساتھ رہتا تھا (ان کے حلیف تھے، ان میں سے نہیں تھے) آپ کے پاس جتنے مہاجرین موجود ہیں ان کے وہاں رشتہ دار موجود ہیں جو ان کے گھر بار اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا، قریشیوں کے ساتھ میری رشتہ داری تو نہیں چلو ان پر کوئی احسان ہی کر دیتے ہیں جس کی بناء پر وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں اور میں نے یہ کام مسلمان ہونے کے بعد، نہ کفر کو پسند کرتے ہوئے کیا اور نہ ہی دین سے ارتداد اختیار کرتے

ہوئے کیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: (سچ کہا ہے) سیدنا عمرؓ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دیجیے، اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس منافق کی گردن اڑادوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً یہ بدری ہے اور تجھے نہیں پتا۔۔۔امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدریوں کو معاف کر دیا ہو اور فرمایا ہو: تم جو مرضی عمل کرو یقیناً میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے"[71]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے صراحت کرتے ہوئے فرمایا:

"حاطب بن أبی بلتعہؓ سے جو کام سرزد ہوا وہ گناہ ہے کفر نہیں"[72]

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ عملی نصرت گناہ ہے لیکن صرف اسی کا ہونا کفر نہیں کیونکہ حاطبؓ سے جو سرزد ہوا وہ مدد تھی محبت نہیں تھی اس کے باوجود اس عمل نے اسے کافر نہیں بنایا کیونکہ یہ اسلام کے خلاف دین کفار کی مدد کی تمنا کی بناء پر نہیں تھا۔

---

[71]۔ (البخاری ۔الجهاد والسير :2845)

[72]۔ (مجموع الفتاویٰ:5227،523)

اسی طرح سھل بن بیضآء کی حدیث ہے، یہ مکہ میں مسلمان ہوئے، اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا پھر مشرکین کے ساتھ بدر میں بھی نکلے اور قید ہو گئے بنی ﷺ نے فرمایا:

[لاینفلتن منهم أحد إلا بفداء أو ضربه عنق]

”ان میں سے کوئی فدیہ دے کر یا پھر قتل ہوئے بغیر جانے نہ پائے۔“

تو ابن مسعودؓ نے فرمایا:

[یارسول الله، إلا سهل بن بیضاء، فإنی قد سمعته یذکر الإسلام فقال رسول اللهﷺ بعدسکتة: إلا سهل بن بیضاء]

اے اللہ کے رسول ﷺ !سوائے سھل بن بیضآء کے، بلاشبہ میں نے اسے سنا ہے وہ اسلام کا ذکر کیا کرتا تھا تو نبی ﷺ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: سوائے سھل بن بیضآء کے“[73]

دوسرا مظہر: کفار سے برأت کا غلط مفہوم

[73] ۔ (الترمذی تفسیر القرآن :3084،احمد:384/1)

یہ ذمیوں اور معاہدوں کے خون یا اموال یا معاملات کو مباح سمجھنے کی طرح ہے بغیر کسی ایسے سبب کے جو اسے جائز قرار دے، صرف اس دعوے کی بناء پر کہ یہ سختی "الولاء والبراء" کا تقاضا ہے باوجودیکہ ان ذمیوں، معاہدوں کے ساتھ نرمی وشفقت کا حکم دیا گیا ہے بشرطیکہ اس سے مسلم پر کافر کی برتری نہ ظاہر ہو۔ جیسا کہ گزر چکا ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس کام (خون کو مباح سمجھنا، سختی اور تشدد کرنا) کا "الولاء والبراء" سے کوئی تعلق نہیں بلکہ (البراء) ان کاموں سے بری اور بیزار ہے ۔عقیدہ "الولاء والبراء" کی رواداری کا بیان اور شارع کا ان غیر محارب کفار کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کا حکم اور محارب کے ساتھ عدل کرنے کے حکم کے ساتھ، عدم تعارض کا بیان گزر چکا ہے۔

اس مظہر میں غلو کرنے والے دو اسباب میں سے ایک کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں اور ان دونوں اسباب میں اصل بات یہی ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کو صحیح طریقے سے سمجھا ہی نہیں اور اس کو سمجھنے میں کمزور رہے۔ وہ دونوں یہ ہیں۔

<u>الاول:</u> عقیدہ الولاء والبراء کی وضاحت کے ساتھ قرآن وسنت کے دلائل کا مطالعہ نہ کرنا حالانکہ (شریعت) نے اخلاق وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک پہلو کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسرے پہلو کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو پیچیدہ سمجھتے ہیں یہ روش ان کو البراء کی

غلط تشریح کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ وہ بغیر قواعد وضوابط کے چل رہے ہیں
۔

الثانی: مصالح اور مفاسد کا خیال نہ رکھنا کیونکہ نقصان کو دور کرنا، فائدہ حاصل کرنے
پر مقدم ہے، چاہے دو نقصان دہ چیزوں میں سے زیادہ سخت نقصان والی چیز کو کم
نقصان والی چیز سے دور کیا جائے۔ جیسے زیادہ نقصان والے مرض کو کم نقصان
والے آپریشن سے دور کیا جاتا ہے۔

مصالح اور مفاسد کو سمجھنا فقہ الاسلامی کے مسائل میں سے بہت عظیم مسئلہ ہے
بلکہ ساری شریعت ہی اسی بارے میں ہے اسی وجہ سے اس کو جاننا اور اس مسئلہ کی صحیح
تطبیق کرنا سارے لوگوں کا کام نہیں صرف علمائے ربانیین اور اللہ تعالیٰ کے دین میں
فقاہت وبصیرت رکھنے والے ہی اس مسئلے کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں غلو کرنے
والوں کا سخت رویہ اس وجہ سے ہے کہ مسلمان آج کے دن بڑی کمزور حالت میں
زندگی بسر کر رہے اور غیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں مال ودولت کے لالچ، دنیا سے
محبت اور موت سے نفرت نے انہیں اس حال تک پہنچایا ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس
کمزور حالت کے لئے ایسے احکام اور عذر موجود ہیں جو اسلام اور اہل اسلام کی غلبہ والی
حالت کے لیے نہیں، اس لئے یہ بات صحیح نہیں کہ ہم کمزور سے اس چیز کا مطالبہ کریں
جس کا مطالبہ ہم غالب اور طاقت ور اہل اسلام سے دشمن کے لیے کرتے ہیں۔

کوتاہی کرنے میں غلو کے مظاہر:

الاول: عقیدہ الولاءوالبراء کے ساتھ جھگڑنا اور اس کے بالکل ہی ختم کر دینے کے مطالبے کرنا، اس دلیل کی بناء پر کہ یہ دوسروں کے لئے بری ثقافت[74] کی بنیاد ہے، غلو اور انتہا پسندی کی آگ کو بھڑکانا ہے اور یہی لوگ اگر اس "الولاءوالبرا ء" کا ارادہ کریں جو ان آیات اور احادیث نبویہ میں وارد ہوا ہے، "امت کا اس پر اجماع ہے اور وہ دین کے ایسے امور سے ہے جن کا جاننا لازمی وضروری ہے تو ہمارا ان سے بالکل جھگڑا ہے ہی نہیں۔ ہم تو انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جب وہ اسے قبول کر لیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو ان کے دل اسی وقت شرعی "الولاءوالبراء" سے لبریز ہو جائیں گے اور وہ انہیں اسی چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اسکا (الولاءوالبراء کا) تعلق ایمان کی اصل سے ہے (جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے)

الثاني: کفار کی عادات اطوار کو مسلمانوں میں رائج کر کے صحیح اور شرعی "الولاءوالبراء" کے مظاہر سے جھگڑنا۔

---

[74] ۔ یعنی اس سے غیر مسلمین کے لیے اہل اسلام کے اچھے آداب و اخلاق کا تصوّر پیدا نہیں ہوتا

قرآن وسنت کا بہت سا حصہ عقیدہ "الولاءوالبراء" کے احکام پر مشتمل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے شریعت قرار دیا ہے جو کفار سے مشابہت کی ممانعت پر بلکہ ان کے ساتھ مخالفت کے حکم پر مبنی ہیں، موجودہ اور گزشتہ علماء نے اس پر بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔

یہ احکام الٰہی صرف مسلمانوں کے دل میں کفار سے برأت کو پختہ کرنے کی غرض سے ہیں یہ عقیدہ جب زندگی میں نہ ہو تو پھر کھوکھلی فکروں اور لامتناہی وبے مقصد خیالات کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا۔

پس "الولاءوالبراء" کے مظاہر کی صحیح تطبیق[75] ہی شریعت ہے اسے لازم پکڑتے ہوئے اور عمل کیے بغیر کوئی راہ نہیں اور اگر ایسا نہ کیا تو پھر ہم ان یہودیوں کی طرح ہیں جو بعض کتاب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

ایک مسلمان یہ بات کیسے پسند کرتا ہے کہ اس کا معاشرہ دوسرے معاشروں میں گھل مل جائے وہ اپنی تہذیب وثقافت اور تاریخ سے نکل جائے یا تہذیب کفر تہذیب پر غالب آجائے، کیا یہی اپنی امت سے انصاف ہے یا دشمنوں کے ایجنٹ ہونے کی دلیل ہے۔؟

---

[75] ۔ درست موقع و محل پر نفاذ

اختتام

بحث کے اہم نتائج:

1 الولاء والبراء کی تعریف: اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ، اس کے دین اور مسلمانوں سے محبت کرنا اور ان کی مدد کرنا۔ طاغوت[76] اور کافروں سے بغض اور دشمنی رکھنا۔

2 اس عقیدہ پر قرآن وسنت سے قطعی دلائل ونصوص موجود ہیں اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے۔

3 عقیدہ "الولاء والبراء" ایمان کی بنیاد سے جڑا ہوا ہے ولاء اور براء کے بغیر ایمان رہتا ہی نہیں اور اس کے بغیر تو اسلام اور مسلمانوں کا وجود بھی ممکن نہیں۔

4 "الولاء والبراء" مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر دین اور مذہب کے متبعین اپنے دین کے حوالے سے دوستی اور دشمنی کا یہی اصول اپناتے ہیں کہ جس کے بغیر، انسان کی اپنے عقائد ونظریات سے وفاداری ممکن نہیں۔

---

[76]۔ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب فرماتے ہیں "ہر وہ شخص جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہو، چاہے وہ معبود بن کر ہو، پیشوا بن کر ہو یا اللہ یا اس کے رسول کی اطاعت سے بے نیاز، واجب اطاعت بن کر ہو، طاغوت کہلاتا ہے۔ (الجامع الفرید 256:)

5 "الولاءوالبراء" ایک فطری تقاضا ہے جو ہر انسان کی ذات میں راسخ کیا گیا ہے۔ جب تک لوگوں میں عقائد و مناہج کا اختلاف ہے تب تک اس کا زمین پر باقی رہنا ضروری ہے۔

6 یہی "الولاءوالبراء" جب اسلام میں آتی ہے تو اسے رواداری، نرمی، میانہ روی کے رنگ میں رنگنا ضروری ہے۔

7 "الولاءوالبراء" کسی کافر سے اس کی دینی آزادی سلب نہیں کرتی اور نہ ہی اسے حرم کے علاوہ کسی بھی مسلمان ملک میں نقل مکانی کے حق سے محروم کرتی ہے۔ اسے جزیرہ العرب کے علاوہ، کسی بھی مسلم ملک میں سکونت پذیر ہونے کا اختیار حاصل ہے اور نہ ہی یہ ذمیوں اور معاہدین کے خون، انکے اموال اور انکے عزت و اکرام کی اس حرمت کو پامال کرتی ہے جو دین نے بیان کی ہے۔ (اہل ذمہ کے ساتھ آپ ﷺ کی حسن سلوک کی وصیت، ان کے ساتھ نرمی، کافر رشتہ دار کے حقوق کی ادائیگی اور محارب کافر کے ساتھ عدل و انصاف کا عمل، کوئی بھی چیز "الولاءوالبراء" سے متاثر نہیں ہوتی اور یہ ان کے آڑے نہیں آتا بشرطیکہ اس سے کفار کا اسلام پر غلبہ ظاہر نہ ہوتا ہو۔)

8 "الولاءوالبراء" کا عقیدہ ایسا نہیں جس سے مسلمان شرمندہ ہوں بلکہ یہ تو عین منصافانہ مطالبہ ہے کوئی بھی دین جو اپنے متبعین کے لئے عزت و غلبہ چاہتا ہو وہ اسی کو اپنا نظریہ اور اصول بنائے گا۔

9 "الوالاءوالبراء" میں غلو کرنا ایسی غلطی ہے کہ جس کا صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص تعلق نہیں بلکہ یہ ظاہری سی بات ہے کہ اس سے کوئی بھی انسانی معاشرہ نہیں بچا، چاہے اسکا تعلق کسی بھی دین سے ہو، ہر مذہب میں انتہاء پسندی پائی جاتی ہے۔

10 "الولاءوالبراء" میں جو حد سے تجاوز کرنے میں غلو کرنے والے ہیں ان کے غلو کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے تکفیر کی شرائط کو سمجھا ہی نہیں اور انہیں غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں البراء کے شرعی ضوابط کا علم نہیں ہے۔

11 کوتاہی کرنے میں غلو کرنے والے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ یا ان کے دلوں میں ایمان نہیں یا وہ الولاءوالبراء کی شرعی اور صحیح حقیقت سے ناواقف ہیں یا وہ اہل مغرب کے سامنے ذہنی ونفسیاتی طور پر شکست کھا چکے ہیں۔

نصائح

کچھ اہم باتیں:

1. "عقیدہ الولاء والبراء" کو مسلمانوں میں مکمل طور پر پختہ کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں کی بقاء نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو ان کے دوسرے مذاہب میں تحلیل ہو جانے سے بچاو کی چار دیواری ہے۔
2. "الولاء والبراء" کی حقیقت کا مسلمانوں کو سمجھنا واجب ہے کہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ شرعی ضابطہ ملحوظ رکھتے ہوئے، معاملات میں شفقت اور نرمی معانع نہیں۔ اسے مختلف ذرائع ابلاغ سے پھیلانا ضروری ہے۔
3. "الولاء والبراء" کی حقیقت کی بنیاد پر مغرب کا مقابلہ کرنا لازمی ہے اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے مسلمان شرمندہ ہوں۔
4. براءت کے اس مفہوم کو پختہ کرنا کہ اس عقیدے کی رو سے کافروں سے برئ الذمہ اور بیزار ہونا ضروری ہے نہ کہ ان پر ظلم وزیادتی کرنا مقصود ہے

۔

ہٰذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب

والحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسو ل اللہ وعلی آلہ واصحابہ ومن والاہ

کتبہ / د۔ الشریف حاتم بن عارف العونی

باب: ہشتم

طاغوت

الشیخ ابو محمد السلفی حفظہ اللہ

طاغوت:

یہ طغیان سے مشتق ہے، جس کا معنی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

قرآن مجید میں ہے

انا لما طغیٰ الماء

ترجمہ: جب پانی حد سے تجاوز کر گیا۔ (الحاقہ: 11)

فاهلكوا بالطاغية

ترجمہ: وہ (قوم ثمود) حد سے بڑھی ہوئی (آواز) سے ہلاک کر دئے گئے (الحاقہ: 5)

اسی سے یہ محاورہ ہے "طغى البحر" سمندر میں طوفان آگیا

طاغوت کا مفہوم متقدمین مفسرین کی نظر میں:

مقاتل بن سلیمان البلخی (المتوفی: 150ھ)

مقاتل بن سلیمان البلخیؒ طاغوت کی اقسام کے بارے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

الوجہ الاول:

الطاغوت على ثلاثه اوجه،الوجه الاول الطاغوت یعنی به الشیطان فذالک قوله فی البقر فمن یکفر بالطاغوت(یعنی الشیطان):ویؤمن بالله(البقرہ:256)

نظیرمافی النساء والدین کفر و ایقاتلون فی سبیل الطاغوت(النساء:76)یعنی فی طاعة الشیطان نظیر ما فی المائده وعبد الطاغوت(المائدہ:60)یعنی الشیطان۔

الوجہ الثانی:

الطاغوت یعنی به الاوثان التی تعبد من دون الله تعالیٰ مذالک قوله فی النحل ان اعبدو الله واجتنیبو الطاغوت(النحل:36)یعنی عبادة الاوثان نظیر مافی الزمرقوله والذین اجتنبو الطاغوت ان یعبدوها وانا بو الی الله(17)یعنی والذین اجتنبو اعبادة الاوثان وانا بو الی ربهم۔

الوجہ الثالث:

الطاغوت یعنی به کعب بن الاشرف الیهودی حذاک قوله فی البقرة والذین کفروا اولیا ء هم الطاغوت یعنی کعب بن الاشرف الیهودی(یخرجو هم من النور الی الظلمات) (257)نظیر ما فی لانساء لتحر{الم ترالی الذین اوتوا نصیبامن الکتاب }یعنی الیهود یومنون

بالجبت والطاغوت یعنی وقال فیها{یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت}یعنی کعب بن اشرف

الوجوہ النظائر فی القرآن الکریم ص 177مرکز جمعۃ الماجد دبئی الطبعۃ الاولی

ترجمہ:

پہلی قسم:

طاغوت سے مراد شیطان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں ہےفمن یکفر بالطاغوت(یعنی شیطان)ویومن باللہ(البقرہ:256)جو کوئی انکار کرے گا اس طاغوت سے یعنی شیطان سے،اسی کی مثل سورۃ النساء میں ہے"والذین کفرویقاتلون فی سبیل الطاغوت" (76)اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں(یعنی شیطان کی اطاعت میں لڑتے ہیں)اور اسی طرح سورۃ المائدہ میں ہے "وعبدالطاغوت"(60) اور انہوں نے طاغوت کی عبات کی(یعنی شیطان کی عبادت کی)

دوسری قسم:

طاغوت سے مراد سورۃ النحل میں ہے"ان اعبدوالله واجتبو الطاغوت(36)اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو (یعنی بتوں کی عبادت سے بچو)اس کی مثل سورۃ زمر میں فرمان باری تعالیٰ ہے"والذین اجتنبو الطاغوت ان یعبد وھاوانا بوا الیٰ الله(17)اور جن لوگوں نے طاغوت سے اجتناب کیا کہ اس کی عبادت کریں اور اللہ کی طرف رجوع کیا(یعنی وہ لوگ جو بتوں کی عبادت سے بچے اور اللہ کی طرف رجوع کیا)

تیسری قسم:

طاغوت سے کعب بن اشرف یہودی ہے جس کی دلیل سورۃ البقرہ میں واقع اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے"والذین کفر و اولیا ء ھم الطاغوت(257)اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں(یعنی کعب بن اشرف)اسی معنی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ النساء میں"الم ترالی الذین اوتو انصیبا من الکتاب بومنون بالجیبت والطاغوت(51)کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا(یعنی یہودیوں کو)وہ بتوں اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں(یعنی کعب بن اشرف پر)اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں فرمایا"یریدون ان یتحاکمو الی الطاغوت(60)وہ چاہتے ہیں کہ آپس کے فیصلے طاغوت کے پاس لیجائیں(یعنی کعب بن اشرف کے پاس لے جائیں)

الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم صفحہ 77(مرکز جمعۃ الماجد دبئی الطبعۃ الاولیٰ)

امام ابو عبد اللہ الحسین بن محمد الدامغانی (المتوفی 478ھ)

انہوں نے اپنی کتاب الوجوہ والنظائر لالفاظ کتاب اللہ العزیز میں صفحہ 319،320 پر طاغوت کی تفسیر شیطان، اوثان اور کعب بن اشرف یہودی کے ساتھ کی ہے۔

(المکتبۃ المعروفیہ کاسی روڑ کوئٹہ پاکستان)

امام عبد الرحمٰن ابن الجوزی (المتوفی 597ھ)

انہوں نے بھی طاغوت کی یہی اقسام بیان کی ہیں۔

(نزھۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ طبع، موسۃ الرسالہ بیروت)

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں:

الطاغوت اسم ماخوذ من الطغیان والطغیان مجاوزہالحد وقد سمی الکافر طاغوتا ویسمی بذالک الساحر

الصنم والشیطانوکلماوردمنالجنوالانسقالابنقتیبة کل معبود من حجر اوصورة او شیطان فھو جبت وطاغوت وکذالک حکمی الزجاج عن اھل اللغة

(نزھۃ الاعین النواظر ص:410)

طاغوت کا لفظ طغیان سے ماخوذ ہے اور طغیان کا معنی ہے حد سے گزر جانا اور بسا اوقات کافر کو بھی طاغوت کہہ دیا جاتا ہے اور اسی طرح جادو گر، بت، شیطان اور جنات اور انسانوں میں ہر وہ چیز جس کے بارے میں یہ لفظ بیان ہوا ہے اس کو طاغوت کہہ دیا جاتا ہے، اور امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں ہر وہ معبود خواہ وہ پتھر ہو، تصویر ہو یا شیطان وہ جبت اور طاغوت ہے۔ اور اسی مفہوم کو امام نہ جاج نے اہل لغت سے بیان کیا ہے۔

طاغوت کی تعریف:

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں افتاء اور اس کی شروط، مفتی اس کی قابلیت اور فتویٰ دینے کا طریقہ اسے افراد جو کتاب وسنت کی واضح نصوص کے مقابلہ میں محض رائے سے فتویٰ دیتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے طاغوت کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

"والطاغوت كل ما تجاوز به العبد حده من معبود او متبوع او مطاع فطاغوت كل قوم من يتحاكمون اليه غير الله ورسوله او يعبدونه من دون الله او يتبعونه على غير بصيرة من الله او يطيعونه ميفما لا يعلمون انه طاعة لله

(اعلام الموقعین ص44 مطبوعہ دار طیبہ ریاض، مترجم ص 52 جلد 1 مطبع مکتبہ قدوسیہ)

"اور طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی حد تجاوز کر جائے خواہ عبادت میں یا اتباع میں یا اطاعت میں ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے فیصلہ کے لیے رجوع کرتے ہیں یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں یا اللہ کی طرف سے دی ہوئی بصیرت کے بغیر اس کی پیروی کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سواء اس کی اطاعت ہے"

امام ابن قیم کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ مفتی یا عالم قاضی یا کسی گروپ کا وہ لیڈر جس کی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کے مقابلے میں اطاعت، اتباع اور بندگی کی جائے وہ طاغوت کی زمرہ میں آتا ہے۔

لہذا وہ تمام اہل الرائے کے مفتی، مولوی، پیر و مرشد بھی طاغوت کی تعریف میں شامل ہو جائیں گے جن کا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مقابلے میں ہو گا۔ ایسے فتوے ماننے والے طاغوت پرست کہلائیں گے۔

قرآن مجید نے اس لفظ کو مختلف مقامات پر استعمال کیا ہے اور ہر جگہ اس کے مقابل کا ذکر کر کے اس کے مختلف مفہوموں پر روشنی ڈالی ہے مثلاً سورۃ البقرۃ آیت نمبر 256 میں ہے۔

"فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ"

یہاں اللہ کے تقابل میں واضح ہے کہ طاغوت سے مراد ماسوا اللہ ہے اور سورۃ آیت نمبر 36 میں ہے۔

"ان اعبداللہ واجتنبو الطاغوت"

یہاں بھی اللہ کے سواء معبودان باطلہ مراد ہیں۔

"الذین امنو یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت"(النساء:76)

اس کے فورا بعد فرمایا:

"فقاتلوا اولیاء الشیطان"

جس سے متعین ہو گیا کہ طاغوت سے مراد شیطان ہے اور شیطان کا لفظ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کو شامل ہے اس

طرح ایک دوسرے مقام میں اس لفظ کو کتاب الہی اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف طریقہ کے لیے استعمال فرمایا ہے:

"الم ترالی الذین یذعمون انہم آمنو۔۔۔۔(النساء:60-61)

اس آیت میں یتحاکموا الطاغوت کے **بالمقابل** تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ طاغوت سے مراد یہاں وہ چیزیں ہیں جو کتاب الٰہی اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہیں۔

طاغوت کا مفہوم از سلف صالحین:

سیدنا جابر عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

طاغوت وہ (کاہن) ہوتے ہیں جن کی طرف لوگ فیصلے لے کر جاتے ہیں، جہینہ قبیلے میں ایک طاغوت تھا، اسلم قبیلے میں ایک

طاغوت تھا، اسی طرح ہر قبیلے میں ایک طاغوت ہوتا ہے وہ کاہن ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر: 4583)

معلوم ہوا طاغوت سے مراد جادوگر کاہین ہیں۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

طاغوت کا سب سے قوی معنی شیطان ہے کیونکہ اہل جاہلیت کی ہر برائی، بت

پرستی، فیصلے کروانا اور غیر اللہ سے مدد طلب کرنا وغیرہ سب کا سبب یہی شیطان ہی تھا۔

(ابن کثیر، تحت آیت، یکفر بالطاغوت)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

طاغوت کے بارے میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے خلاف سرکشی اختیار کرے اور اس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اس کی پوجا یا تو اس کی زبردستی اور اس کے قہر کی وجہسے کی جاتی ہو جو کہ اس کے پوجنے والوں کے دلوں پر چھائی ہوتی ہے یا پوجنے والوں کی طرف سے اطاعت کے جذبے اس کی پرستشکی جارہی ہو اور وہ خواہ کوئی انسان ہو یا بت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

(تفسیر الطبری، ص:787 جلد 2 مطبوعہ دار لحدیث القاھرہ)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کے سواء جس کی عبادت کی جارہی ہو اور وہ اس پر راضی ہو، وہ طاغوت ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ص:200، جلد 28)

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

طاغوت ایک عام لفظ ہے، ہر وہ چیز یا ذات جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے اور وہ اس عبادت پر خوش اور راضی بھی ہو خواہ وہ معبود ہا یا متبوع یا مطاع، وہ طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔

عصر حاضر کے علماء سے:

شیخ الحدیث حافظ عبد الستار الحماد حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

مختصر یہ ہے کہ طاغوت ہر وہ باطل قوت ہے جو اللہ کے مقابلے میں اپنی عبادت یا اطاعت کرائے یا لوگ از خود اللہ کے مقابلے میں اس کی عبادت کرنے لگیں خواہ وہ مخصوص شخص ہو یا ادارہ گویا طاغوت سے مراد دنیادار چوہدری اور حکمران بھی ہو سکتے ہیں، بت، شیطان اور جن بھی ہو سکتے ہیں اور ایسے پیر فقیر بھِ ہو سکتے ہیں جو اللہ کے مقابلے میں اپنی اطاعت کروانا پسند کرتے ہیں اور شریعت پر طریقت کو ترجیح دیتے ہیں اس طرح ہر انسان کا اپنا نفس بھی طاغوت ہو سکتا ہے جبکہ وہ اللہ کی عبادت اور اطاعت سے انحراف کر رہا ہو۔

(فتاویٰ اصحاب الحدیث ص:29 جلد:1 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور)

سید طالب الرحمٰن شاہ صاحب فرماتے ہیں:

طاغوت ہر وہ چیز یا ہر وہ شخص ہے جو اللہ کے سواء اپنی عبادت کروائے اور اس پر خوش ہو۔

(مناظرہ: خلافت و جمہوریت ہری پور)

طاغوت کی اقسام:

آیات قرآنیہ اور سلف صالحین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ طاغوت سے مراد شیطان، جادوگر، کاہین، آئمہ کفر (جیسے کعب بن اشرف) وغیرہ ہیں شیخ الاسلام امام ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں طواغیت تو بہت سارے ہیں جن میں سے بڑے بڑے پانچ ہیں۔

۱-ابلیس (لعنت اللہ علیہ)

۲- جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور وہ اس پر راضی بھی ہو(کما قال ابن تیمیہ فی مجموع الفتاویٰ)

۳-جو لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔

۴-جو غیب دانی کا (علم غیب) کا دعویٰ کرتا ہے۔

۵-جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرتا ہو۔

طاغوت اول ابلیس:

باتفاق مفسرین آیت قرآنی ''فمن یکفر بالطاغوت'' میں الطاغوت سے مراد شیطان ہے جو رب کی بارگاہ میں دھتکارہ ہوا ذلیل فرد ہے جس پر قیامت تک کے لئے اللہ کی لعنت ہے:[وان علیک لعنتی إلی یوم الدین]

کائنات میں ہر وہ ہستی جس کی پوجا، عبادت کی جاتی ہے وہ عاقل ہو یا غیر عاقل، زندہ ہو یا مردہ، انبیاء اور اولیاء ہوں یا جنات اور فرشتے۔ ان میں بعض ایسی ہستیاں ہیں جنہوں نے نہ تو اپنی عبادت کی دعوت دی اور نہ ہی اس کو پسند کرتے ہیں ۔مثلاً: سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہم السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ،نبی کریم ﷺ سیدہ مریم علیہا السلام، سیدنا حسن وحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ،سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ وغیرھم ان انبیاء، اولیاء اللہ یا ان کے علاوہ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔

جبکہ نہ انہوں نے اس کی دعوت دی اور نہ ہی وہ اس کو پسند کرتے ہیں تو ایسی ہستیاں طاغوت نہیں ہیں بلکہ ان ہستیوں کی عبادت کرنے والے ان صالحین اور مقربین کی عبادت نہیں کرتے بلکہ در حقیقت وہ لوگ شیطان کی عبادت کرتے ہیں ،جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴾.﴿قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴾

[الفرقان:17،18]

"اور جس دن وہ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، جمع کرے گا۔ پھر کہے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا وہ خود راستے سے بھٹک گئے؟ وہ کہیں گے (یا اللہ) تو پاک ہے ہمارے لائق نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی بھی طرح کے دوست بناتے اور لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو سامان دیا یہاں تک کہ وہ (تیری) یاد کو بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ اس حقیقت کو آشکارہ کرتا ہے۔"

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُواْ يَعْبُدُونَ ٤﴾ ﴿قَالُواْ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَامِن دُونِهِم بَلْ كَانُواْ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ﴾

[سباء:40، 41]

"اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہمارا دوست ہے ان

کے سوا بلکہ وہ جنوں (شیاطین) کی عبادت کیا کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھنے والے تھے۔"

اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی بندگی سے برأت کریں گے جیسا کہ سورۃ المائدۃ:116 میں ہے۔

جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور وہ اس پر راضی بھی ہوں:

ہر وہ باطل قوت جن ہو یا انسان ہو جو لوگوں سے اپنی بندگی اور عبادت کرواتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے وہ طاغوت اور کافر ہے ایسے بدنصیب کا ٹھکانہ ابدی جھنم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾

[الانبیاء:29]

"اور ان میں سے جو یہ کہے کہ معبود تو ان کے سوا میں ہوں تو یہی ہے جسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ایسے ہی ہم ظالموں کو جزا دیتے ہیں۔"

طاغوت کی اس قسم کے حوالے سے یہ بات قابل غور ہے۔ دین تصور اور خانقاہی نظام میں متعدد ایسے بدنصیب گمراہ لوگ گزرے ہیں۔ جو نہ صرف اپنی خدائی کے دعویدار بنے بلکہ لوگوں کو بھی "الہ اور خدا" بننے کے گر بتاتے رہے جس کی ایک

بڑی مثال بہت بڑا گمراہ صوفی منصور حلاج ہے جس کو اسی نعرہ [انا الحق] ’’میں اللہ ہوں‘‘ کے جرم میں پھانسی دی گئی یہاں ایسے گمراہ صوفیوں کے معتقدین کی ایک تاویل بھی ملاحظہ فرمائیں: ایک صوفی حکیم سے پوچھا گیا انا ربکم الاعلیٰ اور انا الحق کہنے میں کیا فرق ہے؟ فرمایا: ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کہا تو مردود ہوا اور منصور نے ایسا ہی کہا تو مقبول ہوا جواب دیا گیا کہ فرعون نے ہمارے مٹانے کے لئے کہا اور منصور نے اپنے مٹانے کے لئے کہا۔

[الکلام الحسن صفحہ نمبر:198، جلد:2]

بلکہ صوفیت کا ایک بنیادی عقیدہ ’’وحدۃ الوجود‘‘ ہے۔

جس کے بارے میں معروف صوفی و پیر طریقت امداد اللہ مھاجر مکی لکھتا ہے
:’’مسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح ہے اس مسئلے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

[شمائل امدادیہ صفحہ نمبر:32، کلیات امدادیہ صفحہ نمبر:218]

وحدت الوجود کی تعریف:

(صوفیوں کی اصطلاح) تمام موجودات کو صرف اعتباری اور فرضی ماننا اصل میں تمام چیزیں وجود خدا ہی ہیں جیسا کہ پانی کہ وہی بلبلہ وہی لہر وہی سمندر، وحدہ لاشریک وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

[جامع نسیم اللغات صفحہ نمبر:1215]

یعنی معلوم ہوا وحدۃ الوجود کے عقیدے میں خالق و مخلوق، عابد و معبود کا فرق مٹ جاتا ہے بندہ اور خدا ایک ہی وجود قرار پاتے ہیں اسی طرح ایک وجودی (وحدۃ الوجود کا قائل) لکھتا ہے:

یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔(استغفر اللہ۔۔۔)

[مکاتیب رشیدیہ، فضائل صدقات، حصہ دوم صفحہ نمبر:556]

اسی طرح ایک اور بہت بڑا صوفی شیخ ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ عورت سے کہا: بی بی شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے ۔(العیاذ باللہ)

[تذکرۃ الرشید ص:242،ج:2]

یہ حضرت جلال آبادی صاحب کے بارے ان کے معتقدین کا دعویٰ ہے کہ وہ توتوحید ہی میں غرق تھے۔[ایضاً]

صوفیوں کے شیخ المشائخ امداد اللہ سے کسی نے کہا:" آپ کے اس مضمون سے معلوم ہوا عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے"تو حاجی امداد اللہ نے جواب دیا :کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر نے یہ سب کچھ ضیاء القلوب میں لکھا ہے۔

[شمائم امدادیہ، ص:34]

خدا بننے کا گُر:

معروف صوفی امداد اللہ مھاجر مکی لوگوں کو"اللہ" بننے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے:

اور اس کے بعد اس کو ہُو ہُو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی

معنی ہیں۔(نعوذ باللہ من ذلک)

[کلیات امدادیہ ص:18، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی]

نوٹ: بریکٹ میں مذکور لفظ (اللہ) خود حاجی امداد اللہ صاحب کا ہے۔

اسی طرح صوفیاء کے عقائد میں فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ بھی توحید الٰہی کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ خود مرتبہ خدائی پر فائز ہونے کے دعویٰ کے مترادف ہے اسی طرح وحدت الشہود اور حلول کہ ہر چیز اللہ ہے یا ہر چیز میں اللہ ہے۔

تصور شیخ یا غیر اللہ کی عبادت:

تصور شیخ سے مراد یہ ہے کہ مرشد کہتا ہے میں نے تمہیں اللہ تک پہنچانا ہے اور چونکہ تم نے اللہ کو دیکھا نہیں مرشد کے ذریعے ہی اللہ تک پہنچ سکتے ہو اس لئے تم جو ذکر کرو گے میرا تصور تمہارے سامنے ہو گا دن ہو یا رات آنکھیں بند ہو یا کھلی تمہاری آنکھیں کھلی بھی ہوں تو ایسا نقش پکا ناہے کہ ہر جگہ مرشد نظر آئے اسی قسم کا ایک مرید کہتا ہے:

~کیا غضب کیا تیری یاد نے ، مجھے آستایانماز میں

میرے وہ سجدےبھی قضاء ہوئے ، جو ادا ہوئے تھے نماز میں

اب حال یہ ہو جاتا ہے نماز بھی پڑھتا ہوں تو مرشد کی تصویر سامنے ہے اور پھر جب وہ تصویر ہر وقت سامنے رہتی ہے تو اس کی ایسی محبت دل میں بیٹھتی ہے جو صرف اللہ کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله والذين امنوا اشد حبالله﴾

(البقرہ:165)

" بعض لوگ اللہ کے علاوہ ایسے شریک بناتے ہیں کہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں"

انتہائی درجے کی محبت جس کے ساتھ انتہائی عاجزی ہو یہی تو عبادت ہے اور ہر وقت کسی کی یاد دل میں ہو تو صرف اللہ کا مقام ہے اگر یہ کسی بندے کو دے دیا تو اللہ کا مقام چھین کر مخلوق کو دے دیا ہمارے بر صغیر پاک و ہند کے صوفیانہ مسلمانوں کی اکثریت ایسے ہی شرک میں گرفتار ہے۔

فنافی الرسول:

یہ تصور شیخ کے بعد غیر اللہ کی عبادت کا دوسرا درجہ ہے جس کی وضاحت کے لئے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔ امیر شاہ خان صاحب لکھتے ہیں: پھر اور جوش آیا فرمایا "کہہ دوں؟" عرض کیا گیا، حضرت ضرور

فرمایئے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ کو پوچھے بغیر نہیں کی۔

[ارواح ثلاثہ المعروف حکایۃ اولیاء، ص:265]

کیا اب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات پوچھ سکتا ہے کیا شرعاً ممکن ہے کہ اتنے سال فلاں حضرت کی دل میں رسول اللہ ﷺ رہے اور جو کام کیا رسول اللہ ﷺ سے پرچھ کر کیا واہ سبحان اللہ کیا شان مقام ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی براہ راست آپ ﷺ سے ملاقات پر کام آپ ﷺ سے پوچھ کر یہ مقام نہ کسی صحابی کو ملا کہ وہ براہ راست وفات کے بعد نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر ہر کام کر لیتے۔

وفات کے بعد سیدہ فاطمہ و ابو بکر صدیق کا ورثہ میں اختلاف ہوا ۔نہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا اور نہ ہی ماں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، علی ھذا القیاس

اس گمراہی کی اساس و بنیادیہی شرکیہ عقیدہ ہے کہ پہلے تین سال مرشد کامل کا تصور ذہن رکھنا پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نقش لانا ۔رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے نہیں دیکھا جو نقشہ ذہن میں نقش پکڑ

چکا مرشد کا نقشہ تھا اب شیخ کے کہنے کی دیر تھی وہ نقش رسول اللہ ﷺ کا نقش بن گیا یہی وہ تصوف و طریقت ہے جس میں سب سے پہلے فنا فی الشیخ اس کے بعد فنا فی الرسول، اس کے آگے فنا فی اللہ کی منزل ہے۔

الغرض گمراہ صوفیاء اور مشائخ لوگوں سے اپنی عبادت کرواتے ہیں جو کسی صورت بھی کسی مسلمان کے لئے جائز اور روا نہیں۔

انہیں گندے عقائد اور غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے برملا ان کی عبادت کا اعتراف بھی کیا گیا اور ان کے نام کلمے بھی پڑھے اور پڑھائے گئے اور اپنے صوفیاء اور مشائخ نے اس طرح لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی،

مثلاً حضرت حکیم الامت صاحب لکھتے ہیں، فرمایا:

گنگوہ میں ایک بزرگ تھے جن کا نام صادق تھا وہ مرید کم کرتے تھے۔ دو شخص ان کے پاس آئے انہوں نے ددنوں کا امتحان کیا اور کہا، کہو "لا الہ الا اللہ صادق رسول اللہ" ایک بھاگ گیا دوسرے نے کہہ دیا: اس کو بیعت کر لیا اور فرمایا تم نے کیا سمجھا اس نے کہا: میں نے آپ کو رسول تو نہیں سمجھا ، تاؤیل کرلی رسول اللہ مبتدا اور صادق خبر مقدم ہے فرمایا: کہ میری بھی یہی مراد تھی۔

[الکلام الحسن، ص:47،ج:2، مطبوعہ المکتبہ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور پاکستان]

ایسے گمراہ کن عقائد و نظریات کو دیکھ کر کسی اہل دل نے کہا:

~ یہ راہزن ہیں جنہیں تم رہبر سمجھتے ہو

قباپوشی کے پردے میں جو عیاشی کے رسیا ہوں میں ایسوں کو رہبر ور ہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

اسی وجہ سے ان کے آستانوں، مزاروں اور خانقاہوں پہ طواف ہونے لگے اور ان کی بندگی کا مہلک دروازہ کھل گیا اور ان کے معتقدین و مریدین نے اعلانیہ اقرار کیا۔

جو علم غیب کا دعویٰ کرے:

جو چیز انسان کے علم ادراک اور حواس سے غائب ہو اور اوجھل ہو وہ غیب ہے۔ اور غیب مستقبل ایک حقیقی علم ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے انبیاء علیھم السلام کو کوئی بتادے تو

وہ علم غیب نہیں بلکہ اطلاع علی الغیب ہے جو بذریعہ وحی ہوئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا إلا من ارتضى من رسول فإنه يسلك من بين يديه)

[الجن:27]

لہذا جو شخص غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے وہ کافر ہے کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتا ہے (جھٹلاتا ہے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قل لا يعلم من في السماوات والأرض الغيب إلا الله وما يشعرون أيان يبعثون﴾[النمل:65]

" آپ ﷺ کہہ دیجیے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے غیب نہیں جانتا اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ﷺ سر عام اس بات کا اعلان کر دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والا کوئی بھی اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا تو جو علم غیب کا دعویٰ کرے وہ اس قرآنی خبر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو جھٹلاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے نبی ﷺ سے اعلان کروایا:

﴿قل لا أقول لكم عندي خزائن الله ولا أعلم الغيب﴾

[الانعام:50]

" آپ کہہ دیجیے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔"

اور یہی عقیدہ اصحاب محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں:

ومن حدثك أنه يعلم الغيب فقد كذب وهو يقول:لا يعلم الغيب إلا الله

"جو تمہیں یہ کہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم غیب جانتے ہیں اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے: اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا"

[صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه احدا رقم:7379]

کتاب وسنت کے ان واضح دلائل وبراھین سے معلوم ہوا کہ علم غیب صرف خاصہ باری تعالیٰ ہے البتہ بعض غیبی امور میں سے کچھ کا علم صرف اسی کو عطا ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے لہذ جس

چنیدہ وبر گزیدہ بندہ کو وہ چاہتا ہے علم غیب میں سے عطا کرتا ہے اس لئے کہ ایک نبی کو معجزات کے ذریعے اپنی نبوت کی دلیل پیش کرنی پڑتی ہے انہی معجزات میں سے غیب کی خبر بھی دینا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس کو مطلع فرماتا ہے اس چیز میں اللہ تعالیٰ کے فرستادہ فرشتے اور انسان دونوں برابر کے شریک ہوتے۔

لہذا کتاب وسنت کے ان واضح فیصلوں کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی تیسری مخلوق اس میں شریک نہیں ہوتی لہذا انبیاء اور رسولوں کو چھوڑ کر اگر کسی بھی وسیلہ وسبب کی بناء پر علم غیب کا دعویٰ ہتھیلی پڑھ کر ہو پیالی پڑھ کر یا پھر جادو کہانت اور علم نجوم کے ذریعے اس طرح کی چیزیں آج بہت سارے شعبدہ باز اور فریبی لوگوں کی طرف سے دیکھنے میں آرہی ہیں۔ جو عموماً گمشدہ چیزوں کے بارے میں خبر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں بعض جہلاء ان پڑھ لوگوں کے ساتھ ساتھ بعض پڑھے لکھے لوگ اور کمزور ایمان والے کاہن ونجومی اور ایمان کے لٹیروں کے پاس جاتے ہیں ان سے اپنے مستقبل کے بارے شادی سے متعلق مستقبل کی باتیں معلوم کرتے ہیں حالانکہ یہ شرعاً حرام ہے۔

جادو گر:

جادو گری میں بھی عموماً علم غیب کا دعویٰ کیا جاتا ہے،

اس لئے ہم اس کے متعلق اہم مسائل ذیل میں بیان کیے دیتے ہیں:

جادو کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسے سات ہلاک کرنے والے کاموں میں شمار کیا ہے اس کا سیکھنا اور سیکھانا بھی حرام ہے اگر جادو کرنے والے کے قول اور فعل میں کوئی چیز کفر کی مقتضی ہو تو جادو کرنا کفر ہے وگرنہ کبیرہ گناہ ہے۔ قرآن مجید میں دو آیات میں جادو پر کفر کا لفظ بولا گیا:

1- ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا ﴾

[البقرہ:102]

2- ﴿ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ﴾

[ایضاً]

ان آیات میں لفظ ''کفر'' سے مراد کفر اکبر نہیں ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعی، امام ابن حزم رحمھما اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے جادو میں جب تک

کفر یا شرکیہ اقوال وافعال کی آمیزش نہ ہو۔اس وقت تک یہ کفر نہیں، اس کی دلیل نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے۔

اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: یارسول الله وما هی ؟ قال: الاشراك بالله ، والسحر ۔ ۔ ۔ ۔

"سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو! صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور جادو کرنا۔۔۔۔۔۔۔"

[صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الشرک والسحر من الموبقات رقم:5764]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جادو کرنا فی نفسہ حرام اور کبیرہ گناہ ہے ۔مگر یہ کہ اس میں کفریہ یا شرکیہ اقوال وافعال کی آمیزش ہو۔

جادوگر کا حکم :

جادوگری کی واضح حرمت کی بنیاد شریعت اسلامیہ نے جادوگر کی ناکامی وبربادی نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ولایفلح الساحر حیث اتی ﴾

(طٰہٰ:69)

”جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہو سکتا“

جب کتاب و سنت سے معلوم ہو گیا کہ سحر جادوگری مطلق کفر وارتداد نہیں تو جادوگر آدمی جسے اس کی خباثت و بداعمالی کی وجہ سے طاغوت گردانا جاتا ہے مطلق کافر و مرتد نہیں اور نہ واجب القتل ہے۔

سورۃ البقرۃ کی ان آیات میں جو لفظ کفر استعمال ہوا اس میں کفر سے مراد کفر اکبر نہیں بلکہ کفر دون کفر یعنی کبیرہ گناہ مراد ہے جیسا کہ سابقہ احادیث اس پر قرینہ ہے کہ نبی ﷺ نے اس (جادو) کو کبیرہ گناہ میں شمار کیا نہ کہ ارتداد میں اسی طرح نبی ﷺ نے جن چیزوں سے ایک مسلمان کا خون حلال قرار دیا، اس میں اس جادو کا ذکر نہیں۔

اور شریعت میں لفظ کفر متعدد مقامات پر کبیرہ گناہ پر بولا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

لا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض

(بخاری، كتاب العلم ، الإنصات للعلماء)

”میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سباب المسلم فسوق وقتاله كفر

”مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے“

(بخاری کتاب الایمان، خوف المؤمن من ان یحبط عملہ وھو لایشعر)

اسی طرح بعض اہل علم نے

﴿ولقد علموا لمن اشتراه ما له في الآخرة من خلاق﴾

(البقرۃ:102)

اس آیت میں مالہ فی الاٰخرۃ من خلاق سے استدلال کیا ہے لیکن یہ الفاظ بھی کافر و مرتد ہونے پر دلالت نہیں کرتے کیونکہ اسی طرح کے الفاظ دنیا میں ریشم پہننے والوں کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں، حالانکہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ ریشم پہننا ارتداد نہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی لباس دیکھا جو مسجد کے دروازے کے پاس بیچا جا رہا تھا ، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن اسے زیب تن فرمایا کریں یا جب آپ ﷺ کے پاس وفود

آئیں تو ان کے استقبال کے لئے پہنا کریں تو اچھا ہو گا۔ تو رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

انما يلبس هذه من لاخلاق له فى الأخرة

"یہ وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں"

[صحیح بخاری، الجمعۃ باب یلبس احسن ما یجد رقم:886، صحیح مسلم رقم: 2068]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب جامع ترمذی میں جادو گر کے قتل پر اہل علم کے اختلاف کو واضح کیا، وہ فرماتے ہیں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جادو گر کے قتل کے قائل جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جادو گر اس صورت میں قتل کیا جائے جب وہ

اپنے جادو میں کفریہ، شرکیہ معاملات اپنائے بصورت دیگر ہم اس کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔

[جامع ترمذی تحت رقم:1460]

کتاب و سنت کے دلائل بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جادو گر مطلقا واجب القتل نہیں جیسا کہ نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا فرمان ہے:

لايحل دم امري مسلم يشهد أن لا إله إلا الله، و أني رسول الله، إلا بإحدي ثلاث : النفس بالنفس، و الثيب الزاني و المفارق لدينه التارک للجماعة

”جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے الٰہ ہونے اور میرے (محمد ﷺ) رسول ہونے کی گواہی دیتا ہے اس کا قتل تین صورتوں کے علاوہ جائز نہیں: جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور دین کو چھوڑنے والا جماعت سے نکل جانے والا۔“

[صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ ان النفس بالنفس والعین بالعین، رقم:6878]

جادو کے متعلقہ نصوص کی وضاحت:

بعض اہل علم نے قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے جادوگر کے کفر وارتداد پر استدلال کیا ہے:

﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا ﴾

[الانعام:102]

”سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا ہے“

﴿ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلا تَكْفُرْ ﴾

”ہم تو محض ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر“

﴿ولقد علموا لمن اشتراه ما له في الآخرة من خلاق﴾

(البقرۃ:102)

”حالانکہ یقیناوہ جان چکے تھے جس نے اسے خرید ا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔“

کاہن:

طاغوت کی ایک قسم کاہن ہیں جن کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هَلۡ أُنَبِّئُكُمۡ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَٰطِينُ﴿21﴾تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴿22﴾ يُلۡقُونَ ٱلسَّمۡعَ وَأَكۡثَرُهُمۡ كَٰذِبُونَ﴿23﴾

”اچھامیں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لاڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں“

[الشعراء]

اسی طرح اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی گمراہی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡجِبۡتِ وَٱلطَّٰغُوتِ﴾

”وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔“

[النساء:51]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جبت سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الطواغیت کھان کان ینزل علیھم الشیطان فی کل حی واحد

"طواغیت وہ کاہن ہیں جن پر شیاطین نازل ہوا کرتے تھے، ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن تھا ۔"

[صحیح بخاری مع فتح الباری کتاب التفسیر، ص252، ج8]

کاہن، منجم (ستاروں کے ذریعے حالات کی خبر دینے والا)، عراف یہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک جیسے ہی ہیں ان سب کا کام مستقبل کی بابت خبر دینا ہے کاہن کسی جن سے کوئی بات سن کر لوگوں کو بتلا دیتا تھا جو بسا اوقات صحیح ثابت ہو جاتی کیونکہ شیطان آسمان سے بات سن کر آتا تھا بعثت نبوی ﷺ کے بعد جنوں اور شیطانوں کے لئے آسمانوں پر جا کر بات سن لینے کو ناممکن بنا دیا گیا (بخاری: 4701)، دوسرے وہ اثار و قرائن سے بھی بعض باتوں کا اندازہ لگا کر ان کی بابت پیش گوئی کر دیتے اس میں غلط اور صحیح دونوں کا امکان ہوتا تھا۔

تنجیم (ستاروں کے ذریعے قسمت کا حال بتانا) بھی پیش گوئی کی ایک صورت ہے لیکن یہ بھی اکثر جھوٹی ہی ثابت ہوتی ہیں۔ عرافہ بھی اسباب و مقدمات کو دیکھ کر کسی واقعے یا کسی معاملے کے متعلق نشاندہی کرنے کا نام ہے یہ تینوں فن آپس میں ایک دوسرے

کے معاون ہیں سب کہانت کی قسمیں ہیں اسی طرح علم رمل (زمین وغیرہ میں لکیریں لگا کر حالات معلوم کرنا) بھی غیب کی خبروں کی نشاندہی اور ان کی بابت پیش گوئی کی جاتی اسی طرح پرندوں کو اڑا کر نیک شگونی یا بد شگونی لینا۔

اسی طرح آجکل بعض ٹی وی چینلز پر یا عمومی طور پر بعض پیٹ پرست مولویوں کا استخارہ کی صورت میں غیب کی خبریں بتانا، کہانت ہے۔ لیکن افسوس جاہل مسلمانوں میں جال گیری کے یہ طریقے آج بھی رائج اور عام ہیں اور ان کی اکثریت ان توہمات پر یقین رکھتی ہے جبکہ نبی ﷺ نے ان امور سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

من اتی عرافا فسألہ عن شیءفصدقہ لم تقبل لہ صلاۃ اربعین یوماً

"جو شخص کسی عراف (یعنی غیبی امور جاننے کے دعویدار) کے پاس آئے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھے اور اس کو سچ مانے تو اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جائے گی۔"

[صحیح مسلم کتاب السلام باب تحریم الکھانۃ والکھان رقم:2230]

نبی ﷺ نے اس فن کے سیکھنے کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

من اقتبس علما اقتبس شعبۃ من السحر زاد مازاد

”جس نے علم نجوم (یعنی غیب کی خبریں دینے والا علم) سیکھا اس نے جادو کا ایک حصہ سیکھا جو اس میں اپنا حصہ بڑھانا چاہتا ہے بڑھالے۔“[سنن ابی داؤد کتاب الکھانۃ والتطیر باب فی النجوم رقم:3905]

کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے:

کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے معلوم ہوا کہ مستقبل اور غیب کی خبریں دینے والے نجومی دست شناس وعراف وغیرہ طاغوت ہیں ان لوگوں کے پاس جانا ان سے خبریں دریافت کرنا اور پھر ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ اور ایسے علوم کو سیکھنا جادوگری کا علم سیکھنے کے مترادف ہے جو حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور بعض صورتوں میں کفر وارتداد تک جا پہنچتی ہے۔

کاہن کا حکم:

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے الشرح الکبیر میں امام احمد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "کاہن کا حکم جادوگر کے حکم سے کم تر ہے جب جادوگر کو قتل نہیں کیا جائے گا تو کاہن تو بالاَولیٰ واجب القتل نہیں مگر یہ کہ جادوگر کی طرح اس کی کہانت میں بھی کفریہ یا شرکیہ اقوال وافعال پائے جائیں۔"

(المغنی لابن قدامہ کتاب قتال اھل البغی فصل حد الکاھن و العراف

و الساحر)

صوفیاء ومشائخ اور امور غیب:

کتاب و سنت کے واضح نصوص سے ثابت ہے کہ علم غیب صرف اللہ کے لئے ہے اور بذریعہ وحی انبیاء کو بعض امور پر مطلع کیا جاتا رہا لیکن کائنات میں کوئی غیب نہیں جانتا، اس کے باوجود یہاں پر اہل طریقت اپنے اکابر و مشائخ کے بارے میں اعلانیہ غیب دانی کے مدعی ہیں، ان کے بزرگ جانتے ہیں قبر میں مردے کی حالت کیا ہے بارش کب ہو گی؟ نفع نقصان کیا ہو گا، ارحام میں کیا ہے؟ اصلاب میں کیا ہے؟ حتیٰ کہ اللہ کا خاصہ علیم بذات الصدور (سینے کی باتوں کو جاننے والا) وہ بھی ان بزرگوں کے لئے معمولی معاملہ ہے، اس حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے ایک واقعہ ذکر کیے دیتا ہوں۔

ایک صاحب لکھتے ہیں:

ایک دن امیر شاہ خان صاحب نے حضرت قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس ایک نو عمر درویش آئے اور بیٹھ گئے، وہ بزرگ جن کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے بھئی تمہارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے ان بیچاروں نے اپنا حال چھپانا

چاہا مگر انہوں نے پردہ ہی فاش کر دیا کہنے لگے تمہارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں غرض تمام حلیہ بیان کر دیا، اس وقت وہ درویش بہت نادم ہوا اور اقرار کیا کہ بے شک آپ سچ فرماتے ہیں ابتداء جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا، ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اسکی شبیہ میرے قلب میں آگئی ہے اب جب کبھی طبیعت بے قرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں، کچھ سکون ہو جاتا ہے اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے ۔مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے اس بات کے منتظر رہے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں گے مگر امام ربانی نے کچھ بھی جواب نہ دیا سن کر خاموش ہو گئے جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے یہ بات اٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا: بھئی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی میرا حضرت حاجی صاحب کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا کہ بغیر آپ کے مشورہ کے میری نشست برخواست نہیں ہوئی حالانکہ حاجی صاحب مکہ میں تھے ۔(یہ ٹیلی فون اور موبائل کا دور نہیں تھا) اور اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے یہ فرما کر آپ خاموش ہو گئے، کچھ نہ فرمایا دیر تک ساکت و سرنگوں رہے مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوئی نہ سکون۔

[تذکرۃ الرشید، ص:197،196۔ج:2 مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور]

اسی طرح باطنیوں کے ایک گروہ نے تو ولایت کے لئے معیار ہی علم غیب کو قرار دے دیا، ایک صوفی حکیم الامت لکھتا ہے۔

امام شعرانی کبریت احمر میں فرماتے ہیں:

ہم نے اپنے شیخ سید علی الخواص کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک مرد کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو نہ جان لے یوم میثاق سے لیکر جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک۔

[جاء الحق، ص:90،91 حصہ اول، نعیمی کتب خانہ اردو بازار لاہور]

یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ قوم کے ایسے صوفیاء، اکابر و مشائخ جو اتنے بڑے غیب دانی کے دعویدار ہیں:

شرعاً ان کا کیا حکم ہو گا؟ کیا یہ بھی طاغوت کے زمرے میں آئیں گے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہیں تو کس قسم کے ؟

ان کو حق پر سمجھنے والے اور ان کی تصویب کرنے والے لوگوں کا حکم کیا ہو گا؟

ایسے لوگ یا ان کے معتقدین و مریدین کے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ روا رکھا جائے ؟

مزید یہاں شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ نواقض میں سے نمبر 3 بھی یاد رکھیں۔

من لم یکفر المشرکین أو شک فی کفر هم أو صحح مذهبهم

”جس نے مشرکوں کو کافر نہیں سمجھا یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھا تو وہ شخص کافر ہے“

کیا یہ قاعدہ وضابطہ یہاں بھی عموم پر ہو گا یا سلف صالحین کی طرح تکفیر کی جملہ شرائط و موانع کو ملحوظ رکھا جائے گا؟

جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا

اس مسئلہ پر تفصیلی بحث پہلے (سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں) چند بنیادی اصولوں کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہم خلط مبحث اور اہل باطل کے طریقہ سے بچ کر اہل سنت والجماعت کے صحیح منہج کے مطابق مسئلہ کو سمجھ سکیں۔

کفر بعض صورتوں میں اعتقادی اور ملت اسلامیہ سے خارج کرنے والا ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں یہ صرف کفریہ فعل ہوتا ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج

نہیں کرتا اگرچہ اس فعل کے مرتکب کے لئے کتاب وسنت میں کفر یا کافر کا لفظ ہی کیوں نہ بیان ہوا ہو۔

کفر کی یہ دوسری قسم یعنی عملی کفر کے بارے امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب الصلاۃ'' میں بڑی عمدہ اور نفیس بحث کی ہے جن کو ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔ اِن شاء اللہ!

اصول نمبر1-

اعتقادی کفر کے بارے میں سلف صالحین کا موقف ہے کہ یہ ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث بنتا ہے جبکہ دوسری قسم کا کفر عملی ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث اور سبب نہیں بنتا لیکن یہ واضح رہے دوسری قسم کے کفریہ فعل کا مرتکب عملی کافر ضرور کہلائے گا کیونکہ جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہو اسے کافر کہنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہیے بشرطیکہ اس کو صرف اسی معنی و مفہوم میں کافر کہا جائے جس معنی و مفہوم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کافر کہا ہے۔

[الصلاۃ وحکم تارکھا فصل فی نوعی الکفر، ص:72 تا74 دار ابن حزم بیروت]

یہاں یہ اصول بھی ملحوظ رہے کہ کفر کی دو قسمیں ہے ایک عملی کفر اور دوسرا انکار و دشمنی کا کفر ہے۔ پس کفر انکار یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء

وصفات، افعال اور احکام میں سے کسی ایسی چیز کا سر کشی اور ہٹ دھرمی سے انکار کر دے کہ جس کے بارے میں اسے علم ہو کہ نبی ﷺ وہ چیز اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں، یہ ایسا کفر ہے جو ہر پہلو سے ایمان کے منافی ہے۔

عملی کفر کی اقسام :

جہاں تک عملی کا معاملہ ہے، یہ بھی دو اقسام پر ہے:

عملی کفر ایمان کے منافی ہو مثلاً: بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی توہین کرنا ، نبی کو قتل کرنا یا اس کو گالی دینا ایسا کفر عملی ہے جو اس کے ایمان کو ختم کر دیتا ہے۔

دوسرا کفر عملی جو ایمان کے منافی نہ ہو پس ما أنزل اللہ [77] کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے اور نماز کو چھوڑنے والا بھی رسول اللہ ﷺ کی صراحت کے مطابق کافر ہے لیکن یہ عملی کفر ہے اور ان پر حقیقی کافر کا لفظ نہیں بولا جائے گا۔

---

[77](امام ابن خطہ المتوفی 387ھ نے اپنی کتاب الابانۃ جلد 2 ص 162 طبع الفاروق الحدیثیہ القاھرہ مصر)
میں ایک باب اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے۔

نبی ﷺ نے زانی، چور، شرابی، ہمسایہ کو تنگ کرنے والے سے ایمان کی نفی کی ہے پس جب آپ ﷺ نے ایمان کی نفی کر دی تو ایسا شخص عملی اعتبار سے کافر ہے لیکن اس میں انکار اور اعتقاد کا کفر نہیں۔ اسی طرح نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی کفر عملی کی مثال ہے:

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (صحیح بخاری)

"میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ دوسرے کی گردنیں اڑانے لگ جاو"

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ فرمان:

من قال لأخیہ یا کافر فقد باء بہ احدھما

باب ذکر الذنوب التی تصیر وبصاحبھا الی کفر غیر خارج عن الملۃ "یعنی ایسے گناہ جس کے ارتکاب کرنے پر آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا" کے ضمن میں، الحکم بغیر ما انزل اللہ کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم بغیر ما انزل اللہ کرنے والا شخص ان کے نزدیک ایسے کفر کا مرتکب نہیں ہوتا جو اسلام سے خارج ہو۔ مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں کا انکار وغیرہ کر دے۔

(الابانۃ جلد2 ص162 طبع الفاروق الحدیثیہ القاھرہ)

" جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اسی کے ساتھ لوٹے گا "یعنی اگر وہ کافر ہوا تو ٹھیک ورنہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔

یہ بھی کفر عملی ہے کفر کے بارے میں یہی تفصیل ان صحابہ کرام کے اقوال میں موجود ہے جو امت میں کتاب اللہ، اسلام اور کفر اور اس کے لوازمات کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ پس تم یہ مسائل انہی سے حاصل کرو کیونکہ متأخرین ان کی مراد کو نہ سمجھ سکے۔

اصول نمبر2-

کسی شخص میں کفر اور ایمان، شرک اور توحید، تقویٰ اور فسق وفجور، نفاق اور ایمان اکٹھا بھی ہو سکتا ہے یہ اہل سنت کے اصولوں میں سے ایک بہت اہم اصول ہے جبکہ اہل بدعت میں سے خوارج، معتزلہ اور قدریوں وغیرہ نے اس اصول کی مخالفت کی ہے اہل سنت کے اس اصول کی دلیل قرآن وسنت، اجماع اور فطرت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وما يؤمن اكثرهم بالله إلا وهم مشركون﴾

"اکثر لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں وہ اس کے ساتھ (کسی نا کسی نوع کا)شرک بھی کرتے ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شرک کے ساتھ ایمان کو بھی ثابت کیا ہے۔

اسی طرح اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ قالت الأعراب اٰمنا قل لم تؤمنوا ولٰكن قولوا أسلمنا﴾

" اعرابیوں نے کہا ہم ایمان لے آئے، آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کیا ہے اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدوؤں کے لئے اسلام ثابت کیا ہے اور ان کے لئے اطاعت رسول کو قبول کیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان سے ایمان کی نفی بھی کی ہے

۔

[الصلاۃ، ص:78]

اصول نمبر3-

کفر عملی کے متعلق امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اصول بھی واضح کیا ہے کہ بعض اوقات ایک شخص میں ایمان کی کوئی شاخ ہوتی ہے لیکن اس کو مؤمن نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ بعض اوقات ایک شخص میں کفر کی ایک شاخ پائی جاتی ہے لیکن اس پر لفظ کفر نہیں بولا جاتا۔ کیونکہ اسم فاعل (لفظ کافر و مؤمن دونوں اسم فاعل ہیں)

کا اطلاق اس صورت میں ہوتا ہے جب کوئی شخص کثرت سے وہ کام کرتا ہے یا اس کے غالب اجزاء اور پہلوؤں کا احاطہ کرنے والا ہو جیسا کہ لفظ عالم (یعنی ایک دو آیتیں یا مسئلے جاننے والے کو عالم نہیں کہا جاتا یا کسی عالم کو کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو اسے جاہل نہیں کہا جاتا) اسی اصول سے متعلقہ ایک اور اصول بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ یہ ہے کہ اسی طرح اگر کوئی شخص ایمان کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے ساتھ کھڑا ہے تو لازم نہیں کہ اس پر لفظ مؤمن فٹ آئے اگرچہ جس چیز کے ساتھ وہ کھڑا ہے وہ ایمان ہی کیوں نہ ہو اسی طرح اگر کوئی شخص کفر کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے ساتھ کھڑا ہے تو لازم نہیں کہ اسے کافر ہی کہا جائے اگرچہ جس کے ساتھ وہ کھڑا ہے وہ کفر ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔جیسا کہ کسی شخص کو فقہ یا طب کے بعض مسائل کا علم ہو تو اس سے وہ فقیہ یا طبیب نہیں بن جاتا ایسے شخص پر کفر، نفاق، ایمان کا لفظ تو بولا جا سکتا ہے مگر مقید طور پر مثلاً: کافر مجازی یا کافر عملی

جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

من ترک الصلاۃ متعمداً فقد کفر

’’ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا‘‘

من حلف بغیر اللہ فقد کفر

’’ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو اس نے کفر کیا‘‘

اصول نمبر4-

اسی طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ نے کفر عملی کا یہ اصول بھی واضح کیا ہے
کتاب و سنت میں جن افعال کے مرتکبین سے اسلام یا ایمان کی نفی کی گئی ہے تو ہم بھی
ان کے اسلام یا ایمان کی نفی کریں یعنی ہم انہیں مسلمان یا مؤمن نہیں کہیں گے اور

ہماری مراد ان کی تکفیر نہیں بلکہ اتباع شریعت میں ایسا کریں گے اگرچہ ان اشخاص میں
ایمان یا اسلام کی دوسری شاخیں موجود ہوں اس وجہ سے ان کو کافر حقیقی قرار نہیں
دیا جائے گا۔

اسی طرح کا معاملہ زانی، شرابی اور لٹیرے وغیرہ کا ہے، ان لوگوں پر یہ لفظ
اسی وقت بولا جائے گا جب وہ یہ کام بکثرت کریں گے اگر کبھی کبھار ہوں تو پھر تو یہ کہا
جائے گا کہ فلاں نے زنا کیا، چوری کی۔ شرابی، زانی اور لٹیرے کو نہ تو مؤمن کہا جائے گا
(کیونکہ حدیث رسول ﷺ میں ان سے ایمان کی نفی کر دی گئی ہے) حالانکہ ایمان
ان کے پاس موجود ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں کافر کہا جائے گا اگرچہ جو کام انہوں نے کیے
ہیں وہ کفر کی قسموں میں سے ایک قسم ہیں کیونکہ تمام گناہ کفر کی شاخیں ہیں اا اور تمام
قسم کی اطاعتیں ایمان کی شاخیں ہیں، گناہ کبیرہ کے مرتکبین سے ایمان کی نفی کے

مقابلہ میں (جیسا کہ زانی، شرابی اور چور سے ایمان کی نفی کی گئی ہے) تارک نماز سے ایمان کی نفی کرنا بالآولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

اصول نمبر5-

جب کتاب وسنت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک شخص میں ایمان اور کفر ،توحید اور شرک اکٹھی ہو سکتی ہے تو کیا کسی شخص کو روز آخرت عملی کفر کی موجودگی میں اس کا ایمان یا عملی شرک کی موجودگی میں اس کی توحید کام آئے گی اس بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

اگر کسی شخص کا عملی کفر ایسا ہے جو بقیہ ایمان کے لئے شرط کا درجہ نہیں رکھتا تو بقیہ ایمان اس کو آخرت میں فائدہ دے گا اور اگر اس کا عملی کفر بقیہ ایمان کے لئے شرط کا درجہ رکھتا ہے تو اس کا بقیہ ایمان آخرت میں اس کے لئے نفع بخش نہیں ہو گا ۔اس کی مثال یوں سمجھ لیں:

ایک شخص نماز نہیں پڑھتا کفریہ فعل کا مرتکب ہے تو کیا اسے اس کے روزوں یا صدقہ زکوٰۃ وغیرہ جیسے دوسرے نیک اعمال کا فائدہ ہو گا یا کوئی حکم انما أنزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور عملی طور پر کافر ہے تو کیا اسے اس کے نماز، روزے کا اجر وثواب ملے گا؟(ملے گا کیونکہ یہ عملی کفر شرط ایمان میں سے نہیں) یا ایک شخص مسجد میں جا کر پانچ وقت نماز بھی پڑھتا ہے اور مندر میں جا کر بت کے سامنے ماتھا بھی

ٹیکتا ہے تو اس کی نماز اس کے لئے فائدہ مند ہو گی یا ایک شخص نماز، روزہ تو رکھتا ہے لیکن نبی ﷺ کو گالی بھی دیتا ہے، کیا اس کا نماز روزہ اس کے کام آئے گا؟ (ایسا ایمان فائدہ نہ دے گا کیونکہ یہ عملی کفر شرط ایمان کے منافی ہے۔)

تحکیم بغیر ما أنزل اللہ کے بارے سلف صالحین کی رائے

ان اصولوں کی بنیاد پر ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں جمیع سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے کو عملی یا مجازی کفر قرار دیا ہے یعنی یہ ایسا کفر ہے جو ملت اسلامیہ سے اخراج کا باعث نہیں بنتا ہے جب تک کہ فیصلہ کرنے والا اس فعل کو حلال اور جائز نہ سمجھتا ہو اور یہی اس درج ذیل آیت کی حقیقی مراد ہے:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون﴾ (المائدۃ:44)

اب ہم ذیل میں سلف صالحین کے اقوال اور دیگر قرائن کی روشنی میں اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

آیت تحکیم کا سیاق وسباق:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:310ھ) علمائے کرام کے اقوال بیان کرنے کے بعد بات کو ختم کرتے ہوئے فرماتے ہیں میرے نزدیک ان میں سے راجح ترین قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے کافروں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس سے پہلے اور بعد والی آیات میں ان ہی لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے سیاق وسباق کا یہی تقاضا ہے اس سے مراد یہود ونصاریٰ لیے جائیں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عام بات کی ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا وہ کافر ٹھہرے گا آپ لوگ اس کو بعض لوگوں کے ساتھ خاص کیوں کرتے ہیں؟

جواب یہ دیا جائے گا کہ اس آیت میں عام الفاظ ان لوگوں کے بارے میں ہی استعمال کیے گئے ہیں جو اللہ کے حکم کا انکار کرنے والے تھے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں ۔جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہوئے ان کو ترک کرے گا وہ کافر کہلائے گا جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہا ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم کو (جو اس نے اپنی کتاب میں نازل کیا) جاننے کے بعد اپنے انکار کی وجہ سے کافر ہو گئے اور انکے انکار کی مثال نبی ﷺ کی نبوت کو جاننے کے بعد انکار کرنے کی طرح ہے۔

[تفسیر طبری، ص:557،ج:4 مطبوعہ دار الحدیث القاہرہ]

آیت تحکیم اور انکار یہود کا ثبوت:

یہود کے انکار پر آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بارے کہا:

"اگر وہ نبی تم کو تمہارے ارادے کے مطابق فیصلے دے دے تو اس کو حاکم تسلیم کر لینا اور اگر کچھ نہ دے تو بچ جانا اور حاکم تسلیم نہ کرنا"

قرآن مجید میں بھی اس قبیح (برائی) اصول کا ذکر موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يقولون إن أوتيتم هذا فخذوه وإن لم تؤتوه فاحذروه﴾(المائدة: 41)

" اگر تمہیں یہ دیا جائے تو لے لو اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو بچ جاؤ"

[مزید تفصیل کے لئے جامع البیان المعروف تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، ابن کثیر وغیر ھم ملاحظہ کریں]

مسئلہ تحکیم از نبی مکرم ﷺ:

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لینقضن عری الاسلام عروة عروة فکلما انتقضت عروة تشبث الناس بالتی تلیها واولهن نقضاً الحکم وأخرهن الصلاة

[مسند احمد۔ ص:251،ج:5]

" آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام ایک ایک کڑی کر کے ٹوٹتا چلا جائے گا جب ایک کڑی ٹوٹ جائے گی تو لوگ دوسری کڑی کو پکڑ لیں گے سب سے پہلے جو کڑی ٹوٹے گی وہ " حکم " (فیصلہ) ہو گا اور آخری ٹوٹنے والی کڑی "نماز" ہو گی۔"

اس حدیث میں نبی ﷺ نے مثال دے کر اسلام کے دور زوال کو سمجھایا اور سب سے پہلا معاملہ حکم یعنی فیصلہ ختم ہو جانے کے باوجود آپ ﷺ نے اسلام کو باقی قرار دیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حکم بغیر ما انزل اللہ ایسا کفر نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے۔

آیت تحکیم اور سیدنا ابن عباسؓ:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "یہ وہ کفر نہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں یہ

دین سے خارج کر دینے والا کفر نہیں۔

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک هم الکافرون﴾ (المائدۃ:44)

یہ کفر دون کفر ہے"

[المستدرک للحاکم رقم: اخریٰ، و قال هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه ووافقه الذهبی وصححه الألبانی]

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے علقمہ اور مسروق رحمهما اللہ نے رشوت کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "یہ

حرام ہے" دونوں نے کہا: (رشوت لے کر خلاف شریعت) فیصلہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کفر ہے پھر صحابی رسول ﷺ عبد اللہ بن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی۔

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون﴾(المائدۃ:44)

[الابانۃ(من شریعۃ الفرقۃ الناجیۃ ومجانبۃ الفرقۃ المذمومۃ) للشیخ الامام ابی عبد اللہ عبید اللہ بن محمد ابن بطہ العکبری (المتوفی 372ھ) ص:303، ج:1، باب ذکر الذنوب التی تصیر بصاحبھا الی کفر غیر خارج بہ عن الملۃ]

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رشوت لے کر فیصلہ کرنے کو کفر قرار دیا ہے اور یہ کفر مخرج من الملۃ نہیں ہے۔ اسی لیے امام ابن بطہ نے اس کو اس باب میں بیان کیا ہے جس میں ان گناہوں کا ذکر ہے جن کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔

سید التابعین عطاء بن ابی رباح:

وہ فرماتے ہیں:

”کفر دون کفر وفسق دون فسق وظلم دون ظلم“

[تفسیر طبری، ص:554، ج:4 رقم:12061]

طاؤس تابعی کا فیصلہ:

وہ فرماتے ہیں: ”یہ وہ کفر نہیں جو دین سے خارج کر دے“

[تفسیر طبری، ص:554، ج:4، رقم 12066]

امام اہل السنہ احمد بن حنبل اور امام ابن تیمیہؒ کا فیصلہ:

امام ابن تیمیہؒ مجموع الفتاویٰ میں فرماتے ہیں سلف صالحین کا یہ قول ہے کہ انسان میں جس طرح ایمان اور نفاق جمع ہو سکتا ہے اسی طرح اس میں کفر اور ایمان بھی جمع ہو سکتا جیسا کہ عبد اللہ بن عباس اور ان کے شاگردوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں فرمایا:

﴿ومن لم يحكم بما انزل الله فأولئک هم الكافرون﴾ (المائدۃ:44)

''جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے''

انہوں نے ایسا کفر کیا ہے جو دین اسلام سے خارج نہیں کرتا ہے اور یہی موقف امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ اہل سنت نے اپنایا ہے۔

[مجموع الفتاویٰ، ص:312،ج:7]

امام ابن قیمؒ کا فیصلہ:

ابن القیم فرماتے ہیں:

والصحيح ان الحكم بغير ما انزل الله يتناول الكفرين الا صغر والاكبر بحسب حال الحكم فانه ان اعتقد وجوب الحكم بما انزل الله فى هذه الواقعة و عدل عنه عصيا نامع اعترافه بانه مستحق للعقوبة فهذا كفر اصغر وان اعتقد انه غير

واجب وانہ مخیر فیہ مع تیقنہ انہ حکم اللہ فھذاکفر اکبر وان جھلہ واخطاء ہ فھذا مخطیئی لہ حکم المخطیئن

(مدارج السالکین ص:212 طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)

وہ فرماتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ بغیر ماانزل اللہ فیصلہ کرنا دو قسم پر مشتمل ہے کفر اصغر اور کفر اکبر (ان دونوں میں سے کسی ایک کا حکم) فیصلہ کرنے والے کے حالات کے مطابق عائد ہو گا پس اگر کوئی حکمران کسی مسئلہ میں ماانزل اللہ کے مطابق فیصلے کو واجب سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو گناہگار بھی سمجھتا ہے تو اس حکمران کا کفر، کفر اصغر ہو گا اور اگر اس حکمران کا یہ عقیدہ ہو کہ ماانزل اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا لازم نہیں ہے یا اختیاری معاملہ ہے چاہے وہ اسے یقینی طور پر اللہ کا حکم ہی سمجھتا ہو تو کفر اکبر ہے اگر حکمران نے کوئی فیصلہ جہالت یعنی شرعی حکم سے عدم واقفیت کی بنیاد پر کیا تو وہ خطاکار ہے اس کے لئے خطاکاروں کا حکم ہے۔

(مدارج السالکین ص:212 طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)

محمد بن نصر المروزی:

فرماتے ہیں اس مسئلہ میں ہمارے لئے اصحاب رسول اور تابعین نمونہ ہیں کیونکہ انہوں نے اصل کے

علاوہ کفر کی شاخیں بھی بیان کی ہیں جس سے وہ آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا مزید فرماتے ہیں یہی فیصلہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے ہے:

﴿ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون ﴾(المائدۃ :44)

[تعظیم قدر الصلاۃ:2/520]

امام ابن عبد البر (المتوفی 423ھ):

جس شخص نے جانتے بوجھتے فیصلے میں ظلم کیا تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اس بارے میں سلف صالحین سے ہت سارے اثار مروی ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون﴾(المائدۃ:44)

یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی سیدنا حذیفہ بن یمان اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لیکن یہ آیت ہمارے بارے میں عام ہے وہ فرماتے ہیں جیسا کہ اس امت میں سے کوئی یہ کام کرتے تو یہ ایسا کفر نہیں جو ملت

اسلامیہ سے خارج کر دے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور یوم آخرت کے ساتھ کفر کرے دے۔ قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر یہ اہل علم کی ایک جماعت سے منقول ہے جن میں سیدنا عبد اللہ بن عباس، طاؤس، عطاء وغیرھم شامل ہیں۔

[التمھید لابن عبد البر، ص:75،74،ج:5](طبع المکتبہ القدوسیہ لاہور)

شیخ صالح العثمین فرماتے ہیں:

ان من لم یحکم بما انزل اللہ اما ان یکفرن بطمع واما ان یکون لکفر بما انزل اللہ واما ان یکفرن نعدوان وظلم علی الغیر(الاول)ان کان لطمع فانہ فاسق کفاض تنازع عندہ رجلان فاعطاہ احدھما اشوۃ فحکم بغیر ما انزل اللہ طلبا لعرشوۃ والطمع فھذا نقول انہ فاسق۔

(الثانی)

دجل تکاحم الیہ رجلان وکان بینہ وبین احدھما عدوۃفحکمعلیہوالحقمعہنقولھذاظالم

معتدلیسلہنحرضبالحکمعلیہولکنہ یریدان ینتقم منہ لانہ لکیر ھہ اوبینھما تشاھن

(الثالث)

ان یکم بغیر ما انزل اللہ

کراھۃلماانزلاللہاواعتقادامنہانماحکمبہخیرمنحکماللہعزوجلاوانہمخیرید

نانیحکمبماانزلاللہاوانیکمبغیرماانزلاللہفھوالکفرنکافراخارجاعنالسالم

لان کرہ الاسلام او الظن ان غیرہ احسن عندہ او ان غیرہ مثلہ واللہ

عزوجل بقول(ومن احسن من اللہ حکما القوم یوقنون) مائدہ:50ای

لااحد احسن من اللہ حکما فذاحکم وھو یعنقد مثل حکم اللہ فقد

کذب ما انزل علیہ للایۃوھوقولہ(ومناحسنمناللہحکما)

واذاعتقدانہغیرمنہمھو اشر واقبح من الذی قال انہ مساولہ

(التفسیر الثمین جلد4 ص:220 مکتبہ الطبری مصر)

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (المتوفی 652ھ)

فرماتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون﴾: 44، ﴿الظالمون﴾: 45، ﴿الفاسقون﴾:47 (المائدۃ)

یہ تمام آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے باقی مسلمان آدمی کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا اگرچہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو یہ بھی کہا گیا ہے اس میں (

عبارت) پوشیدہ ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا قرآن کارد کرتے ہوئے یا نبی ﷺ کی بات کا انکار کرتے ہوئے وہ کافر ہو گا جیسا کہ سیدنا ابن عباس اور مجاہد رحمہما اللہ نے فرمایا ہے اس معنی میں آیت کا حکم عمومی ہو گا۔

[الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ص124، ج:6، اخریٰ 6/190]

امام حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیرؒ

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تفسیر ابن کثیر تحت آیت ومن لم یحکم---- الکافرون لکھتے ہیں

"لانہم جحدوا حکم اللہ قصدا منہم وعناداو عمدا" یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ کہا ہے جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے کیوں کہ انہوں (اہل کتاب) نے اللہ کے حکم کا جانتے بوجھتے عمداً اور سرکشی سے انکار کیا تھا۔

[ابن کثیر، ص:61، ج:2، المائدۃ:44] وفی نسخہ اخریٰ 3/120 ابتحقیق سامی بن محمد السلاحہ دار طیبہ

اسی طرح یہی موقف امام ابن ابی العز الحنفی نے شرح العقیدہ الطحاویہ ص: 323، میں اور حافظ ابن حجر شارح بخاری نے فتح الباری، ص:120، ج:13، میں اختیار کیا ہے۔

نواب صدیق الحسن خان قنوجی کا فیصلہ (المتوفی:1389):

وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ومن لم یحکم ----الکافرون اعلانیہ ان کا کفر بیان کر رہی ہے یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا مگر یہاں ان کا کوئی عذر پایا جائے یعنی اگر کوئی آدمی اللہ کے فیصلے کو کمتر سمجھتا ہو یا اللہ کے حکم کے بغیر فیصلہ کرنے کو حلال سمجھتا ہو تو وہ کافر ہوگا ورنہ نہیں ان قیود کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وگرنہ امت میں کوئی شخص بھی کفر سے نہیں بچ سکتا اور نہ ہمیشہ کی جہنم سے بچ سکتا ہے۔

[الدین الخالص، ص:208،ج:3، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت]

پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۶):

بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں اضمار ہے اس لئے پورے کلام کو اس طرح سمجھنا چاہیے:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ﴾ رداً للقرآن وجحداً لقول الرسول فھو کافر

یہی قول سیدنا عبد اللہ بن عباس اور امام مجاہد کا ہے، مزید فرماتے ہیں ناظرین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے جسے امام ذھبی نے "الکبائر، ص:146" میں بیان کیا ہے۔ لیکن کبیرہ گناہ کے بسبب کسی مسلمان

کو اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے جب تک کہ وہ اپنے اس کیے گئے فعل کے صحیح ہونے یا برحق ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ اسے غلط سمجھتا ہے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے قضاء الٰہی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ ظالم اور فاسق تو ضرور ہے مگر اسے کافر یا اسلام سے خارج نہیں کہہ سکتے، یہی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے جو شروع ہی سے چلا آ رہا ہے لیکن خوارج ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں۔

[بدیع التفاسیر :7/283، طبع جنوری 1998ء تفسیر سورۃ المائدہ]

قرآن مجید کی آیت کے سیاق وسباق، رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث اور سلف صالحین کے اقوال سے واضح ہو گیا ہے کہ تحکیم بغیر ما انزل اللہ مطلقاً کفر اکبر نہیں ہے اور نہ ایسا فیصلہ کرنے والا مطلقا طاغوت ہے۔

آیت تحکیم اور خوارج کی کج فکری از مفسرین عظام:

خوارج اور ان کے ہمنوا لوگ کتاب و سنت کی دیگر نصوص اور سلف صالحین کی اس وضاحت کے باوجود صرف آیت کے ظاہر کو لے کر توحید حاکمیت کا نعرہ لگاتے ہوئے امت کے مقتدر علماء و ذمہ داران کو کافر و مرتد اور طاغوت قرار دے کر ان کے قتل کو حلال قرار دے دیتے ہیں ہم ذیل میں خوارج اور ان کے ہمنوا گروہ کی کج فکری

اور باطل طرز استدلال کی حقیقت جمہور اہل علم اور مفسرین سے واضح کرتے ہیں تاکہ اللہ ایسے گمراہ کن نظریات کے حامل لوگوں سے محفوظ فرمادے۔ اٰمین!

الامام ابو بکر محمد بن الحسین عبد اللہ الآجریؒ (المتوفی:360ھ):

فرماتے ہیں؛خوارج جن متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں ان ہی آیات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک هم الکافرون﴾(المائدۃ 44:)

" جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں"

پھر اس کے ساتھ یہ آیت (ملا کر) پڑھتے ہیں:

﴿ثم الذین کفروا بربهم یعدلون﴾(الانعام:1)

" وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں۔"

جب وہ کسی حکمران کو دیکھتے ہیں کہ وہ ناحق فیصلہ کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں اس نے کفر کیا اور جس نے کفر کیا اس نے (ان غیروں کو) اس کے برابر کر دیا لھذا اس نے

شرک کیالہذا یہ حکمران مشرک ہیں پھر وہ ان کے خلاف خروج کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے سلف صالحین سے ہٹ کر اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے۔

[الشریعہ للآجری، ص:30 مطبوعہ جمیعہ احیاء التراث الاسلامی]

امام سمعانیؒ (المتوفی:510ھ) فرماتے ہیں :

یہ جان لیں کہ خوارج اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں جو ماانزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے جبکہ اہل سنت کا قول یہ ہے وہ کہ صرف ماانزل اللہ کو ترک کر دینے سے ہی کافر نہیں ہو گا (جب تک کہ اس کا عقیدہ نہ رکھے) اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ جو شخص ماانزل اللہ کے مطابق اس کا انکار اور اس کا رد کرتے ہوئے فیصلہ نہ کرے تو یہ کافر ہے اور دوسرا معنی یہ کہ جو ماانزل اللہ کے مطابق کلی طور فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے کیونکہ کافر ہی اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو کلی طور پر چھوڑ دیتا ہے جبکہ مسلمان کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا۔

[تفسیر سمعانی، المائدۃ:44]

امام ابن جوزیؒ (المتوفی:596ء) فرماتے ہیں:

ان من لم يحكم بما انزل الله جاحداً وهو يعلم ان الله انزله كما فعلت اليهود فهو كافر ومن لم يحكم به ميلاً إلى الهوىٰ من غير جحود فهو ظالم فاسق

” جو اس سے انکار کرتے ہوئے ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے جبکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس حکم کو اللہ نے نازل کیا ہے جیسا کہ یہود کا معاملہ تھا، وہ کافر ہے اور جو ما انزل اللہ کے مطابق اپنی خواہش نفس کی اتباع میں فیصلہ نہ کرے اور اس کا انکار کرنے والا نہ ہو تو وہ ظالم اور فاسق ہے“

[زاد المسیر، المائدۃ:44]

امام ابن العربیؒ (المتوفی ھ) :

ان حکم بما عندہ علی انہ من عند اللہ فھو تبدیل لہ یوجب الکفر و ان

حکم بہ ھویً و معصیۃ فھو ذنب تدرکہ

المغفرۃ علی اصل اھل السنۃ فی الغفران للمذنبین

”اگر کوئی حکمران اپنی کسی رائے میں اس طرح فیصلہ کرے کہ اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہو تو یہ اللہ کی شریعت تبدیل کرنے کے مترادف ہے اور کفر کا سبب ہے اور اگر اس نے اپنی خواہش یا نافرمانی میں ما انزل اللہ کے بغیر فیصلہ کیا تو یہ ایسا گناہ ہے جو قابل مغفرت ہے جیسے کہ گناہ گاروں کے لئے مغفرت کے بارے اہل سنت کا اصول ہے“

[احکام القرآن، المائدۃ:44]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اس آیت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ خوارج کا کہنا یہ ہے کہ جس نے بھی اللہ کی نافرمانی کی وہ کافر ہے جبکہ جمہور ائمہ کا قول ہے کہ ایسا معاملہ نہیں ہے خوارج نے اپنے موقف کے حق میں اس آیت کو بیان کیا اور کہا ہے کہ یہ آیت مبارکہ اس بارے نص ہے کہ جو شخص بھی ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا (چاہے وہ اپنی نجی زندگی میں ہی ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو اور اللہ کا نافرمان ہو) تو وہ کافر ہے تو اس نے ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کیا پس ایسے شخص کا کافر ہونا لازم ٹھہرا، متکلمین اور مفسرین نے خوارج کے اس استدلال کے کئی ایک جوابات نقل کیے ہیں ان جوابات میں سے ایک جواب یہ ہے۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ کا قول ہے کہ جو ما انزل اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا یہ اس کے بارے میں ہے جو اپنے دل سے اللہ کے حکم کا انکار کر دے اور اپنی زبان سے بھی منکر ہو جائے پس جو شخص اپنے دل اور زبان سے اسے اللہ کا حکم مانتا ہو اور پھر بھی اس کے خلاف چلے تو یہ ما انزل اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کرنے والا ہے اگرچہ وہ عملی طور پر ما انزل اللہ کو چھوڑنے والا ضرور ہے پس ایسا شخص اس آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور یہی جواب صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

[تفسیر کبیر از رازی، المائدۃ:44]

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم بغیر ما انزل اللہ عملی اور مجازی کفر ہے اس کفر کا مرتکب علی الاطلاق کافر و مرتد نہیں جب تک کہ اس میں انکار و جحود یا استحلال وغیرہ نہ پایا جائے اور خوارج نے اس آیت کو فہم سلف سے ہٹ کر مطلقا کفر اکبر پر محمول کیا اور توحید حاکمیت کا نعرہ لگاتے ہوئے ہر اس شخص کو مرتد قرار دے دیا جو حکم بغیر ما انزل اللہ کا مرتکب ہوا حالانکہ یہ صریحاً ظلم ہے۔

آب ہم آئندہ سطور میں ان امور کا جائزہ ہم کریں گے جن کو اسی مسئلہ (تحاکم الی اللہ) کی بناء پر مطلق طاغوت قرار دے کر اس سے منسلک افراد کو بھی کافر و مشرک بلکہ بسا اوقات مباح الدم بھی قرار دے دیا جاتا ہے۔

جمہوریت سے منسلک اہل علم اور ان کا حکم:

پاکستان کی اسا اور بنیاد کلمہ طیبہ پر رکھی گئی اسی لیے پاکستان کے دستو میں سپریم لاء کے طور پر قرآن و سنت کا ذکر ہے اور بہت سارے جج اور قاضی اس قانون کا انکار نیہں کرتے اور قرآن و سنتے کی رو سے فیصلہ کرنے والے جج اور قاضی بھی ان عدالتوں میں موجود ہیں اس لیے علی الاطلاق اس نظام میں موجود سب کو کافر قرار دینا تحکیم اور زیادتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہ نظام غیر شرعی اور غیر اسلامی

ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان وغیرہ میں علمائے کرام جمہوریت کے تحت جو نفاذ اسلام کی کوشش کر رہے ہیں یا پھر اسلامی قانون سازی مثلاً: حدود قوانین، توہین رسالت کا قانون، قصاص ودیت کے قوانین کی جدوجہد میں سالہا سال سے شریک ہیں۔ مثلاً:

مولانا ابوالکلام آزاد، سید داؤد غزنوی، مولانا سمیع الحق، مولوی فضل الرحمٰن ، مفتی محمود احمد، سینیٹر ساجد میر، مفتی تقی عثمانی سابقہ جسٹس اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبران جیسے ہندوستان کا صلاح الدین، معین الدین لکھوی، حافظ حسین احمد وغیرھم

یعنی ان علماء کی کاوش کس زمرے میں آئے گی اور ان کا شرعی حکم کیا ہو گا کیا ان کو طاغوت یا اس کا معاون قرار دینا شرعاً درست ہے یا کہ نہیں؟

اس کے جواب میں یہ بات ملحوظ رہے کہ جمہوریت سے منسلک علماء نے نہ تو اس کو ایک مثالی نظام کے طور پر قبول کیا ہے اور نہ ہی اس کو خلافت کا متبادل قرار دے کر اپنایا ہے بلکہ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی اگر ماضی کے حقائق پر غور کرے تو وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے پاکستان وہندوستان جنگ عظیم دوم کے بعد کے بیس (20) سالوں میں وجود میں آئے پاکستان کا قیام ہو یا ہندوستان کا ان دونوں کی آزادی یہاں کے باشندوں کی جدوجہد سے بڑھ کر برطانیہ کی کمزوری میں مضمر ہے۔

مختصر طور پر پاکستان کی آزادی اپنے زور بازو پر حاصل ہونے والی مکمل آزادی نہ تھی بلکہ قابض کی کمزوری کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورت حال میں قائداعظم محمد علی جناح کی پر عزم قیادت کے تحت مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا نتیجہ تھی چنانچہ یہ آزادی حاصل کرنے والے مسلمان، اور ان پر نگران عالمی استعمار نے انہیں یہ مہلت ہی نہ دی کہ وہ جمہوریت سے بالاتر کسی نظام کے متعلق آزاد ہو کر سوچتے لیکن قیام پاکستانکے بعد بھی نظریاتی بدترین استعماری تسلط آج تک برقرار ہے پاکستان کلمہ طیبہ کے نعرے کی قوت سے وجود میں آیا لیکن قیام کے چند ماہ بعد ہی خالص اسلام کی بجائے جمہوریت کی بھینٹ چڑھ گیا ان حالات میں علماء نے ایک مثالی نظام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ موجودہ سیاسی جبر میں ممکنہ اصلاحات کا راستہ اپنایا۔ اگر پاکستان مکمل طور پر آزاد ہو کر قائم ہوا ہوتا اور اس پر مغربی قوتوں کا تسلط نہ ہوتا تو یہاں علماء یہ صورتحال کبھی اختیار نہ کرتے۔

الغرض علماء کے متفقہ 22 نکات ہوں یا دستوری جدوجہد یا اسلام کے اجتماعی نظاموں کا جزوی نفاذ حالات کے اس جبر میں ان علماء کے پاس تبدیلی کا ممکنہ راستہ ہی یہ ہے نہ کہ یہ علماء اور اسلام کا اصل مقصود یہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان قانونی تبدیلیوں کے نفاذ اور آج کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود بھی اسلام کی برکات حاصل نہیں ہو رہی کیونکہ یہ ایک مثالی طریقہ یا خالص اسلامی ہدف نہیں بلکہ امت کو درپیش کمزوری کے حالات کی اضطراری حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حالات کے جبر و استبداد میں جب ہجرت لازمی نہ ہو گی تو ایسا رویہ اختیار کرنا جس میں خیر کے لئے کوشش جاری رہے اور شر کے بالمقابل صبر و استقلال کے ساتھ جدوجہد بھی ماند نہ پڑے ضروری ہے جس کے لئے بعض اہل علم نے جمہوریت کی یہ راہ اپنائی ہے لہذا ان کو طاغوت کا یا ان کا طاغوت کے معاون اُلہ کار قرار دینا قطعا غلط اور غلو و تشدد پر مبنی ہے اور ایسے فتوے اور نظریات کتاب و سنت اور فہم سلف سے آشنائی اور جہالت کا نتیجہ ہیں۔

(اللهم اهد هم فانهم لايعلمون)

جمہوریت اور قانون الیاسق

جمہوریت کو ارتداد و کفر اور اس سے منسلک علماء پر کفر و شرک اور ارتداد کے فتوے داغنے والے حضرات عام طور پر تاتاریوں کے قانون یاسق کا غلط انطباق کر کے مغالطہ آرائی کی کوشش کرتے ہیں اس لئے ذیل میں ہم قانون یاسق اور اس کی اصل تصویر اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں تا کہ بات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

تاتاریوں کے قانون یاسق کا تذکرہ امام ابو الفداء بن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی جلد 3 ص:54 پر ذکر کیا اور شیخ الاسلام

کے حوالہ سے الشیخ ابو محمد امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ الدین الخالص ج:9، ص:124-122، پر اس کا تذکرہ کیا ہے قانون یاسق کے حاملین تاتاریوں کا پہلا جرم:

1- لایعتقد دین الاسلام فی الباطن
"وہ دلی طور پر اسلام کو دین برحق نہیں سمجھتے تھے۔"

2- کھانے پینے کے بعد اس کا شکر ادا کرتے تھے۔

3- وہ چنگیز خان کو رسول اللہ قرار دیتے تھے۔

4- تاتاری کے نزدیک محمد ﷺ اور چنگیز خان دونوں اللہ کی طرف سے مأمور ہیں۔

5- وہ سید ولد اٰدم، اکرم الخلق، خاتم المرسلین محمد ﷺ اور کافر، مشرک ظالم بادشاہ کو برابر سمجھتے تھے۔

6- وہ چنگیز خان کے لئے اس قدر مطیع و فرمانبردار تھے کہ مسلمانوں کو بھی اس کی اطاعت پر مجبور کرتے تھے اور اس کے لئے مال خرچ کرنے اور اس کے بنائے ہوئے قانون کو زبردستی منواتے تھے۔(جو کہ ان کے نزدیک وحی الٰہی کے برابر تھا) اور الیاسق کا انکار کرنے والوں کے خون کو شرعا حلال سمجھتے تھے۔

7- ان کے ہاں دین اسلام کی حیثیت دین یہودیت اور نصرانیت کی تھی اور یہ سب ادیان اللہ کے ہاں تقرب کے راستے ہیں (جیسا کہ مسلمانوں کے ہاں مالکی، شافعی، حنبلی، حنفی، چار مذاہب کی حیثیت ہے) اور یہودیت ونصرانیت کو اسلام کے برابر قرار دینا بذات خود کفر ہے۔

8- بعض تاتاری تو یہودیت وعیسائیت کو دین اسلام سے اچھا اور افضل خیال کرتے تھے۔

9- لایوجبون الاسلام وہ دین اسلام کو لازمی وضروری نہیں سمجھتے بلکہ اصل دین منگولیا (چنگیز خان) حکومت اور تعظیم تھی اور دین اسلام کو چھوڑ کر کفار کے دین کی تعظیم اور مدد کرتے تھے۔

10- جو شخص بھی منگولیوں کی حکومت سے نکلتا یا ان کے خلاف خروج کرتا وہ اس سے قتال کو حلال سمجھتے تھے۔

11- وہ اہل کتاب کے لئے جزیہ وذلت کے منکر تھے۔

12- ان کے لشکروں میں سورج، چاند وغیرہ کی عبادت کی عام اجازت تھی۔

13- وہ چنگیز خان کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

کیا موجودہ جمہوریت میں پارلیمنٹ یا اس سے منظور شدہ قانون کی حیثیت وحی الٰہی کی ہے؟

کیا وہ پارلیمنٹ کو نبی ﷺ کی طرح مأمور من اللہ سمجھتے ہیں؟

چنگیزوں کے ہاں اصل دین تعظیمِ چنگیز اور اس کی اطاعت ہے جبکہ پاکستانی جمہوریت میں اصل حاکم شریعت و تکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

[دیکھیے دستور واصل کی تمہید اور آرٹیکل 2/12 الف]

اسی طرح آرٹیکل 2 کے مطابق اسلام مملکت پاکستان کا مذہب ہے اور ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا اور کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جائے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

کیا تاتاریوں اور پاکستانی جمہوریوں کا نظریہ ایک جیسا ہے؟

تاتاریوں کے نزدیک اسلام یہودیت اور نصرانیت برابر حیثیت کے حامل دین جبکہ پاکستان مذہب اسلام ہے یہودیت و عیسائیت کی حیثیت اقلیت کی ہے نہ کہ برابری کی ہے۔ تاتاریوں نے اسلام کو چھوڑ کر کفار کے دین کی تعظیم اسلام سے بڑھ کر قرار دے رکھی تھی۔

عدالتیں اور ان کا شرعی حکم

عدل وانصاف کسی بھی مہذب معاشرے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کتاب وسنت کی بناء پر اپنے فیصلے کرنا کوئی ذوقی یا اختیاری مسئلہ نہیں کہ اس میں مسلمانوں کے لئے کوئی دوسری گنجائش موجود ہو بلکہ یہ اسلام کا اپنے ماننے والوں سے اساسی مطالبہ ہے کہ وہ اپنے فیصلے کتاب وسنت کی بناء پر کریں قرآن مجید کی نصف درجن آیات مسلمانوں کو اس کی میزان اور ان کی اسلامیت کو اس سے مشروط ٹھہراتی ہے،خود ساختہ قوانین کی مزان پر فیصلے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے ظالم،فاسق اور کافر قرار دیا ہے۔

غیر شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے کی شرعی حیثیت ہم آیت تحکیم کے تحت کر آئے ہیں اس جگہ قابل غور بات یہ ہے کہ جبر واستبداد کے اس دور میں جبکہ صحیح اسلامی نظام کا فقدان ہے اور استعماری قوتوں کے غلبہ کی وجہ سے اسلامی جزئیات کے ساتھ ساتھ بہت سے غیر اسلامی قوانین بھی موجود ہیں تو کیا ایسی صورت میں ایک مسلمان کے لئے ایسی عدالتوں میں جانا اور ان سے اپنے حقوق وغیرہ کا فیصلہ لینا کیا شرعاً جائز ہے ؟

اس کا جواب ہمیں (قرآن مجید سورہ یوسف) سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصے میں مل جاتا ہے،سیدنا یوسف علیہ السلام جیل سے رہائی پانے کے لئے اپنے

مقدمے کا فیصلہ ایک کافر و طاغوت بادشاہ سے کروانا چاہ رہے ہیں دیکھیے جب وہ نجات پانے والا شخص یوسف علیہ السلام کے پاس بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھنے آیا تو یوسف علیہ السلام نے اسے صحیح تعبیر بتلائی تو بادشاہ نے کہا اسے (یوسف علیہ السلام) کو میرے پاس لے آؤ، یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تو اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جا،

﴿فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۵۰؁﴾

[یوسف:50]

”ان سے پوچھ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولنا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں:

”یعنی وہی قصہ یاد دلایا جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ کو میرے مقدمے کی تحقیق کرنی چاہیے تاکہ سب کے سامنے میرا پاک دامن اور بے قصور ہونا پوری طرح واضح ہو جائے۔“

[اشرف الحواشی ص:290 تحت آیت ھذا]

اس آیت کے الفاظ و مفہوم پر غور کیجیے کہ مصر میں قانون طاغوت کا ہے جیسا کہ اسی سورت میں ہے:

﴿ ----مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ----۰۰۷۶ ﴾

(یوسف:76)

"ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ کے قانون میں وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا"

اور نبی یوسف علیہ السلام کو اپنی براءت مطلوب تھی جس کا وہ فیصلہ ایک طاغوت سے کروا رہے ہیں، یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بعض کج فکری اور غلط روش پر گامزن لوگ جو یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں، "کہ فیصلہ کروانا عبادت کے زمرے میں آتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے جو کسی غیر سے فیصلہ کرواتا ہے وہ اس غیر کو اپنا الٰہ (معبود) سمجھتا ہے اور اس کی عبادت کر رہا ہے۔"

ایسے لوگ یوسف علیہ السلام کے بارے میں کیا فیصلہ دیں گے ؟ کیا معاذ اللہ وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی مشرک اور طاغوت سے کفر نہ کرنے والا کہیں گے ۔(نعوذباللہ من ذلک)

صحابہ کرام اور دربار حبشہ:

اسی طرح اس مسئلہ کی مثال ہمیں عہد نبوی ﷺ سے بھی ملتی ہے:

نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کو کہا جبکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی (اصحمہ) اس وقت طاغوت تھا لوگ اسے سجدہ کیا کرتے تھے وہ لوگوں سے اپنے لئے سجدہ کروایا کرتا تھا، لیکن نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو (ایک طاغوت کے) نجاشی کے زیر سایہ بھیج رہے ہیں رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ عادل بادشاہ ہے وہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

[مسند احمد بتحقیق احمد شاکر، ص:185، ج:6 وقال اسنادہ حسن]

پھر مشرکین مکہ کا وفد اور مہاجر صحابہ کا فیصلہ نجاشی (طاغوت) کے دربار میں پہنچتا ہے۔

[السیر والمغازی لابن اسحٰق، ص:213، السیر النبویۃ لابن ہشام، ص:413، ج:1]

اگر طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا علی الاطلاق شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کبھی بھی نجاشی کی عدالت میں نہ جاتے۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا معاشرہ میں جب شرعی عدالتیں اور نظام خلافت وغیرہ کا فقدان ہو تو اپنا جائز حق لینے کے لئے یا ہر مجبوری یا بوقت ضرورت ان عدالتوں سے فیصلہ کروانا جائز ہے یہ ان کی عبادت وبندگی نہیں ۔موجودہ دور میں بسا اوقات انسان کو اپنا جائز حق لینے کے لئے ان عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانا ہی پڑتا ہے۔

مثلاً: 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے مسلمانوں پر مقدمات قائم کیے جن کی چارہ جوئی کے لئے علماء اہل حدیث اور دیوبند ان عدالتوں میں فیصلہ کروانے کے لئے گئے۔اسی طرح اگر کسی کی زمین، مکان پر کوئی ناجائز قابض ہو جائے، اگر وہ اپنا حق لینے کے لئے ان عدالتوں سے تعاون لیتا ہے تو وہ اس سے شیطان اور طاغوت کا پجاری نہیں بن جاتا۔

کیا موجودہ عدالتوں کی طرف رجوع تحاکم الی الطاغوت ہے؟

بعض لوگ سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ جو شخص ان عدالتوں کی طرف رجوع کرتا ہے وہ طاغوت کا پجاری اور شریعت اسلامیہ سے خارج ہے (کیونکہ فیصلہ کروانا عبادت ہے جب اس نے غیر شرعی عدالت سے فیصلہ کروایا گویا اس نے اس کی عبادت کی) حالانکہ ہم اوپر واضح کر آئے ہیں کہ جب سلطہ والی (خودمختار

،اختیارات والی) شرعی عدالتیں موجود نہ ہوں تو اپنے جائز حقوق کے لئے غیر اسلامی عدالتوں سے فیصلہ کروانا نہ صرف جائز ودرست ہے بلکہ انبیاء وصالحین کا طریقہ بھی ہے (جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا وقت کے بادشاہ سے تحقیق کا مطالبہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دربار نجاشی میں پیش ہونا) ہاں اگر معاشرہ میں بااختیار اسلامی شرعی عدالتیں موجود ہوں اور ان کے مدمقابل غیر شرعی اور غیر اسلامی عدالتیں قائم ہوں تو محض لوٹ کھسوٹ یا اپنے حق میں ناجائز فیصلہ لینے کے لئے اسلامی بااختیار عدالت کو چھوڑ کر ایسی عدالت میں جانا حرام ہے۔ جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں کیا ہے:

﴿ أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوٓاْ أَن يَكۡفُرُواْ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمۡ ضَلَٰلَۢا بَعِيدٗا ﴾ (النساء:60)

”کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا ہے چاہتے ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کر دے بہت دور کا گمراہ کرنا۔“

آیت کا پس منظر و شان نزول:

اس آیت میں طاغوت سے مراد کاہن یا کعب بن اشرف یہودی ہے جن سے کافر لوگ اپنے فیصلے کرواتے تھے جیسا کہ مشہور تابعی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اسلام کے دعویدار ایک آدمی (مسلمان) اور یہودی کا آپس میں جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا کہ میں تیرا فیصلہ تیرے دین والوں سے کرواتا ہوں یا کہا کہ تیرے نبی (محمد ﷺ) سے کرواتا ہوں کیونکہ وہ یہودی جانتا تھا کہ نبی ﷺ فیصلہ وغیرہ میں رشوت نہیں لیتے اور برحق فیصلہ کرتے ہیں اور فیصلہ کروانے میں ان دونوں کا تنازع ہو گیا پھر وہ دونوں جھینہ قبیلے کے ایک کاہن سے فیصلہ کروانے پر متفق ہو گئے تو تب یہ آیت نازل ہوئی۔ [تفسیر طبری، ص:926، ج:3، رقم:9918]

طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی:

مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد امام مجاہد قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ایک منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا ہو گیا تو منافق آدمی نے کہا تو ہمارے ساتھ کعب بن اشرف کے پاس چل اور یہودی نے کہا: نہیں، تو ہمارے ساتھ نبی ﷺ کے پاس چل، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔" [تفسیر طبری، ص:928-927، ج:3، رقم:9923]

اس آیت کے ترجمہ و پس منظر سے یہ بات معلوم ہوئی:

1- مدینہ میں دو عدالتیں موجود تھیں، نبی ﷺ کی اور کعب بن اشرف یہودی اور کافر کاہن کی۔

2- منافق آدمی نے اپنے مفادات کے لئے عدالت نبوی کا انکار کر کے کافر و طاغوت کاہن یا یہودی سردار سے فیصلہ کروانا چاہا اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی۔

اور ہر صاحب شعور دین دار آدمی جانتا ہے کہ جو شخص نبوی عدالت کا انکار کر کے کفار کے فیصلہ پر راضی و خوش ہو اس کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

3- اگر معاشرے میں با اختیار اسلامی شرعی عدالت نہ ہو اور بندہ کو اپنا جائز حق لینا مطلوب ہو اور اس کے لئے وہ کسی ایسی عدالت میں جاتا ہے تو وہ قطعاً آیت بالا کا مصداق نہیں۔

اور اسی طرح بعض لوگوں کی یہ سوچ ہے:

﴿أَفَحُكْمَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾

(المائدۃ:50)

اس کے تحت قانون یاسق سے موجودہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنے والوں کو طاغوت کے پجاری قرار دیتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی سلف صالحین اور معتبر مفسرین سے بیان کردی جائے تاکہ آیت کا مدعا و منشاء کما حقہ واضح ہو جائے جہاں تک قانون یاسہ یا الیاسق کا تعلق ہے اس پر تفصیلی بحث ہم سابقہ صفحات میں کر آئے ہیں اور جہاں تک اس آیت کے منشاء و مفہوم کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ (المتوفی:310ھ) رقمطراز ہیں:

"یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمے میں آپ ﷺ کو حاکم بنایا اور آپ ﷺ نے انکے درمیان فیصلہ کر دیا پھر یہ آپ ﷺ کے فیصلے سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ انکے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ ﷺ نے انکے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو جنہوں نے اپنے اور اپنے دیگر یہودیوں کے خلاف نبی ﷺ کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا ان کو ڈانٹتے ہوئے اور جہالت عملی کے طالب قرار دیتے ہوئے ایسے یہودیوں سے فرمایا جو شخص اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہو اور اس کی ربوبیت پر یقین رکھتا ہو اس کے نزدیک اللہ کے

حکم اور فیصلے سے بہتر اور کس کا فیصلہ ہو سکتا ہے اور (مفسر قرآن) امام مجاہد نے بھی ہماری اس تفسیر کے مطابق ہی فرمایا ہے۔[تفسیر طبری، ص:577، ج:4، تحت ھذا الآیۃ مطبوعہ دار الحدیث القاھرۃ]

امام مجاہد اور امام ابن جریر طبری رحمہا اللہ کی تفسیر سے واضح ہو گیا ہے کہ یہود نے نبی ﷺ سے فیصلہ کروایا جب وہ فیصلہ انکے مفادات کے خلاف آیا تو انہوں نے انکار کر دیا جن پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ﴾

(المائدۃ:50)

”کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں“

معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی با اختیار شرعی عدالت سے فیصلہ لینے کے بعد اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس غیر شرعی فیصلہ کی خواہش رکھتا ہے ایسا آدمی یقیناً جاہلیت کا دلدادہ ہے اور شریعت اسلامیہ کا باغی ہے۔

جج و قاضی اور مسئلہ تحکیم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَـٰفِرُونَ﴾

(المائدۃ:44)

”جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں“

قرآن میں اسے لوگوں کے لئے تین قسم کے الفاظ بیان ہوئے ہیں(کافرون ،فاسقون، ظالمون) یہ تینوں اوصاف تین مختلف قسم کے لوگوں کے ہیں۔

اس آیت میں صاف طور پر واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے علاوہ کسی دوسرے کا نظام یا قانون کے حکم کو ماننا سراسر کفر ہے اور یہ کفر کبھی کفر اکبر تک جا پہنچتا ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور کبھی یہ کفر اصغر یعنی عملی کفر ہوتا ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اب اس کا فیصلہ کہ اس نے کفر اکبر کا ارتکاب کیا ہے یا کہ کفر اصغر کا اس کی حالت دیکھ کر کیا جائے گا ۔اگر اس شخص کا اعتقاد ہو کہ شریعت کا حکم ماننا واجب نہیں بلکہ اس میں اس کو اختیار حاصل ہے کہ جس کا چاہے حکم مانے یا پھر وہ اللہ کے احکام کی ناقدری و توہین کرتا ہے

اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ دوسرے قوانین اور نظام ہائے زندگی مخلوق کے حق میں زیادہ اصلاح کار، نفع بخش اور اسلامی شریعت سے بہتر ہیں اور شریعت اسلامی موجودہ دور کے لئے موزوں نہیں یا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ وضعی قوانین شریعت الہٰی جیسے ہی ہیں تو ایسا شخص کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ شریعت کو ماننا اور نافذ کرنا فرض ہے اور اس بارے میں اس کو پورا علم بھی ہے وہ احکام الہٰی کی ناقدری و توہین نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں حقیر سمجھتا ہے اور نہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دوسرا قانون مخلوق کے لئے زیادہ اصلاح کار یا حکم الہٰی جیسا ہے بلکہ وہ قوانین الہٰی کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ صاحب معاملہ کے خوف یا رشوت یا دیگر دنیاوی اغراض و مفادات کے لئے کرتا ہے تو ایسا شخص کافر و مرتد نہیں بلکہ فاسق ہے اور اس کے فسق کے درجات فیصلہ اور اسباب فیصلہ کے پیش نظر مختلف ہوں گے ہم اپنے اس موقف کی تائید کے لئے معروف عالم دین شیخ الحدیث استاذ العلماء حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کا فتویٰ نقل کیے دیتے ہیں۔

سوال:

جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے اللہ تعالی نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ﴾(المائدۃ:44)

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾(المائدۃ:45)

﴿وَمَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ﴾(المائدۃ:47)

جناب مفتی صاحب ان آیات کی روشنی میں اس بات کی وضاحت فرمادیں کہ:

1- ہمارے ملک میں پاکستان کے جج صاحبان کے فیصلوں کا کیا حکم ہے؟
2- انہیں فاضل جج کے لقب سے نوازنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟
3- علماء کرام کا ان لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے؟

جواب:

ہمارے ملک پاکستان میں جج صاحبان کے جو فیصلے شریعت کے مطابق ہیں وہ قابل تحسین ہیں اور جو اس کے خلاف ہیں وہ مردود ہیں شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

اگر کوئی جج خلاف شریعت فیصلہ حلال سمجھ کر کرتا ہے بلاشبہ وہ کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ میں حرام کا مرتکب ہوں اور قبیح فعل کر رہا ہوں ایسے جج کا کفر، ظلم اور فسق اسے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا کیونکہ کفر اور ظلم وغیرہ کے درجات ہیں اس سے خروج عن الملۃ لازم نہیں آتا جملہ تفاصیل صحیح بخاری کی ''کتاب الایمان'' میں ہیں۔

اس بناء پر گنہگار جج پر فاضل جج کے اطلاق کا جواز ہے بخلاف پہلی قسم کے ،رہا یہ مسئلہ کہ علماء ان حضرات سے ملاقات کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تو علماء کا مقصد اگر اصلاح ہے تو ان حضرات سے میل جول اور ملاقات میں کوئی حرج نہیں۔

[فتاویٰ ثنائیہ مدینہ جلد اول کتاب العقائد، ص:254-253]

مسئلہ تحکیم اور تقلیدی مذاہب:

زیر بحث مسئلہ تحکیم میں وہ تقلیدی پہلو بھی انتہائی قابل غور ہے جو مذہبی تقدس کے پردہ میں یہود ونصاریٰ کا شیوہ تھا جسکی مذمت کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾

(التوبۃ:31)

” انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا تھا“

حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ سونے کی صلیب میرے گلے میں لٹک رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: عدی اس بت کو اتار دو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورہ التوبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا۔

﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾

(التوبۃ:31)

تو انہوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا ہم نے ان کو الہ اور معبود نہیں بنایا تھا نبی ﷺ نے فرمایا: جب وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہتے تو تم ان کو حرام نہیں سمجھتے ؟عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایسا ہی کرتے رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔یہی تفسیر سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے

[تفسیر ابن کثیر:2/348، مسند احمد:4/464، ترمذی کتاب التفسیر سورۃ التوبۃ]

علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

ربیع کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے پوچھا:

كيف كانت تلك الربوبية في بني اسرائيل ؟

”بنی اسرائیل کس طرح غیر اللہ کو رب سمجھتے تھے؟“

ابو العالیہ نے جواب دیا: جب انہیں تورات میں کوئی ایسی بات ملتی جو ان کے علماء اور پیروں (درویشوں) کے خلاف ہوتی تو وہ اپنے علماء و پیروں کی بات لے لیتے اور تورات کو پسِ پشت ڈال دیتے تھے۔

[تفسیر کبیر 10/37، دارالکتب العلمیہ طھران]

درج بالا آیت و حدیث وغیرہ سے ثابت ہو گیا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے مولویوں اور پیروں کو حاکم اور شارع کی حیثیت دی یہ آیت اگرچہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ بات بالاتفاق قانون کی حیثیت رکھتی ہے:

[العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب]

”یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص (شان نزول) کا اعتبار ہوتا ہے“

اگر ایسانہ ہو یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر قرآن مجید کی کوئی آیت ہم پر صادق نہ آئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شاید نبی ﷺ نے فرمایا:

لتتبعن سنن من كان قبلكم (صحیح بخاری)

"تم ضرور میرے بعد یہود و نصاریٰ کے طریقہ کار کو اختیار کروگے"

اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو شارع کی حیثیت دی اسی طرح اس امت کے مقلدین نے بھی اپنے اماموں کو وہی حیثیت دی ،اسی لئے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"مقلد کے ہاں عملاً امتی کا وہی مقام ہوتا ہے جو امتی کے نزدیک نبی کا ہوتا ہے۔" [ترتیب المدارک، ص:78،ج:1]

قریب قریب یہی بات شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقلدین کی حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی۔

[تفھیمات، ص:151،ج:1، حجۃ اللہ البالغہ، ص:155،ج:1]

اب ہم ذیل میں یہود و نصاریٰ کے طرز تقلید کے عملی نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔

انکار قرآن اور اصول تقلید:

ابو الحسن الکرخی الحنفی نے کہا ہے:

الاصل ان کل اٰیۃ یخالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولیٰ ان تحمل علی التأویل من جهۃ التوفیق

" اصل یہ ہے کہ ہر آیت جو ہمارے ساتھیوں (فقہاء احناف) کے خلاف ہے اسے منسوخیت پر محمول یا مرجوح سمجھا جائے گا بہتر یہ ہے کہ تطبیق کرتے ہوئے اس آیت کی تاؤیل کرلی جائے۔

[اصول کرخی، ص:29، اخریٰ، ص:11، مجموعہ قواعد الفقہ، ص:18]

منصب رسالت اور تقلید:

اصول کی کتب میں یہ بات مذکور ہے کہ اما المقلد فمستنده قول مجتهده "مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔"

[مسلم الثبوت، ص:7، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار]

اسی طرح ایک مقلد نے لکھا: مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے ۔[ارشاد القاری، ص:288]

تقلیدی علماء کے نظریات بابت تقلید:

1- ایک معروف مقلد لکھتا ہے: یہ بحث شرعا لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفہ مقلد نہیں ہے۔[احسن الفتاویٰ، ص:50،ج:3]

2- اسی طرح ایک مقلد کو کسی سائل نے سوال پوچھا اور کہا کہ حدیث رسول ﷺ سے جواب دیں اس جواب میں مقلد مفتی لکھتا ہے۔

اب چند الفاظ اس فقرے کے بارے میں بھی کہہ دیں جو آپ نے سوال کے اختتام پر سپرد قلم کیا ہے یعنی حدیث رسول ﷺ سے جواب دیں۔

اس نوع کا مطالبہ اکثر سائلین کرتے رہتے ہیں یہ دراصل اس قاعدہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ مقلدین کے لئے قرآن وحدیث کے حوالوں کی ضرورت نہیں بلکہ ائمہ کے فیصلے اور فتووں کی ضرورت ہے۔

[ماہنامہ تجلی دیوبند، ج:19، شمارہ:12-11، جنوری، فروری، ص:47]

3- ایک اور مقلد حکیم الاسلام لکھتا ہے: اب ایک فیصلہ جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، ہم یہ آیت واحادیث سائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ کی دلیلیں ہیں[جاء الحق، ص:9،ج:2]

4- ایک مقلد حکیم الامت لکھتا ہے: اکثر مقلدین عوام کیا خواص اس قدر جامد ہیں کہ اگر قول مجتھد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تأویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتھد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تأویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تأویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتھد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔

[تذکرۃ الرشید، ص:131، ج:1، مطبوعہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور]

5- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو (ہمارے زمانے کے) علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا کی طلب اور (اپنے) سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں، یہ لوگ کتاب وسنت کی نصوص (دلائل) سے منہ پھیرتے ہیں اور کسی (اپنے پسندیدہ) عالم کے تعمق، تشدد اور استحسان کو مضبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں انہوں نے رسول ﷺ جو معصوم ہیں ان کے کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تأویلوں کو گلے سے لگالیا ہے اسی وجہ سے یہ

لوگ ہلاک ہو گئے ہیں۔[الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص:25، مکتبہ امدادیہ ملتان]

آل تقلید اور حدود اللہ:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اکثر مسلمان ممالک عرصہ دراز سے قانون الٰہی سے محروم ہیں اس کے ذمہ دار جہاں وہ ظالم حکمران ہیں جنہوں نے حدود اللہ کو عملاً نافذ کرنا ترک کر دیا ہے ان سے بھی زیادہ وہ اصحاب علم و فتویٰ ذمہ دار ہیں جنہوں نے حکمرانوں کو حدود میں ایسی شقیں ایجاد کر کے دیں جن کی موجودگی میں حدود کا نفاذ ممکن نہ رہا ان حضرات نے سب سے پہلے گزشتہ امتوں کی طرح اقامت حدود میں شریف وضعیف میں تفریق پیدا کر دی اور اپنی زور قانون سازی سے سلاطین کو حدود سے مستثنیٰ قرار دیا۔

صدارتی استثناء:

بنی ﷺ نے سابقہ امتوں کی بربادی کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اذا سرق الشریف ترکوہ واذا سرق الضعیف فیھم اقاموا علیہ الحد

"جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی ان میں کمزور چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔"

[صحیح بخاری کتاب الحدود باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد، رقم:6788]

حدود اللہ خالص اللہ کا حق ہے اور قانون میں اشراف پر حدود کے نفاذ کا تذکرہ موجود ہے اور اشراف میں بادشاہ وقت سب سے پہلے نمبر پر آتا ہے جبکہ اس کے مد مقابل یہ قانون بنایا گیا:

وکل شیء صنعہ الامام الذی لیس فوقہ امام فلا حد علیہ الا القصاص فانہ یوخذ بہ و بالاموال

"وہ امام جس سے اوپر کوئی امام نہ ہو جو کچھ بھی کرے اس پر کوئی حد نہیں سوائے قصاص کے، اس کے ساتھ اسے پکڑا جائے گا اور اموال کے ساتھ"

[الھدایۃ کتاب الحدود، باب الوطء الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ، ص:99، ج:4، مکتبہ البشریٰ]

شاتم رسول ﷺ اور ابطال حدود:

اسلام میں شاتم رسول واجب القتل جبکہ فقہ حنفی میں وہ شاتم رسول کافر جو ٹیکس دیتا ہو واجب القتل نہیں:

ومن امتنع من الجزیۃ او قتل مسلماً او زنی بمسلمۃ او سب النبی لم ینتقض عھدہ

” جو (ذمی کافر) جزیہ دینے سے انکار کردے یا مسلمان کو قتل کردے یا اس نے مسلمان عورت کے ساتھ زنا کیا یا نبی ﷺ کو گالی دی، اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا یعنی وہ واجب القتل نہیں ہے۔“

[الھدایۃ کتاب السیر، ص:598، ج:2، فتاویٰ عالمگیری، ص:253، ج:2]

بلکہ حنفی فقیہ ابن نجیم حنفی لکھتا ہے:

نعم نفس المؤمن تميل إلى قول المخالف فى مسئلة السب لكن اتباعنا للمذهب واجب

” مؤمن کا دل نفس مسئلہ میں سبّ رسول ﷺ میں مخالف (امام شافعی) کے قول کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن ہمارے لئے اپنے مذہب کی اتباع ضروری ہے۔

[البحر الرائق کتاب السیر، ص:115، ج:5 اخریٰ، ص:5/195]

زانی سے حد ساقط:

قرآن مجید کا فیصلہ:

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجْلِدُواْ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِاْئَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور:2)

” زانی مرد وزن کو سو کوڑے لگاؤ“

اگر زانی شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا جبکہ فقہ حنفی میں عورت کو کرایہ پر لے کر زنا کرنے سے کوئی حد نہیں چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب میں مرقوم ہے:

استأجر إمراةلیزنی بها او لیطأها او قال خذی هذه الدراهم لأطأک او قال مکنینی بکذا ففعلت لم یحد ۔ ۔ ۔ ۔ ولو قال امهرتک کذاالأزنی بکِ لم یجب الحد

"کسی آدمی نے کرایہ پر عورت لی تاکہ اس سے زنا کرے یا جماع کرے یا وہ اس کو کہے تو یہ درھم لے لے تاکہ میں تجھ سے صحبت کروں یا مجھے اپنے اوپر قدرت دے اور عورت نے ایسا کر لیا (یعنی زنا کروالیا) تو اس پر کوئی حد نہیں۔"

[فتاویٰ عالمگیری، ص:149، ج:2، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، البحر الرائق، ص:30، ج:5، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ]

گونگے سے حد معاف:

لا یؤخذ الأخرس بحد الزنا ولا بشیءمن الحدود

"گونگے آدمی پر نہ زنا کی حد ہے نہ ہی کوئی اور شرعی حد لاگو ہوگی"

گونگے کو عام طور پر چھوٹ جو مرضی جرائم کر لے ہر حد اسے معاف۔

[فتاویٰ عالمگیری، ص:149، ج:2، کتاب الحدود الباب الرابع فی الوطء الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ]

دار الحرب میں زنا کرنے والے پر حد معاف:

ومن زنٰی فی الحرب او فی دار البغی ثم خرج الینا لایقام علیہ الحد

”جو بندہ دار الحرب میں یا دار البغی (انڈیا، امریکہ، برطانیہ وغیرہ) میں زنا کرے پھر وہ مسلمانوں کے پاس آجائے اس پر حد لاگو نہیں ہو گی“

[فتاویٰ عالمگیری، ص:149، ج:2، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ]

کتابوں کی چوری پر حد:

لاقطع فی الدفاتر کلھا

”کتابیں چوری کرنے میں کوئی حد نہیں“

[الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ ومالایقطع، ص:146، ج:4 مطبوعہ مکتبہ البشریٰ کراچی]

قرآن مجید کی چوری پر حد ساقط:

ولا فی سرقۃ المصحف وان کان علیہ حلیۃ

قرآن مجید کے نسخے چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر زیورات (تزیین وآرائش کے لئے) ہوں“ اور عالمگیری میں ہے کہ اگرچہ وہ تزیین وآرائش کا اتنا کام ہو جو ہزار درھم کے برابر ہو تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

[الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ، ص:144، ج:4، فتاویٰ عالمگیری، ص:177 ، ج:2]

بردہ فروشی سے حد ساقط:

ولا قطع علی سارق الصبی الحر وان کان علیہ حلی لان الحر لیس بمال وما علیہ من تبع لہ

"آزاد بچے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر زیور ہو کیونکہ وہ مال نہیں اور جو اس پر زیور ہے وہ اس کے تابع ہے۔"

[الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع، ص:145، ج:4، مکتبہ البشریٰ کراچی]

مسجد سے چوری پر حد باطل:

ولا یقطع فی ابواب المسجد ۔ ۔ ۔لا یحرز بباب المسجدمافیہ حتی لایجب القطع بسرقۃ متاعہ

مسجد سے چوری کرنے والے کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔ کیونکہ مسجد کے دروازے سے وہ چیزیں محفوظ نہیں ہوتی جو اس میں ہیں اس لئے اس سامان کی چوری سے ہاتھ کاٹنا واجب نہیں۔"

[الھدایۃ کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ، ص:145-144، ج:4]

دکان سے محافظ کی موجودگی میں چوری پر حد نہیں:

دکانوں سے چوری کرنے والوں کو تحفظ دینے اور شرعی حدود کو باطل و کالعدم کرنے کے لئے کئی قسم کی حیلہ سازیاں بھی کی گئی ہیں جن میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے چنانچہ ھدایہ میں ہے:

والحرزعلی نوعین حرزلمعنی فیہ کالبیوت والدوروحرز بالحافظ ۔ ۔ ۔ ۔ وفی المحرز بالمکان لایعتبر الاحراز بالحافظ

”حرز کی دو قسمیں ہیں ایک وہ حرز کہ خود اس میں حفاظت کا مفہوم موجود ہے جیسا کہ مکان اور گھر اور ایک وہ حرز جو حفاظت کرنے والے کی وجہ سے محفوظ ہے۔۔۔۔اور جس کی حفاظت جگہ کی وجہ سے ہو رہی ہے(مثلاً: مکانات اور گھر وغیرہ)اس کی حفاظت محافظ کے ساتھ معتبر نہیں ہے“

[الھدایۃ، کتاب السرقۃ باب مایقطع فیہ، ص:154، ج:4]

پھر دکانوں، ہوٹلوں اور اس قسم کے مقامات پر اس ضابطہ کو منطبق کیا ہے چنانچہ ھدایۃ میں ہے:

بخلاف الحمام والبیت الذی اذن للناس فی دخولہ حیث لایقطع لانہ بنی فکان المکان
حرزا فلا یعتبرالحراز بالحافظ

”یعنی حمام اور ان تمام مکانوں سے جہاں لوگوں کو داخلے کی اجازت دی
گئی ہے (یعنی دکانیں اور میزبان کا گھر وغیرہ) چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا
جائے گا کیونکہ یہ عمارتیں بنائی ہی اسی لئے گئی ہیں اس لئے یہ جگہ خود
حفاظت والی ہے چنانچہ یہاں حفاظت کرنے والے شخص کی حفاظت
کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔“

[الھدایۃ، ص:155، ج:4]

یعنی دکانوں پر مالک اور پہرے دار بھی کھڑے ہوں، چور غیر محفوظ جگہ سے
ہی چوری کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ سارا قاعدہ ہی ایجاد بندہ ہے۔ (تلك عشرة كاملة)

ابطال حدود اور آل تقلید:

عالم اسلام میں ہمیشہ سے ایسے لوگ بھی رہے ہیں جنہوں نے حدود الٰہی
سے صاف انکار کر دیا خواہ رجم ہو یا چور کا ہاتھ کاٹنا اب بھی مسلمان کہلانے والے کئی
ایک حکمران، جج، وکیل، دانشور، منکرین حدیث بلکہ دراصل منکرین حدود ہیں جو
مغربی ملکوں سے ذہنی شکست خوردگی کی وجہ سے چور کے ہاتھ کاٹنے کو وحشیانہ سزا قرار
دیتے ہیں اور چور کا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں تمام ملک کے لوگ ٹنڈے کر دیے جانے
کا واہمہ زور وشور سے پھیلاتے رہتے ہیں یہ لوگ قرآن مجید کے فرمان ”چوری کرنے

والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو!'' کو بھی نت نئے معانی کا جامہ پہناتے رہتے ہیں مگر عام مسلمان ان کی رائے کو ایک گمراہ ذہنیت سے زیادہ ماننے کو تیار نہیں کیونکہ ان کے دل سے اس مبارک دور کی یاد مٹ نہیں سکتی جب ان حدود الٰہیہ کی بدولت حیرہ سے تنہا عورت نکل کر بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوتا تھا اور اب بھی وہ بچشم سر ان برکات کو سعودی عرب میں دیکھ رہے ہیں اس کے برعکس مغربی قوانین کی بدولت کسی ملک میں اس امن واطمینان کی کوئی نظیر نہیں ملتی چونکہ ان قوانین کا نتیجہ چوری، ڈاکے، آبروریزی اور بدامنی میں روزافزوں اضافے کے علاوہ کچھ نہیں نکلا اس لئے عام مسلمان مغرب کے ان ذہنی غلاموں کی بات کو دل ودماغ میں جگہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوسکے ابطال حدود کے لئے ان کا طریقہ کار عامۃ المسلمین میں مؤثر نہ ہو سکا۔

ابطال کا دوسرا طریقہ:

جو کامیاب بھی ثابت ہوا ان لوگوں نے اختیار کیا جو پورے زور سے اعلان کرتے رہے کہ زنا کی سزا درے اور رجم ہے، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، شراب کی حد درے مارنا ہے، اپنی تقریروں اور تحریروں میں خلافت اسلامیہ کے مبارک دور کے خواب بھی دکھاتے رہے عوام کے سامنے حدود الٰہیہ کے پاسبان بن کر آئے مگر قانون بناتے وقت صرف کتاب وسنت پر اکتفاء کرنے کی بجائے اس میں اپنی عقلی موشگافیوں

اور دور از کار شکوک و شبہات کے ذریعے ایسی شقیں شامل کر دیں کہ عملاً چور کا ہاتھ کاٹنا ممکن نہ رہا، زانی کو درے مارنا یا رجم کرنا اور نہ ہی شرابی پر حد نافذ کرنا چونکہ یہ لوگ قانون الٰہی کے محافظ ہونے کے روپ میں سامنے آئے اور انہوں نے تنفیذ حدود کے پردے میں ابطال حدود کا کام سرانجام دیا اس لئے ان کے دام ہمرنگ زمین سے بہت کم خوش قسمت بچ سکے اس وقت بھی یہ حالت ہے کہ ایک طرف پاکستان کے مسلمان اسلامی حدود کے نفاذ کے لئے سخت بے قراری کا اظہار کرتے رہتے ہیں تو دوسری طرف ان کی اکثریت نے ایسا لوگوں کو اپنا پیشوا اور رہنما بنایا ہوا ہے جو دن رات اپنے اکابرین و متفقھین کے خود ساختہ قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں جس نے حدود الٰہیہ کو عملاً معطل کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی عملی حقائق جاننے کے لئے پانچ سو حنفی علماء کا اجتماعی فتویٰ عالمگیری اور فقہ حنفی کی معتبر دستاویز الھدایۃ وغیرھما کی کتاب السیر، کتاب الحدود، کتاب السرقۃ، کتاب الطلاق وغیرہ کا مطالعہ کر لیں یا ہمارے شیخ حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ تعالیٰ کی مطبوعہ کتاب چوری کے متعلق قانون الٰہی اور قانون حنفی دیکھ لیں ابطال حدود کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی ۔ان شاء اللہ

کفریہ نظام ادارے اور ان سے تعاون

ظالمانہ حتیٰ کہ کافرانہ حکومتوں میں سرکاری عہدے کی ذمہ داری قبول کرنا یا ان سے تعاون لینا یا کسی معاملہ میں ان کا تعاون کرنا خاصہ اختلافی مسئلہ بن گیا ہے بلکہ ایک فریق تو اس کو کفر ارتداد سے تعبیر کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس کے برعکس موقف رکھتا ہے اگر ہم بغور دین کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اس نے شرک جیسے نازک مسئلے پر بھی دعوتی انداز اختیار کیا ہے رسول ﷺ نے مکہ میں (13) تیرہ سال قیام کے دوران اپنے ساتھیوں پر ظلم ہوتے دیکھے اسی کعبہ (بیت اللہ) میں تیرہ سال سجدے کیے جہاں مشرکین نے (360) بت سجا رکھے تھے حالانکہ آپ کے پاس ایسے فدائین موجود تھے جو شہادت کو سرمایہ افتخار سمجھتے اور ان چیزوں کا پل بھر میں خاتمہ کر سکتے تھے لیکن اسلام پہلے حجت قائم کرتا ہے پھر کوئی انتہائی قدم اٹھاتا ہے۔

قتل وقتال کا رویہ انتہائی مجبوری کی صورت میں قابل عمل ہے لہذا تشدد کی علمبردار تحریکیں اسلامی طریقہ کار سے ناواقفیت کی بناء پر حکومتوں کے ظلم کے نتیجے میں جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں وہ بھی قطعاً غلط ہے بلکہ خود رسول ﷺ کا طرز عمل اور آپ ﷺ کے بیشتر و دیگر انبیاء علیہ السلام بالخصوص حضرت یوسف علیہ السلام کا برتاؤ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ غیر اسلامی (کافرانہ اور ظالمانہ) نظاموں کی

موجودگی میں کس صبر وحوصلہ سے حکیمانہ جدوجہد کرنی چاہیے سیدنا یوسف علیہ السلام کی پوری زندگی دین کے لئے محنت کرتے گزر گئ (حالانکہ وہ حکومتی اعلیٰ مرتبہ پر فائز بھی تھے) لیکن وہ اپنے زیر نگیں علاقے میں پوری طرح دین وشریعت کا نفاذ نہ کر سکے یاد رہے کہ یوسف علیہ السلام کا معاملہ ایسی قوم سے رہا جس میں تمام لوگ کافر تھے ان کے مالوں کی حفاظت اور انہیں بہت بڑی مصیبت (خشک سالی) سے آہستہ آہستہ نجات دلانے میں انہوں نے ان سے مساویانہ سلوک تو کیا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ باوجود ایک عادل وزیر خزانہ ہونے کے تمام معاملات میں اپنی شریعت قائم نہ کر پائے تھے کیونکہ مصری حکومت کے کئی ایک ایسے مالی قوانین بھی تھے جو عدل انصاف کے سراسر منافی تھے (اور جنہیں تبدیل کر دینا تقریبا ناممکن تھا) مثلاً اراضی اور غلہ جات پر عائد کیے جانے والے بعض محصولات بادشاہ وزراء اور اس کے گرد پیش رہنے والے خواص کے لئے خصوصی فنڈز ناحق طریقے سے مال لینا اسے غیر عادلانہ اور غیر مساویانہ انداز میں خرچ کرنا اور اسی طرح کے دیگر معاملات جو کافر حکمرانوں کے متعلق زبان زد عام تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسی باب (مسئلہ) سے یوسف علیہ السلام کا مصر کی وزارت خزانہ کو سنبھالنا بلکہ خود سوال کر کے اس عہدے کو اپنے ذمے لینا حالانکہ بادشاہ مصر اور اس کی قوم سارے لوگ کافر تھے، ارشاد باری تعالی ہے

:

﴿وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۚ ۔۔۔۳۴﴾

(المؤمن / غافر:34)

"اور یقیناً تمہارے پاس اس پہلے یوسف علیہ السلام واضح دلائل لا چکے ہیں لیکن تم پھر بھی اس شریعت کے متعلق شک کرتے رہے جسے وہ لائے تھے۔"

اور فرمایا:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۳۹ ۔۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ ﴾

(یوسف:39-40)

"اے میرے جیل کے ساتھیو! بھلا کئی معبود جو جدا جدا ہیں وہ بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے؟ یونہی تم اسے چھوڑ کر ناموں کی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں۔"

اور یہ بات ممکن ہے کہ کفر کی موجودگی میں لوگوں کے مال زبردستی ہتھیانے اور انہیں بادشاہ کے حاشیہ برداروں، گھروں، فوجیوں اور عام لوگوں پر خرچ کرنے کا ان کے ہاں کوئی خاص طریقہ کار ہو اور یوسف علیہ السلام کے لئے بالکل ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مکمل طور پر عملاً نافذ کرنے کے لئے جو کچھ چاہتے کرتے کیونکہ

جس قوم میں وہ موجود تھے اس نے آپ علیہ السلام کی دعوت قبول ہی نہیں کی تھی لیکن جہاں تک ممکن ہو سکا انہوں نے انصاف کیا لوگوں سے نیکی کرتے رہے اور اقتدار کے ذریعے اپنے گھر والوں میں سے مؤمنوں کو عزت واکرام سے نوازا اور قدر ومنزلت کے اس مقام پر لا کھڑا کیا جو اقتداء کے بغیر نہیں مل سکتا تھا اور یہ سب کچھ اللہ تعالی کے اس فرمان میں شامل ہے:

﴿فاتقوا الله مااستطعتم﴾

''سو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالی سے ڈرتے رہو''

[مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ،]

مؤمن آل فرعون اور کفریہ نظام اور اداروں سے تعاون:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے ایک لمبا عرصہ بعد آنے والے شخص کو جو فرعون جیسے طاغوت کے

نظم میں تھا اور اپنا ایمان چھپانے ہوئے انبیاء کا عملی خیر خواہ تھا اس کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وقال رجل مؤمن من آل فرعون يكتم إيمانه أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله﴾

(المؤمن/غافر:28)

”اور اٰل فرعون کے ایک مؤمن آدمی جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا اس نے کہا کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے
۔“

باوجود اس کے کہ آل فرعون مسلمانوں کے قاتل تھے اور فرعون ایک مسلمہ طاغوت تھا اس کے باوجود اس سسٹم میں رہ کر دینی خیر خواہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ مؤمن قرار دیا جو اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ہر انسان حسب استطاعت عدل وانصاف اور دینی خدمات کی جتنی طاقت رکھتا ہے وہ اتنا کام کرنے کا پابند ہے محض کفریہ ادارہ یا ریاست میں ہونا یا کام کرنا اس کے ایمان کے منافی نہیں وگرنہ اللہ تعالی ایسے شخص کو مؤمن قرار دیکر قرآن مجید میں اس کے وصف ”مؤمن“ پر بھی سورت نازل نہ کرتا۔

شاہ حبشہ اور موجودہ تعاون :

حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور ایمان ہی کی حالت میں فوت ہوئے رسول اکرم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی اور مسلمانوں کو بھی حکم دیا تھا

[صحیح البخاری، رقم:3877] میں مروی ہے کہ نجاشی کی موت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

مات اليوم رجل صالح فقوموافصلوا على اخيكم اصحمة

" آج ایک نیک آدمی فوت ہو گیا ہے تم اٹھو اور اپنے بھائی اصحمہ کی نماز جنازہ ادا کرو"

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ میدان دعوت الی اللہ میں رسولوں کا طریق کار مصلحتوں کو جمع کرنا اور انہیں مکمل کرنا اور اپنی استطاعت کے دائرہ کار میں ہی رہ کر کام کرنا تھا کیونکہ ہر آدمی مکمل عادلانہ نظام قائم کرنے اور اپنے ارادوں کو نہایت کامل طریقے سے سرانجام دینے کی استطاعت نہیں رکھتا چنانچہ برائیوں کو ممکنہ حد تک کم کرنا اور مصالح کو بڑی حد تک جمع کرنا ہی انبیاء ورسل کا راستہ تھا اسی منہج کو حضرت یوسف علیہ السلام اور نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنایا۔

زیر بحث مسئلہ میں متعلقہ چیز یہ ہے کہ اگر ذمہ داری وغیرہ میں کفار کے ساتھ مشارکت کلی طور پر حرام ہوتی اور اس سے دور رہنا اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری اور شرائط اسلام میں داخل ہوتا تو کافروں پر حکومت کرنے والے نجاشی کو حضور ﷺ اس حالت پر برقرار نہ رکھتے اور ان کی موت کے بعد انہیں "نیک آدمی" کے وصف سے نہ نوازتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔

اس ساری گفتگو کے دوران یہ امر بھی واضح رہے کہ جب دین اجنبی ہو جائے تو صرف فتووں سے کام نہیں چلا کرتا بلکہ بصیرت کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور حکیمانہ

جدوجہد مفید ہوسکتی ہے، ہم نے حتیٰ الوسع کوشش کی ہے کہ پیش آمدہ مسائل کا حل شریعت کے دلائل کی روشنی میں واضح کریں وگرنہ اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو ان مسائل کے حسن وقبح کا صحیح ادراک بھی انہی لوگوں کو ہوتا ہے جو عرصہ سے ایسے معاشروں میں عملی اختلاف حقیقتا دین اور سیکولرزم کا ہے لیکن ایسے نظاموں سے ہمارا معاملہ زیادہ تر تدبیر و مصلحت کا ہوتا ہے جس کے بارے میں اصول وضوابط کی حد تک تو اسلام نے پوری رہنمائی دی ہے لیکن تدابیر کا میدان مصالح دینیہ کے تابع رکھ کر کافی وسیع کر دیا ہے۔

طاغوت کے تعاون سے جہاد۔ از شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ

ہمارے پیش آمدہ مسائل میں سے ایک معرکۃ الاراء مسئلہ یہ ہے، کیا کفریہ ادوروں یا طاغوت کے تعاون سے ہونے والا جہاد شرعی جہاد یا غیر شرعی جہاد ہے؟

ہم اس سوال کا تفصیلی جواب معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ ابو محمد امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ کے قلم سے تحریر شدہ ان کے مطبوع فتاویٰ [الدین الخالص] میں سے نقل کر رہے ہیں۔

شیخ امین اللہ حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا: طاغوتی حکومت کے تحت جہاد کے بارے میں سوال ہوا مجاہدین فی سبیل اللہ قتال کرتے ہیں جبکہ طاغوت صرف اپنی

حکومتوں کی حفاظت کے لئے قتال کرتے ہیں ان کا مقصد اسلام نہیں ہوتا تو کیا یہ جہاد صحیح ہے ؟

الجواب:

الحمدللہ: ظاغوت کے راستے میں اور طاغوت کی مدد کے لئے اور اللہ کے بندوں اور شہروں پر طاغوت کو مسلط کرنے کے لئے کیا جانے والے قتال کا حکم تو شریعت اسلامیہ سے واضح معلوم ہے کہ وہ شرعی جہاد نہیں اور نہ ہی مسلمان کے لئے لائق ہے کہ وہ اپنی قیمتی جان ایسے قتال میں خرچ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الذين آمنوا يقاتلون في سبيل الله والذين كفروا يقاتلون في سبيل الطاغوت﴾

(النساء:76)

"ایمان والے اللہ کے راستے میں قتال کرتے ہیں اور کافر لوگ طاغوت کے راستے میں قتال کرتے ہیں"

اور نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اندھے جھنڈے کے تلے لڑے گا (جس لڑائی کی درستگی شریعت سے صاف نہ ہو) غصہ ہو قوم کے لحاظ سے یا بلاتا ہو قوم کی

طرف یا مدد کرتا ہو قوم کی (اور خدا کی رضامندی مقصود نہ ہو) پھر مارا جائے تو اس کا مارا جانا جاہلیت کے زمانے کا سا ہو گا۔

[صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن]

جو شخص اللہ کے راستے میں قتال کرتا ہے اور اس کا مقصد اسلام کی مدد اور اعلاء کلمۃ اللہ عزوجلّ ہو اور وہ حربی کفار سے قتال کرتا ہے لیکن اس کے جہاد میں بعض اوقات طواغیت یا ایسی حکومتیں جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتی وہ فائدہ اٹھاتی ہیں تو یہ فائدہ ضمنی ہوتا ہے، جو مجاہدین کا مقصد نہیں ہوتا لہذا یہ جہاد کے لیے مانع نہیں ہے۔

کیونکہ عموماً جو بھی جہاد فی سبیل اللہ ہوتا اس سے بعض کفار و منافقین فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح کہ صحابہ کرام کا فارس سے قتال کرنا رومیوں کے لئے فائدہ مند تھا اور ان کا اہل مکہ سے قتال کرنے سے اہل خزاعہ نے فائدہ اٹھایا ہے اور مجاہدین کا روسیوں کے خلاف قتال کرنا امریکہ وغیرہ کفار سلطنتوں کے لئے فائدہ مند تھا اور آج کل مجاہدین کا امریکہ کے خلاف قتال کرنا پاکستان اور چین وغیرہ ملکوں کے لئے مفید ہے

یہ چیزیں ان شاء اللہ شرعی جہاد پر مؤثر نہیں ہوتی لہذا افواھیں پھیلانے والوں کی یہ افواھیں آپ کو پریشان نہ کریں کہ مجاہدین کا امریکہ کے خلاف جہاد چین و دیگر منافقین کے لئے مفید ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں بلکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ

مشرکین، منافقین اور طواغیت سے ضرورت کے تحت مدد لینا جائز ہے جبکہ وہ مجاہدین پر خلاف شریعت شرائط عائد نہ کریں جیسا کہ ہم نے بالتفصیل [ج:8، ص:9، رقم:1538] کے تحت بیان کر دیا ہے۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ اہل طائف سے مدد طلب کی لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا آپ ﷺ کی بات نہ مانی آپ ﷺ نے ان سے پناہ مانگی لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا، پھر آپ ﷺ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں پناہ لی اور انہوں نے آپ ﷺ کے پاس انگور بھیجے، آپ ﷺ نے وہ کھائے پھر آپ ﷺ نے اخنس بن شریق سے پناہ مانگی اس نے بھی نہ دی، پھر مطعم بن عدی سے پناہ مانگی تو اس نے آپ ﷺ کو پناہ دے دی اور مطعم نے اپنی اولاد سمیت ہتھیار پہن لیے اور نبی ﷺ کے گرد حصار بنالیا اور اہل مکہ سے آپ ﷺ کی حفاظت کی اور ابو جہل نے مطعم کو کہا :تو پناہ دینے والا ہے یا پیروکار؟ مطعم نے کہا: پناہ دینے والا ہوں، اور نبی ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے فرمایا تھا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان بدبودار لاشوں کے بارے میں کلام کرتا تو میں اس کی وجہ سے ان کو چھوڑ دیتا، اس کے معاملہ کی وجہ سے۔

اور الرحیق المختوم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے ہجرت میں ایک رہنما (گائیڈ) مزدوری پر لیا جو بنو دائل قبیلے سے تھا اور مشرک تھا
۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَّا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوٓاْ إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ﴾﴿ إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ قَٰتَلُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَٰرِكُمْ وَظَٰهَرُواْ عَلَىٰٓ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾

(الممتحنۃ:8-9)

”اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنہوں نے نہ تم سے جنگ کی اور نہ تمہیں تمہارے گھر سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ تو تمہیں انہی لوگوں سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہیں تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ قزمان نے احد کے دن مسلمانوں کی جانب سے قتال کیا تھا اور آٹھ مشرکین کو قتل کیا پھر وہ زخمی ہو گیا اور اس کو اس کے محلے بنی ظفر میں پہنچا دیا گیا مسلمانوں نے اس کو خوشخبری دی تو اس نے کہا میں تو قوم کی عزت کی وجہ سے لڑا ہوا اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اللہ کے راستے میں قتال نہ کرتا پھر اس نے خودکشی کر لی

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہل نار (جہنمیوں) میں سے ہے جیسا کہ زاد المعاد میں 2/97، اور الرحیق المختوم (اردو) میں ص:422، اور ابن ہشام میں 2/88، ہے۔

اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ مخیریق یہودی بذات خود آپ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخیریق بہترین یہودی تھا اور ابو طالب نے تقریباً 45 سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اور ابن دغنہ نے ابو بکر کو پناہ دی اور عاص بن وائل نے عمر بن خطاب کو پناہ دی اور مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاطعہ کا صحیفہ لکھا تھا اس کو مطعم بن عدی، ابو البختری اور زہیر ہشام اور زمعہ بن اسود نے چاک کیا تھا

۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس حدیث کو علماء محدثین نے کتاب الجہاد میں بیان کیا

ہے:

"وان اللہ لیؤید ھذاالدین بالرجل الفاجر."

[صحیح بخاری' کتاب الجھاد والسیر' باب اِن اللہ یؤید الدین بالرجل الفاجر]

"بے شک ایک فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے"

اور بعض نے کہا ہے کہ جس طرح آج کل طوغوتی حکومت کے تحت حج، عمرہ اور زکوۃ وغیرہ ادا کیے جاتے ہیں اہل علم میں کوئی نہیں کہتا کہ یہ ارکان اسلام جائز نہیں ،اسی طرح جہاد ہے۔

اور نبی ﷺ معاہدہ حلف الفضول میں شریک ہوئے حالانکہ اس وقت اس کا سردار ورئیس عبد اللہ بن جدعان مشرک تھا تو جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے مشرّف فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میں حلف الفضول میں شریک ہوا میں نے نہیں پسند کرتا کہ اس کی بجائے میرے لئے سرخ اونٹ ہوتے اور اگر اسلام میں بھی مجھے کسی ایسے معاہدے میں بلایا گیا تو میں ضرور جاؤں گا جیسا کہ سیرت ابن ہشام اور الرحیق المختوم، ص:78 میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ جماعت یا حکومت اگرچہ وہ کافر ہو جب وہ ظلم وکفر کے خلاف کھڑی ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میں شریک ہوں اور اس موقع غنیمت کو سمجھیں یقیناً معاہدہ حلف الفضول کا محرّک ایک کافر تھا اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اس میں شریک ہوئے اور نبوت کے بعد آپ ﷺ اس جیسے معاہدوں میں شرکت کی طرف رہنمائی فرمائی، اگر کوئی کافر حکومت امریکہ کے خلاف (جنگ کے لئے) کھڑی ہو جائے تو کیا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کافر کے ساتھ شریک ہوں اور شریعت مطہرہ کی شرائط کے تحت اس ظالم غاصب امریکہ سے قتال کریں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھیے، رسالہ: طاغوت کے تحت جہاد کی شرعی حیثیت للشیخ محمد ابراہیم السلفی الحافظ رحمۃ اللہ علیہ بڑا مفید رسالہ ہے۔

[فتاویٰ الدین الخالص، ص:229-231،ج:9]

آئی ایس آئی کے تعاون سے جہاد پر شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ کا فتویٰ

شیخ امین اللہ حفظہ اللہ سے لوگوں کے اس اعتراض کے بارے کئی بار سوال کیا گیا، ہمارے آجکل کے اکثر مجاہدین آئی ایس آئی سے مدد لیتے ہیں اور یہ عسکری ونگ مجاہدین سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے لہذا موجودہ جہاد صحیح نہیں اور اہل ایمان کا اس میں حصہ لینا درست نہیں۔!!

الجواب:

مناسب یہی ہے کہ مؤمن آدمی حق بات کو پسند کرے اور فراخ دل ہو اور اللہ عزوجلّ کے دین کے معاملے میں فقیہ (سمجھدار) ہو نہ دھوکہ دے اور نہ دھوکہ میں آئے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔

1- ایک جہاد حکومت وتنظیمات کی رضامندی کے لئے ہوتا ہے جس کا مقصد اس حکومت و تنظیم کی حفاظت اور اس کو فائدہ پہنچانا اور اس کے مقاصد کی تکمیل کرنا ہوتی ہے، اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ ایسا جہاد شیطان کے راستے میں ہوتا ہے جس میں اللہ تعالی کی رضا کے لئے کچھ بھی نہیں۔

میں کسی مسلمان کے بارے یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ ایسا کرتا ہوگا بلکہ اہلحدیث ،اہل سنت ان تنظیمات سے برائت میں بہت سخت ہیں، وہ اپنے کام میں مخلص ان کے اعمال اور جہاد کا مقصد صرف اللہ تعالی کی رضا ہوتی ہے وہ کس طرح اپنے جہاد کو ضائع کرسکتے ہیں کیونکہ ایسے عسکری ونگز کے لئے جہاد کرنا عمل کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

2- دوسری قسم ہے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر فی سبیل اللہ جہاد کرنا اس کے باوجود دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ عسکری ونگز اپنے مقاصد کے لئے اس میں شامل ہو جاتے ہیں یہ چیز جہاد و مجاہدین کے لئے کوئی فائدہ پہنچاتا ہی ہے جیسا کہ روس کے خلاف جہاد پاکستان اور چین کے لئے فائدہ مند ہے، اس لئے یہ حکومتیں بھی اس میں شریک ہو جاتی ہیں تو یہ چیز جہاد کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد میں شریک کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے مشرکین کے خلاف مدد طلب کی جیسا کہ ہم اپنے فتاویٰ کی آٹھویں جلد میں بیان کر آئے ہیں اور صحیح بخاری کی مشہور حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری [مع الفتح، ص:21،ج:6] میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا :ایک آدمی مال غنیمت کے لئے لڑتا ہے اور کوئی آدمی ریاکاری وشہرت کے لئے لڑتا

ہے اور کوئی اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے لڑتا ہے، ان میں سے فی سبیل اللہ کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

"جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے لڑا وہ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں)ہے"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ قتال پانچ چیزوں کی وجہ سے ہوتا ہے:

1- غنیمت کے حصول کے لئے

2- بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے

3- ریاکاری کے لئے

4- عزت وناموس کے لئے

5- غضب وناراضگی کی وجہ سے

اس سے ثابت ہو گیا جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر قتال کرتا ہے لیکن اس کا مقصد اسلام کے علاوہ کچھ اور ہے اس وجہ سے جہاد اور مجاہدین کو اللہ کے فضل سے کوئی نقصان نہیں ہو گا، جی ہاں اگر مجاہدین ان حکومتوں کے جھنڈے تلے اس طرح بے بس ہوں کہ وہ اسلام کے لئے کچھ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ حقیقتا اور عملی طور پر نہ کہ فرضی خیالی طور پر کفار ومنافقین کا آلہ کار ہوں تو ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ

عمل جہاد ترک کر دیں (واللہ اعلم) اور یہاں ان جہاد مخالف لوگوں کی تردید کرنا مقصود ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ موجودہ سارا جہاد آئی ایس آئی کے لئے ہو رہا ہے حالانکہ ان مسکینوں کو معلوم نہیں اہل حق کا جہاد فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اگرچہ اس سے بعض دوسرے گروہ بھی مستفید ہو جاتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے رومیوں سے قتال کیا حالانکہ وہ فارس کے لئے فائدہ مند تھا۔

پس مسلمان پر فرض ہے کہ ان میں فرق کرے اور معاملات کو ظلم، غضب اور عصبیت دونوں امور کے ترازو کی بجائے عدل وانصاف کے ترازو میں تولے (واللہ اعلم) بلکہ یہ مسئلہ اقدامی اور دفاعی جہاد میں فرق کے تحت گزر چکا ہے کہ دفاعی جہاد میں کفار سے مدد لینا جائز ہے۔

[فتاویٰ الدین الخالص، ص:327،326، ج:9، رقم:1947]

فضیلۃ الشیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ کا آل تکفیر سے برات کا فتوی

سوال: کچھ علماء ایک فتوی دے کر بعد میں اس سے رجوع کیوں کر لیتے ہیں؟

الحمداللہ ولصلوٰۃ ولسلام علی رسولہ محمدوالہ واصحبہ اجمعین۔۔۔۔۔امابعد!

جواب: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر حق کی پیروی فرض قرار دی ہے خواہ وہ حق جہاں اور جب بھی ملے اور اس نے باطل کے آشکارا ہو جانے پر، اسی پر جمے رہنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اسی بناء پر نبی ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علماء سنت کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی اجتہادی خطاء ظاہر ہونے پر وہ اس سے رجوع کر لیا کرتے تھے اور حق کے مطابق دوبارہ فتویٰ دیتے اور اس پر انہیں لوگوں کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی، لہذا اللہ اور آخرت کا خوف رکھنے والے ہر مسلمان پر یہی فرض ہے۔

رجوع کی مثالیں:

1- نبی ﷺ نے انصار مدینہ کو کھجور کی پیوند کرتے دیکھا تو فرمایا: "تم اگر ایسا نہ کرو تو بہتر ہو گا پھر جب کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو فرمایا، تم اپنے دنیاوی (زرعی) معاملات کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو"۔

صحیح مسلم کی اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد سے رجوع فرمایا۔

2- آپ ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کو اس کے خاوند کی وفات پر، عدت گزارنے کے لیے نقل مکانی کی اجازت دی پھر دوبارہ سے حکم ارشاد فرمایا کہ واپس جا کر اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔(مشکوٰۃ باب العدۃ)

3- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی ایک مسائل میں اپنے سابقہ قول سے رجوع فرمایا جیسا کہ ابن حزم کی کتاب احکام الاحکام میں مذکور ہے۔

4- حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جوازِ متعہ کے اپنے مشہور فتوے سے رجوع فرمایا جیسا کہ قرطبیؒ نے سورۃ المومنون کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

5- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حائضہ کے لیے طوافِ وداع کے مسئلے میں (اپنے قول سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتوے کی طرف رجوع فرمایا(صحیح بخاری)

6- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حاملہ بیوہ کی عدت کے مسئلے میں اپنا موقف چھوڑ کر حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوے کی طرف رجوع فرمایا(صحیح بخاری)

7- امام ابو حنیفہؒ نے بہت سے مسائل میں اپنا قول ترک فرما کر اپنے دونوں شاگردوں کا فتوی قبول فرمایا۔

8-اسی طرح فقہِ شافعی میں بکثرت امام شافعیؒ کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں ایک قول قدیم اور دوسرا جدید ہے جس کا معنی ہے کہ انہوں نے اپنا پرانا فتویٰ ترک کر کے نیا فتویٰ جاری فرمایا۔

اسی قسم کی مثالیں بے شمار ہیں۔

متاخرین علماء میں سے امام ابوالحسن اشعری اور ابن تیمیہؒ نے بھی مسئلہ تکفیر میں اپنے سابقہ مذہب سے رجوع کیا۔ امام ذہبی نے امام بیہقی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ابو حازم زاہد بن احمد سرخسی فرماتے ہیں کہ امام اشعریؒ میرے گھر واقع بغداد میں جب فوت ہونے لگے تو انہوں نے مجھے بلوایا اور فرمایا" گواہ رہنا کہ میں اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتا کیونکہ سب لوگ ایک ہی معبود کو مانتے ہیں اور (بظاہر نظر آنے والا اختلاف) صرف تعبیرات کے فرق کی وجہ سے ہے"

میں (ذہبی) کہتا ہوں: میرا بھی یہی مسلک ہے اور اسی طرح ہمارے استاد امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی زندگی کے آخری ایّام میں فرمایا تھا کہ "میں امت میں سے کسی کو کافر نہیں کہتا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: [صرف مؤمن ہی وضوء کی حفاظت کرتا ہے] لہذا جو بھی وضوء کے ساتھ نمازوں کی پابندی کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔"

امام ذہبی مزید فرماتے ہیں: ہمیں یہ خبر پہنچی کہ ابوالحسن اشعریؒ نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کیا اور بصرہ (کی مسجد) کے منبر پر چڑھے اور فرمایا: "میں قرآن کے مخلوق ہونے، (روز قیامت) اللہ تعالیٰ کی زیارت نہ ہونے اور شر (برائی) کے قدری کی بجائے فعلی ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا، اب میں ان سب عقائد سے توبہ کرتا ہوں اور (ان عقائد کے حامل) معتزلہ کی تردید کرتا ہوں۔

میں (امین اللہ پشاوری) بھی کہتا ہوں: ہم بھی اہل اسلام میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے جو "لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرتا ہو اور کسی ایسے علانیہ کفر کا ارتکاب نہ کرے جس (کے کفر ہونے) کی کھلی دلیل اللہ کی طرف سے موجود ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(حکمرانوں کی اطاعت کرنا) سوائے اس کے کہ تمہیں (ان کا) ایسا علانیہ کفر نظر آجائے جس پر اللہ کی طرف سے کھلی دلیل موجود ہو۔

جو لوگ محض گمانات، شبہات اور تسلسلات یا تاویلات کی بناء پر اہل اسلام کی تکفیر کرتے ہیں، ہم ان سے بریٔ الذمہ اور بیزار ہیں اور ہم اہل اسلام میں سے حکام اور عوام اور علماء اور جہلاء، کسی کی بھی قطعاً تکفیر نہیں کرتے۔ ہماری اس وضاحت کے بعد بھی ، جو کوئی بھی ہماری سابقہ تحریرات سے استدلال کرتے ہوئے اہل اسلام کو کافر کہے وہ جھوٹا اور افتراء پرداز ہو گا۔

اور میں اس بات پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا اور تائب ہوتا ہوں کہ ماضی میں مجھ سے ،بربناء خطاء(نہ کہ جان بوجھ کر) کسی مسلمان کی تکفیر ہوئی ہو اور اللہ کے فضل و کرم سے میری فتاویٰ جات میں کسی کی تکفیر معیّن موجود نہیں ہے، مسلمان پر واجب ہے کہ مسئلہ تکفیر میں بہت احتیاط سے کام لے کہ یہ بہت خطرناک معاملہ ہے، خصوصاً عوام کو اس سے بہت زیادہ بچنا چاہئے کیونکہ ان کے پاس واجبی علم موجود نہیں۔ اپنی بات اسی پر ختم کرتا ہوں اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ صحبہ اجمعین

کاتب السطور

ابو محمد امین اللہ پشاوری

26ذی القعدہ1434ھ

باب نہم

امام محمد بن عبد الوہاب اور فتنہ تکفیر

امام محمد بن عبد الوہاب اور فتنہ تکفیر

دعوت و تبلیغ

ابن عبد لوہاب بچپن ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف مائل تھے۔ ابھی وہ عینیہ میں فقہ و حدیث کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ بدعات ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں اور جہاں کوئی عمل اصول دین کے خلاف پاتے فورا نہی عن المنکر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوششکرتے۔

مدینہ منورہ میں محمد حیات سندھی اور علی بن ابراہیم بن سیف نجدی سے استفادہ کے بعد حدیث پر نظر پوئی ورپحر چاوروں طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو انہیں دنیا گمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹی نظر آئی۔ یہاں تک پتہ چلتا ہے، شیخ نے سب سے پہلے اسی زمانہ میں "استغاثہ" کے خلاف آواز بلند کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس جاہلوں کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ ایک مرتبہ وہ حجرہ نبوی کے پاس کھڑے تھے اور سامنے بدعات کا بازار گرم تھا۔ اتنے میں ان کے استاد محمد حیات سندھی آگئے، شیخ نے پوچھا، "ان لوگوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟" استاد نے جواب دیا:

ان ھولاء متبر ما ھم فیہ و ماطل مانوا یعملون

(عنوان المجد ص:7)

بصرہ میں یہ جذبہ اور تیز ہو گیا۔ نہی عن المنکر بلاخوف کرتے، جس کی پاداش میں انہیں طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنا پڑیں اور آخر بصرہ چھوڑنا پڑا۔ یہی نہیں بلکہ ان سے تعلق اور ہمدردی کے جرم میں شیخ محمد مجموعی کو بھی ستایا تھا۔ بدبختوں نے انہیں ٹھیک دوپہر کے وقت نکالا۔ بچارے اسی حال میں زبیر (بصرہ سے قریب ایک قصبہ ہے جو حضرت زبیر بن عوام کے نام پر آباد ہے، اس کے باشندے اس وقت بھی اتباع سنت میں ممتاز ہیں۔) کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں ہی پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ آخر ایک باخدا انسان ابوحمید ان نامی نے جو کرائے کے گدھے رکھتا تھا دستگیری کی اور پیاس بجھائی، نیز اپنے گدھے پر سوار کر کے زبیر پہنچا دیا۔

(عنوان المجد ص:8)

یہ سب دعوت کی ابتدائی منزلیں تھیں اور تمہیدی کام تھے، حریملا واپسی کے بعد انہوں نے بدعات کے استیصال اور توحید و اخلاق کے عام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ دعوت کی بنیاد توحید کی پاکیزگی پر رکھی اور عبادت کسی قسم کی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص کرنے پر زور دیا۔ کلمہ لا الہٰ الا اللہ کا بول بالا، ان کا شعار تھا۔ صدیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ وہ بدووں سے چوری، رہزنی، مکاری لوٹ مار کی بری عادتیں چھڑا کر ان میں راست بازی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جاہلوں کے غلط عقیدوں کی اصلاح

، معبودان باطلہ، قبہ و قبر سے ہٹا کر پھر معبود حقیقی کی درگاہ میں لا کھڑا کرنا ان کا مقصود تھا۔ پھر وہ کس و ناکس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لیے ایمان خاص اور سچی عزیمت کی ضرورت تھی۔ اس راہ میں شیخ کو جن صبر آزما مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور جس خندہ پیشانی کے ساتھ انہوں نے اس راہ کی تکلیفوں کا استقبال کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے پوری طرح متصف تھے۔ توحید کی دعوت دی، غیر اللہ کے آگے سر خم کرنے، قبروں، ولیوں سے مدد مانگنے نیکوکار بندوں کو معبود ثانی بنانے سے روکنے کی کوشش کی۔ قبروں کی زیارت میں مسنون طریقہ کے خلاف جو بدعتیں رائج ہو گئی تھیں، ان کے مٹانے کو عملی قدم اٹھایا، بس پھر کیا تھا، مخالفت کا سیلاب اُمڈ آیا۔ اعزہ و اقربا درپے آزار ہو گئے۔ خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی۔ شیخ نے باپ کے ادب اور استاد کی عزت کا پورا لحاظ رکھا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا، وہ پیچھے نہ ہٹا۔ ایذاء رسانی حد سے بڑھ گئی، پر صبر و عزیمت کا کوہِ وقار اپنی جگہ سے نہ ٹل سکا۔ تمام رکاوٹوں کے باوجود انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور عارض کے تمام قصبات حریملا، عیینہ، درعیہ، عیاض وغیرہ میں ان کی شہرت پھیل گئی اور تعلیمات کی اشاعت ہونے لگی۔

تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا، لیکن والد ماجد کی سرد مہری کے باعث رفتار سست تھی۔ ۱۱۵۳ھ میں والد صاحب کا انتقال ہوا، تو پھر دعوت و تبلیغ میں گرمی پیدا ہو گئی۔ علی اعلان اتباع سنت اور ترک بدعات کا وعظ کہنے لگے، حریملا کے کچھ لوگ

متاثر ہوئے اور تحریک کے پر جوش معاون بن گئے۔ شیخ کے درس میں حاضر ہونے لگے اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوئے۔ شیخ کی مشہور تالیف کتاب التوحید اسی دوران میں تالیف ہوئی

(روضۃ الافکار ص:36)

عینیہ میں ۱۱۵۷ھ / ۱۷۴۴ء: دعوت و تبلیغ کی ابتدائی منزلیں طے کرنے پر شیخ کو احساس ہوا کہ اس افراتفری میں کہ ہر ناحیہ (عثمانی حکومت کے دور میں انتظامی آسانی کے خیال سے ملک کی تقسیم چار حصوں میں کی جاتی
تھی، ولایتہ (صوبہ) لوا (کمشنری) قضاء (ضلع) ناحیہ (تحصیل / سب ڈویژن) عارض کا شمار ناحیہ میں تھا، آلوسی نے ناحیۃ العارض، لکھا ہے، صوبہ ضلع کی دیسی اصطلاحات ہم نے مقابلہ کے لیے دی ہیں) کا حاکم الگ ہے۔ کامیابی دشوار ہے، خود حریملا میں دو خاندان (قبیلہ) سرداری کے لیے دست و گریبان تھے۔ (عنوان المجد ص:9 میں بعض غلاموں کی شرارت کا ذکر ہے، جو شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، دوسری کتابوں میں جہاں کہیں بھی اس کا ذکر ہے، غالبا ماخذ ہی ہے۔) ان حالات میں کوئی موثر قدم اٹھانا مشکل تھا۔ انہوں نے پورے نجد کو ایک امیر اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی امیر (حاکم صاحب نفوذ و قوت) کی ہمدردی حاصل کئے بغیر دعوت کو دور و نزدیک جلد از جلد پھیلانا آسان نہیں۔ ان خیالات کے

پیش نظر انہوں نے عثمان بن معمر امیر عیینیہ سے خط و کتابت کی اور امیر کو قبول حق پر آمادہ پا کر خو بھی عیینیہ منتقل ہو گئے۔ امیر نے اچھی طرح آو بھگت کی اور شیخ کو سر آنکھوں پر بٹھایا، جوہرہ بنت عبداللہ بن معمر سے شیخ کی شادی ہوئی، جس سے ظاہری طور پر تعلقات مستحکم ہو گئے۔ شیخ کے سامنے ایک متعین مقصد تھا۔ ذاتی اور خاندانی تعلقات حصول مقصد کا ذریعہ ہو سکتے تھے، خود مقصد نہیں تھے۔ انہوں نے امیر عیینیہ کے سامنے دعوت پیش کی، توحید کا مفہوم واضح کیا اور اس جلیل القدر مہم میں امداد و تعاون کی درخواست کی۔

شیخ کے یہ الفاظ یادگار اور قابل نقل ہیں۔

انی ارجواان انت قمت بنصر لا الہ الا اللہان یظھرک اللہ تعالیٰ و تملک نجدا واعرابھا

(عنوان ص:9)

اگر تم لا الہٰ الا اللہ کی امداد کو آمادہ ہو جاو تو میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غالب کرے گا اور نجد اور اہل نجد کی باگ تمہارے ہاتھوں میں ہو گی۔

عثمان کو یہ پیشکش صدق دل سے کی گئی تھی، پر افسوس کہ وہ اس پر قائم نہ رہا جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا اور آخر کار یہ نعمت عیینیہ سے درعیہ منتقل ہو گئی، بہرحال عثمان بن معمر نے وعدہ کیا اور اس کی معاونت کے سہارے شیخ نے امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کی کھلم کھلا دعوت دینا شروع کی اور رفتہ رفتہ اہل عینیہ کے دل قبول حق کی طرف مائل ہونے لگے۔

شیخ نے اس اثناء میں بدعات کے بعض اڈوں کے ختم کرنے بیڑا اٹھایا، جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس علاقہ میں بعض درختوں کی توقیر کی جاتی تھی، انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا زید بن خطاب (جو یوم یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے نام سے مقام جبیلہ میں ایک قبر تھی اور اس کا بھی خاتمہ کیا، جو اس وقت کے لحاظ سے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ابن بشر اس قبہ کے انہدام کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

شیخ نے عثمان سے کہا: "آو اب اس قبہ کو منہدم کر دیں جس کی بنیاد باطل پر رکھی گئی ہے اور جس کی وجہ سے لوگ راہ ہدایت سے بھٹک گئے ہیں"۔ عثمان نے کہا آپ ہی اسے منہدم کر دیں" شیخ نے فرمایا کہ ہمیں اہل جبیلہ سے خطرہ ہے، کہیں وہ ہمارے درپے آزاد نہ ہو جائیں۔ آپ کی موجودگی کے بغیر میں ہدم نہیں کر سکتا۔" اس پر عثمان چھ سو آدمیوں کے ساتھ چلا، قریب پہنچنے پر اہل جبیلہ نے بزور روکنے کا ارادہ کیا، لیکن جب انہوں نے عثمان کی طرف سے بھی پوری تیاری دیکھی، تو ہٹ گئے۔ اس پر عثمان نے شیخ سے کہا کہ "ہم قبہ کو چھو نہیں سکتے" اس پر شیخ نے ہتھوڑا لیا اور اپنے ہاتھ سے قبہ کو گرا کر ہموار کر دیا اور کامیاب واپسی ہوئی۔ اس رات کو اطراف ونواح کے جاہل بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں اس ناروا اقدام سے شیخ پر

کیا مصیبت آتی ہے یکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، جب صبح ہوئی تو لوگ بہت مایوس ہوئے اور اہل حق کی ہمت بندھی نیز کمزوروں کے ایمان میں تازگی آئی۔

(عنوان المجد: ص:9-10)

یہ صرف ایک واقعہ کی تفصیل تھی، وہاں قدم قدم پر یہی دشواریاں تھیں۔ جاہلوں سے لے کر علماء و مشائخ تک سب کے سب بدعات کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ یہ ابن عبد الوہاب کی آواز اور کوشش تھی، جس نے صدیوں کی تاریکی اور گمراہی کے بعد حق کا بول بالا کیا اور صحیح اسلامی تعلیم سے خلق خدا روشناس ہوئی۔

شیخ نے امیر عثمان بن معمر کو نماز باجماعت کے احیاء کی بھی تاکید کی اور متخلفین (نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والے) کے لیے سزائیں تجویز ہوئیں۔ حکام طرح طرح کے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ شیخ نے تمام ٹیکس اڑا دیئے اور صرف زکاۃ کا اجراء کیا۔ شیخ نے قیام عینیہ کے دوران میں ابن معمر کے ہاتھ سے یہ دو کام اچھے کرائے، لیکن ان کے دشمن اس میں بھی کیڑے نکالتے تھے۔

شیخ نے عینیہ ہی میں اپنے تبلیغی رسالوں کا سلسلہ شروع کیا، جو مرتے وقت تک جاری رہا، درعیہ میں ان کے ماننے والے کچھ پیدا ہو گئے تھے، ان ہی کے نام آپ نے عینیہ سے ہدایت نامے جاری کئے تھے

(روضۃ الفکار ج:۱ص:۲۰۰)

عینیہ سے اخراج:

عینیہ میں کامیابی قدم لینے کو تھی اور اصلاح کی مہم مکمل ہوتی جا رہی تھی کہ قدرت نے ایک شر پیدا کیا، جس میں ہزاروں برکتیں پنہاں تھیں۔

"ہونے والی بات، ایک عورت شادی شدہ گناہ کی مرتکب ہوئی اور اس نے شیخ کے سامنے گناہ کا اعتراف بھی کر لیا۔ بار بار جرح کرنے پر بھی وہ اپنے اقرار سے نہ پھری۔ مجبورا شیخ نے سنگ ساری کا حکم دیا، عثمان بن معمر نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یہ فرض انجام دیا، سب سے پہلا شخص جس کا ہاتھ پتھر کی طرف بڑھا وہ عثمان تھا۔

(روضۃ الافکار:۳،۳-۲ عنوان المجد:۱۰۰۱)

اس غیر متوقع حادثہ نے اطراف وجوانب میں تہلکہ پیدا کر دیا۔ خصوصیت کے ساتھ ان حلقوں میں جو برائیوں کے خوگر تھے اور زیادہ کھلبلی مچی۔ بات لگانے والے سلیمان بن محمد عزیز محمدی (حاکم احساو قطیف) کے دربار پہنچے اور اسے شیخ کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ یہ شخص نہایت رنگیلا اور آوارہ مزاج تھا۔ رجم کے واقعہ سے اس کا برہم ہونا بالکل متوقع تھا، کہنے والوں ے اس سے کہا کہ یہ شخص ابن عبد الوہاب تمہاری آزادیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بات لگتی ہوئی تھی اس کے دل میں جم گئی۔ اس نے فوراعثمان بن معمر امیر عینیہ کو تہدید آمیز انداز میں لکھا:۔ "یہ مطوع (اہل نجد کی زبان میں مولوی اور فقیہ کو مطوع کہتے ہیں، جمع مطاوعہ استعمال ہوئی ہے موحدین کی نئ منظم برادری اخوان، میں بھی مبلغین کی جماعت "مطاوعہ" کہلاتی ہے۔) جو تمہارے ہاں مقیم

ہے، اس نے ایسے ایسے کام کیے ہیں اسے قتل کرو، ورنہ تمہیں ہمارے ہاں سے جو کچھ ملتا ہے وہ سب روک دیا جائے گا۔"

چونکہ وہ رقم کافی تھی، یعنی مال ومتاع کے علاوہ بارہ سو دینار سالانہ اس وجہ سے وہ ایسامترود ہوا، کہ دنیا کی طمع، توحید کی حمایت پر غالب آنے لگی، ابھی اس کا سینہ دعوت توحید کا محرم نہیں بنا تھا، نہ اسے یہ معلوم تھا، کہ حق کے ساتھ دینے والوں پر غیب سے کیا کیا انعامات ہوتے ہیں؟ اس حیص بیص میں اس نے شیخ کو سلیمان حاکم

احساء کے پیغام کی اطلاع دی۔ شیخ نے اسے تسلی دینا چاہی اور پورے یقین کے ساتھ اسے سمجھانے کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

ابن بشر کی زبانی شیخ کے یہ الفاظ سننے کے لائق ہیں:۔

ان هذاالذی انا قمت بہ و دعوت الیہ
کلمۃ لاالہالاالاللہوارکاناالاسلاماالامر بالمعروفوالنہیعنالمنکرفانانتتمسکتبہونصرتہفان
اللہ سبحانہ یظهرک علی اعدائک فلایز عجک سلیمان ولا یفزعک

(عنوان المجد ص:۱۰۰)

میں جو اس چیز کو لے کر کھڑا ہوا ہوں اور اس کی دعوت دی ہے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ارکان اسلام اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر (کی دعوت) ہے، اگر تم اس کو مضبوط پکڑ لو اور اس کی مدد کرو تو اللہ تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کرے گا۔ سلیمان کی وجہ سے تمہیں پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

شیخ نے ہر طرح کی کوشش کی، پر جب زوال دنیا کا خوف قلب پر طاری ہو جائے تو پھر کوئی جہمائش کام نہیں کرتی۔

شیخ کی موثر اور پر امید نصیحت سے پہلی مرتبہ تو وہ رک گیا لیکن پھر اس سے نہ رہا گیا اور شیخ کے پاس دوبارہ کہلا بھیجا:۔

"سلیمان نے ہمیں آپ کے قتل کا حکم دیا ہے اور ہم میں اس کے حکم سے سر تابی کی جرات نہیں نیز یہ ہماری مروت سے بعید ہے کہ آپ کو اپنے گھر میں تہ تیغ کریں۔ اس لیے آپ آزاد ہیں، ہمارا علاقہ چھوڑ دیں"

(عنوان المجد ص:۱۱)

یہ پیام دیا اور اپنے ایک سپاہی فرید الظفیری کی ہمراہی میں عینیہ کی حدود سے باہر کر دیا۔ اس "اخراج" کی داستان بھی عبرت انگیز اور پر درد ہے۔ ریگستان عرب کی سخت دھوپ، شیخ آگے آگے پیادہ پا، ہاتھ میں صرف ایک پنکھا اور پیچھے پیچھے فرید گھوڑے پر سوا، ابن بشر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ابن معمر نے در پردہ شیخ کے قتل کا بھی حکم دے دیا تھا۔ شیخ آگے آگے "من یتق اللہ تجعل لۃ مخرجا ویزرقہ من حیث لایحتسب" کا ذکر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے، سپاہی نے راستہ میں بات نہیں کی۔ جب اس نے قتل کا ارادہ کیا تو خود اس کے بیان کے مطابق کسی غیبی طاقت نے اس کا ہاتھ روک لیا اور اس پر رعب طاری ہو گیا اور اسی عالم میں وہ الٹے پاوں عینیہ کی طرف واپس ہو گیا، صداقت کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ سچ مچ اسے اپنی جان خطرے میں نظر آنے لگی۔

درعیہ میں ۸-۱۱۵۷ھ:

ابن معمر کی حدود سے نکل کر شیخ نے درعیہ کارخ کیا اور عصر کے وقت وہاں پہنچے۔ پہلے وہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن سویلم الغرینی کے گھر اترے اور پھر اپنے ایک شاگرد احمد بن سویلم کے ہاں منتقل ہو گئے۔ خبر پاتے ہی امیر درعیہ محمد بن سعود اپنے بھائیوں مشاری اور مثنیان کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا اور سب نے مل کر شیخ کو امداد اور فرمان برداری کا یقین دلایا

(روضۃ الافکار: ۲)

یہ مختصر روداد ابن غنام سے منقول ہے۔ ابن بشر نے اس اہم واقعہ کو جسے شیخ کی تبلیغی زندگی میں خاص اہمیت حاصل ہے، ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابن غنام کے بعد ہم ابن بشر کی روایت بھی ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"شیخ ورعیہ عصر کے وقت پہنچے، جہاں وہ ایک خوش بخت انسان محمد بن سویلم العرینی کے گھر اترے، بیچارہ عربی اخلاق سے مجبور ہو کر کچھ نہ بولا پر امیر کے خوف سے اس کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ شیخ نے نصیحت کی اور

تسکین دی۔

سیجعل اللہ لنا ولک فرجا و مخرجا"

امیر محمد بن سعود کی معاونت:

ابن سویلم کے گھر ٹھہرے، تو وہ دعوت توحید کا مرکز بن گیا۔ لوگ چھپ چھپ کر آنے لگے۔ اہل علم خاص طور پر مستفید ہوتے۔ لیکن یہ صورت قابل اطمینان نہ تھی۔ شیخ نے امیر سے سلسلہ جنبانی کرنا چاہا اور امیر کے بھائیوں مشاری اور ثنیان سے گفتگو کی۔ انہوں نے پہلے امیر کی بیوی جوضی بنت ابی حگطان سے جو نہایت ذی فہم اور متدین خاتون تھی، شیخ کے علم و فضل کی تعریف کی اور اسے امیر سے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کیا۔ قدرت کو یونہی کرنا تھا۔ موضی کے دل پر خودبخود شیخ کے علم و فضل کا سکہ جم گیا۔ اس نے امیر سے عرض کی:۔

"اللہ نے یہ نعمت تمہارے ہاں بھیج دی ہے، اٹھو اور اس کی مدد کرو تمہاری دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔"

امیر محمد بن سعود، جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسن اخلاق میں مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر کر گئی۔ سب کے اصرار سے اس نے ملنے میں پہل کی ور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی۔ شیخ نے جواب میں اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد) پر مختصر سی تقریر کی اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی، امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا:۔

"اے شیخ! یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ میں آپ کی امداد اطاعت اور مخالفین توحید سے جہاد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میری دو شرطیں ہیں:۔

ا۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں گے "

۲۔ "اہل درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں آپ مجھے اس سے نہ روکیں گے "

شیخ نے جواب دیا:۔

"پہلی شرط بسرو چشم منظور ہے، ہاتھ لاو: الدم بالدم و الھدم بالھدم (میرا خون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی)۔ رہی دوسری شرط سو ان شاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں سے اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔"

امیر نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہد کیا کتاب و سنت کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنے کی آمادگی ظاہر کی۔ یہ ۱۱۵۷ھ (ابن قسام ان سب واقعات کا ذکر کرتا ہے اور ۱۱۵۷ھ کے حدود میں۔ کانت ھذہ الا مورفی حدود سنۃ سبعوخمسینبعد الماءۃ والالفمنالھجرۃ (۲:ع) بن بشر نے انتقال درعیہ کی تاریخ

۱۱۵۸ھ لکھی ہے (ص: ۱۵) اور تفصیلات عنوان المجد، ہی سے ماخوذ ہیں (۱۲: ۱- ۱۱)) ہے۔ امیر کا بیعت کرنا تھا کہ جوق در جوق لوگ استفادہ اور تجدید ایمان و اعمال کے لیے آنے لگے۔ عینیہ کے پرانے فیض یافتہ اور ہم نشین، جن کے دلوں میں شیخ کی دعوت گھر کر چکی تھی۔ درعیہ آ گئے۔ ان آنے والوں میں خود عثمان بن معمر رئیس عینیہ کے بعض عزیز بھی تھے۔

ارادت مندوں کا پہلا گروہ:

یوں تو عینیہ ہی کے دور قیام میں شیخ کی طرف لوگ کھنچنے لگے تھے، لیکن ایک عرصہ تک بدعات اور تاریکی میں گھرے رہنے کے بعد عام طور پر خلقت قبول حق میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی۔ درعیہ کے قیام اور امیر محمد بن سعود کی نیک نامی نے دعوت کی کامیابی کے لیے اچھی زمین تیار کر دی جن خوش قسمت لوگوں نے آغاز کار ہی میں جوش و خروش کے ساتھ دعوت پر لبیک کہا اور اس سلسلہ میں خود بھی ابتلاء و محن سے دوچار ہوئے ان میں بعض نام ابن غنام کی عنایت سے ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ خاندانی اور باوجاہت لوگوں میں محمد بن سعود کے تین بھائیوں مشاری (یوں تو اس دعوت، اور پھر آگے چل کر جہاد و قتال کے سلسلہ میں امیر محمد بن سعود اور ان کے پورے گھرانے نے نمایاں کام کئے لیکن ہمیں یہاں بحث صرف شیخ کی دعوت سے ہے اور اس سلسلہ میں ثنیان ابن سعود (ف ۱۱۸۶ھ) اور مشاری بن سعود (ف ۱۱۸۹ھ) زیادہ ممتاز

ہیں۔ مشاری نے بھائی کی بڑی امداد کی اور ان کے بیٹے حسن بن مشاری نے لڑائیوں میں شمشیر آبدار کے خوب جوہر دکھائے ثنیان بن سعود زاہد اور عفیف النفس تھے، گو وہ بینائی سے محروم تھے لیکن ان کی بصیرت بڑھی ہوئی تھی، اصل میں محمد بن سعود ان ہی کے مشورہ سے شیخ کی امداد پر کمربستہ ہوئے۔

(روضۃ الافکار ۲:۹۴-۱۰۵، عنوان المجد: ۱۰، ۲-۹))

ثنیان اور فرحان کے نام پہلے آتے ہیں، اہل علم میں احمد بن سویلم اور عیسیٰ بن قاسم زیادہ ممتاز تھے اور عام اثر و رسوخ کے اعتبار سے محمد الخریمی، عبداللہ بن وغشیر، سلیمان ابو شیقیری، احمد بن حسین کے نام آج تک زبان زد ہیں۔ فلبی (ص ۱۳-۱۲) کے بیان کے مطابق:۔

"یہ وہابیت کے پہلے بہادر کارکن تھے، ان کے نام آج تک عزت سے لیے جاتے ہیں اور ان کی اولاد سلطان کے

دربار میں اعزاز کی مستحق سمجھی جاتی ہے"۔

ابن معمر کی زود پشیمانی:

دعوت کی روز افزوں عمومیت اور مقبولیت کی خبر پا کر ابن معمر سے نہ رہا گیا۔ اسے اپنے پہلے طرز عمل پر بڑی پشیمانی ہوئی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ ساتھ ساتھ عینیہ واپس چلنے کی دعوت بھی دی۔

شیخ نے جواب میں صاف کہا:۔

"اب امیر ابن سعود کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت ہو تو میں تیار ہوں، ورنہ انہیں چھوڑ کر اب کسی دوسرے کی رفاقت منظور نہیں"

یہ واضح جواب پا کر ابن معمر نے خود میزبان محمد بن سعود سے اجازت طلب کی لیکن وہ اس نعمت کو اپنے گھر سے کسی دام پر الگ کرنے کی تیار نہ تھے۔

دور عمل:

شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، جہاں جہالت کی گرم بازاری تھی۔ شیخ نے سب سے پہلے وعظ و دروس کے حلقے قائم کیے اور خود صبح سے شام تک آنے والوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے اور اپنی دعوت، دعوت توحید و اخلاص فی عبادۃ اللہ کی اہم اور ضروری چیزیں ذہین نشین کرانے کی کوشش کرتے، شیخ کی جاذب شخصیت اور دعوت توحید کی سچائی نے فوری اثر دکھایا، مجالس دعوت و تذکیر

سے یہ فائدہ پہنچا کہ دلوں سے "ماالفینا علیہ أباءنا" کا زنگ دور ہونے لگا اور رسم ورواج کے خرافات کو وہ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنے لگے۔

ان مجالس کی کشش دور دور سے تشنگان علم کو درعیہ لے آئی جہاں رزق کی تنگی کے باعث علم وعمل کے پیاسے راتوں کو کسی پیشہ کے ذریعہ قوت لایموت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور دن کا وقت اللہ کی کتاب اور اس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں کو سننے کے لیے وقف رہتا۔ شاگردوں اور ارادت مندوں کی میزبانی کے باعث شیخ برابر مقروض رہتے۔ بہر حال دعوت کی مقبولیت دن بدن بڑھتی گئی اور آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔

(عنوان المجد: ص ۱۵-۱۳)

دعوت کی وسعت:

اہل درعیہ تو شیخ کے قدم رکھتے ہی عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے، نجد کے مختلف حصوں اور ان کے سرداروں کو ترغیب دیتے اور اپنی دعوت سے آگاہ کرتے۔ گو مخالفتیں بھی ہوئیں اور افترا پردازیوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی گئی۔ پھر بھی حق کی آواز بلند ہوتی گئی اور آہستہ آہستہ اس کے ثمرات بھی ظاہر ہونے لگے، قیام درعیہ کے دوسرے ہی سال ۱۱۵۸ھ یا ۱۱۵۹ھ امیر عینیہ نے آکر

بیعت کی اور حدود شرعیہ کے نفاذ کا عہد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اہل حریملا نے بھی بیعت کی ادھر امیر محمد بن سعود کی معاونت کا یہ عالم تھا کہ خمس اور زکوٰۃ کی تمام رقمیں شیخ کے ہاتھ میں دی جاتیں اور انہیں بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے۔ امیر ابن سعود اور ان کے جانشین عبد العزیز بن محمد سعود جو ۱۱۶۵-۱۱۷۹ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد منصب امارت پر متمکن ہوئے، شیخ کی اجازت کے بغیر ادنیٰ تصرف روا نہیں رکھتے اور جو کچھ آتا سب اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے۔

ابن بشر کا بیان ہے (ص ۱۵) کہ خمس اور زکوٰۃ سے جو کچھ آتا وہ فوراً تقسیم کر دیتے ان کی اس فراخ دستی کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ برابر مقروض رہتے، صرف فتح ریاض (عنوان المجد: ص ۱۵ ریاض پر مکمل قبضہ ربیع الآخر ۱۱۸۷ھ کے اواخر میں یا اس کے بعد ہوا۔ جولائی ۱۷۷۳ھ) کے وقت ان پر چالیس ہزار قرض تھا، جو مال غنیمت سے ادا کیا گیا۔

یہ سارا قرض اور تمام دریا دلی تبلیغ کے سلسلہ میں ہوتی تھی، جو فتح ریاض تک برابر جاری رہی۔ فتح ریاض کے بعد شیخ کو اپنی دعوت کی کامیابی کے متعلق ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو انہوں نے امیر عبد العزیز کو سیاہ سفید کا مالک بنا کر اپنے آپ کو بیت المال کے انتظامات سے بالکل الگ کر لیا اور اپنی تمام توجہ تعلیم و تدریس پر مرکوز کر دی، لیکن عبد العزیز شیخ کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے، ہر کام میں ان کی رائے مقدم تھی۔

تکفیر و قتال مسلمین:

شیخ الاسلام رح اوران کے ماننے والوں پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ تمام اہل قبلہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں سے قتال جائز سمجھتے ہیں۔ یہ الزام مختلف وقتوں میں بار بار دہرایا گیا تھااور انہوں نے خود بھی اس کی صاف صاف تردید کی تھی

ملاحظہ ہو:۔

"واذاکنا لانکفر من عبدالصنم الذی علی
قبۃعبدالقادروالصنمالذیعلیقبراحمدالبدویوامثالھمالاجلجھلھموعدممنفبہھمفکیفنکفر
منلمیشرک باللہ اولم یھا جرالینا ولم یکفر۔۔۔۔۔۔"

ترجمہ:

جب ہم ان لوگوں کی تکفیر نہیں کرتے جو جہالت اور عدم تنبیہ کے سبب سے ان بتوں کی پرستش کرتے

ہیں قاور جو عبد القادر اور شیخ احمد بدوی اور ان جیسے بزرگوں کی قبروں پر بنے ہوئے ہیں تو پھر ہم ان لوگوں کی

تکفیر کس طرح کر کستے ہیں جنہوں نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا یا ہجرت کر کے ہمارے پاس نہیں آئے اور کسی کفر کے مرتکب نہیں ہوئے۔

سبحانک ھذا بھتان عظیم

ومن جملۃ ھذہالاکاذیبماذکرہ ۔ ۔ ۔ "ان شیخ السلام محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہیسفکالدماءوینھبالاموالویتجاریعلیقتلالنفوسوتکفیرالامۃ المحمدیۃ فیجمیعالا قطاروھذاکلہکذب"

ترجمہ:

انہی افتراپردازیوں میں یہ بھی ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رح خون بہاتے ہیں اور مال لوٹے ہیں اور لوگوں کے قتل کی جسارت کرتے ہیں۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ سب سراسر جھوٹ ہے۔

اس عمومی تکفیر کی اہل نجد پر زور تردید کرتے ہیں، لیکن اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد تکفیر اور قتال کے قائل نظر آتے ہیں:۔

"فلم یکفر
رحمہاللہالاعبادالاوثانمندعاۃالاولیاءوالصالحینوغیرھممناشرکباللہوجعللہاندادابعدا قامۃ الحجۃوبعدانبدووہبالقتالفحینئذقاتلھموسفکدماءھمونھباموالھمومعہالکتابوالسـ نۃواجماعسلفالا مۃ

(تبرۃالشیخین:ص ۸۹)

ترجمہ:

"تو شیخ رحمۃ اللہ نے صرف ان صنم پرستوں کی تکفیر کی جو اولیاء اور نیکو کار بندوں سے مرادیں مانگتے ہیں جنہوں نے حجت کے ثبوت قور طریق حق کی وضاحت کے بعد بھی شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ کا شریک ٹھہرایا اور پھر انہوں نے قتال میں بھی پیش قدمی کی تب شیخ نے ان سے قتال کیا اور اوعر ان کا خون بہایا اور ان کا مال لوٹا اس حال میں کہ کتاب سنت واجماع سب کی شہادتیں ان کی تائید میں ہیں۔"

یہاں اتمام حجت کے علاوہ ایک دوسرا عذر یہ بھی ہے اور وہ یہ کہ مخالفوں نے قتال کی ابتداء کی۔ ایک دوسری جگہ شیخ رح کا یہ قول منقول ہے:۔

فجنس هولاء المشركين و امثالهم ممن يعبد الاولياء والصالحين نحكم بانهم مشركون و نرى كفر هم اذا قامت عليهم الحجة الرسالية

(الهدية السنية)

ترحمہ:

تو یہ اور ان جیسے مشرک جو ولیوں اور نیکو کار و بندوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے یں ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ تبلیغی حجت قائم ہو جانے کے بعد ہم ان پر شرک کا حکم لگاتے ہیں اور ان کو کافر سمجھتے ہیں۔

ان اقتباسات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیخ اور ان کے پیرو تکفیر اور قتال کے لیے تبلیغ اور اقامت حجت شرط قرار دیتے ہیں۔اسی لیے عمومی تکفر کے الزام کی یہ پرزور تردید کرتے ہیں، البتہ قبر پرستی اور ظاہری مشرکانہ اعمال کو یہ صرف کفر عملی نہیں سمجھتے، جیسا کہ عام طور پر کفر عمل اور کفر اعتقاد کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔(رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۵ جلد ٦ ۱۳۰۰ھ تا ۱۸۸۲ھ :نے ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کا اختلاف اس مسلک سے ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے "اہل حدیث ہند، وہابیہ نجد سے تکفیر قتل میں مخالف ہیں" ص:۲۱۷نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی موائد العوائد میں اس پر بہت زور دیا ہے، لیکن ان کا طرز بیان الجھا ہوا ہے اور کرنل فندیک امریکی۔۔۔۔۔۔۔)

یہاں پر صرف ایک بات ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اہل نجد مسلمانان عالم کی عمومی تکفیر نہیں کرتے بلکہ صرف ان لوگوں کو جو مشرکانہ اعمال میں گرفتار ہیں اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی اپنی گمراہی سے باز نہیں آتے اور ایسے لوگوں سے قتال بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

شیخ رح نے اپنی مختلف کتابوں میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قتال مانعین زکوۃ سے بار بار استدلال کیا ہے۔

(فیض الباری:۱۷۱،۱)

واماما يكذب علينا سترا للحق ـ ـ ـ ـبانا تفسر القرأن براءينا وناءخذ من الحديث ما وافق مهمنا ـ ـ ـوانا نضع من رتبة نبينا صلى الله عليہ وسلم بقولنا:النبى رمة فى قبره وعصااحدنا انفع منہ ،وليس لہ شفاعة وان زيارتہ غير مندوبة ـ ـ ـوانا مجسمة وانا نكفر الناس على الاطلاق ـ ـ ـ ـنجميع هذه الخرافات واشباهہا ـ ـ ـ ـكان جوابنا فى مساءلة من ذلک سبحانک هذا بهتان عظيم

(الهدیۃ السفیہ:۴٦)

ترجمہ:

اور یہ جو حق پوشی کی راہ سے ہمارے متعلق جھوٹ کہا جاتا ہے کہ ہم قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے

کرتے ہیں اور حدیث نبوی سے وہی حصہ لیتے ہیں جو ہمارے فہم (اور ذوق) کے مناسب ہو اور یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لیے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں ایک بوسیدہ ہڈی سے زیادہ نہیں" اور "ہم میں سے کسی ایک کی چھڑی ان سے زیادہ نفع بخش ہے" جیسے (گستاخانہ) فقرے کہا کرتے ہیں اور یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا حق نہیں ہو گا! اور یہ کہ قبر اطہر کی زیارت مستحب نہیں ہے! اور یہ کہ ہم تجسم (باری تعالیٰ کے جسم کا عقیدہ رکھنا) کے قائل ہیں! اور یہ کہ ہم تمام لوگوں کی علی الطلاق تکفیر کرتے ہین۔ تو ان سب اور ان جیسی

دوسری بے سروپاباتوں میں سے ہر ایک کے متعلق ہماراجواب "سبحانک ھذا بھتان عظیم "کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۱: شیخ محمد بن عبد الوہاب رح نے حدود کا نفاذ خود نہیں کیا بلکہ حکمران کے ساتھ مل کر کیا، باوجود اسکے کہ ان کے پاس ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

۲: قتال خود سے شروع نہیں کیا بلکہ حکمران کو ساتھ لے کر کیا، اور صرف ان لوگوں کے ساتھ قتال کیا جو پہلے حملہ آور ہوئے۔ یعنی کسی قبیلے پر اقدامی جہاد / قتال نہیں بلکہ دفاعی جہاد / قتال ہی کیا۔ اور وہ بھی حکمران کے ساتھ مل کر۔

۳: ابن معمر کو توحید کی دعوت دی اور اس نے دعوت قبول کر لی اور اپنے رعایا پر شریعت نافذ کر دی۔ لیکن پھر دنیاوی لالچ کے تحت حدود ختم کر دیں اور شیخ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور حتی کہ اپنے بندے بھی بھیج دئے قتل کرنے کے لیے، لیکن شیخ محمد بن عبد الوہاب رح نے نہ تو اس حکمران کی تکفیر کی جس نے حدود نافذ کرنے کے بعد ختم کر دیں اور نہ ہی اس کے خلاف خروج کیا بلکہ وہاں سے ہجرت کر لی اور تکفیریوں کے منہ پر طمانچہ یہ بھی ہے کہ اگلے علاقے میں جا کر دوسرے حکمران کے ساتھ مل کر ابن معمر (جس نے حدود نافذ کرنے کے بعد ختم کر دیں اور شیخ کو قتل کا حکم بھی دیا اور بالآخر وہاں سے نکال بھی دیا۔) کو کافر قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف قتال کی دعوت نہ دی اور نہ ہی اس کے خلاف کسی قسم کی تحریک شروع کی۔

۴: شیخ نے پوری زندگی میں ایک بھی قتل توحید حاکمیت کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ جس محاذ پر بھی قتال کی نوبت آئی تو حکمران کی قیادت میں توحید الوہیت کی بنیاد پر ہی قتال کیا۔

۵: اگر توحید حاکمیت یا شریعت نافذ نہ کرنے کی وجہ سے قتال کرتے ہوتے تو سب سے پہلے ابن معمر کے خلاف قتال کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

امام ابن تیمیہ نے اس بحث کو بھی خوب اچھی طرح نکھارا ہے کہ ان آیات کا یہ مفہوم بالکل بھی نہیں ہے کہ ان آیات میں ہر ظالم کے ساتھ قتال کا حکمدیا گیا ہے۔

(وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا)

(الحجرات:۹)

امام صاحب اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جن دو گروہوں کی لڑائی ہوئی ہے' ان میں سے بھیتو کوئی ایک ظلم و زیادتی کر رہا تھا لیکن اس سے بوجوہ ابتداء قتال کا حکمنہیں دیا اور فرمایا کہ ان کے مابین صلح کروا دو۔ امام صاحب اس سے دلیلپکڑتے ہیں کہ ہر ظالم' کہ جس کا ظلم اجتماعی بھی ہو' اس سے قتال کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ مختلف حالات کے تحت مختلف حکم ہو گا۔ ظالم حکمران سے قتالکی صورت میں جو ظلم پیدا ہو گا' اس کے بارے میں امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یہ اس ظالم حکمران کے ابتدائی ظلم سے بڑھ کر ہو گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں:

''ولهذا كان المشهور من مذهب أهل السنة أنهم لا يرون الخروج علياالأئمة وقتالهم بالسيف وان كان فيهم ظلم كما دلت على ذلك الأحاديثالصحيحةالمستفيضةعن
لنبيﷺلأنالفسادفيالقتالوالفتنةأعظممنالفساد الحاصل بظلمهم بدون قتال ولا فتنة فلايدفع أعظم الفسادين بالتزامأدناهما ولعله لا يكاد يعرف طائفة خرجت على ذى سلطان الا وكان فى خروجهامن الفساد أكثر من الذى فى ازالته والله تعالى لميأمر بقتال كل ظالموكل باغ كيفما كان و الا أمر بقتال الباغين ابتداء بل قال (وان طائفتانمن المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الأخرى فقاتلواالتى تبغى حتى تفىء الى أمر الله فان فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل) فلميأمر بقتال الباغية ابتداء فكيف يأمر بقتال ولاة الأمر ابتداء...فقدأخبر النبيﷺأنالأمراءيظلمونويفعلونأمورامنكرةومعهذافأمرناأن نؤتيهم الحق الذى لهم ونسأل الله الحق الذى لنا ولم يأذن فى أخذالحق بالقتال ولم يرخص فى ترك الحق الذى لهم."

(منهاج السنة النبوية : جلد۳ص ۲۳۰ تا۲۳۱'مؤسسة قرطبة)

"اسی وجہ سے اہل سنت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ حکمرانوں کے خلافخروج اور ان کے ساتھ تلوار سے قتال کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اگرچہ وہ حکمرانظالم ہی کیوں نہ ہو' جیساکہ اس مسئلے میں صحیح اور معروف روایات آپ ﷺ سے مروی ہیں۔ کیونکہ حکمرانوں سے قتال اور اس سے پیدا ہونے والے فتنے کے حالاتمیں جو فساد حاصل ہوتاہے وہبغیر قتال وفتنے کے حالات میں حکمرانوں کے ظلم وستم سے حاصل ہونے والے فساد سے بڑھ کر

ہے۔ پس دو فسادوں میں سے اَدنیفساد کو اختیار کرتے ہوئے بڑے فساد کو دور کیا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ (تاریخ اسلامی میں) جس گروہ نے بھی کسی حکمران کے خلاف خروج کیاہے تو اس کے خروج سے اس سے بڑھ کر فساد پیدا ہوا ہے جو کہ اس حکمران کیموجودگی میں تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے ہر ظالم اور باغی سے ہر حالمیں قتال کا حکم نہیں دیاہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے باغیوں سے بھی ابتداقتال کا حکم نہیں دیاہے بلکہ یہ کہاہے: اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑپڑیں تو ان کے مابین صلح کرواؤ۔ پس اگر ان میں سے کوئی ایکدوسرے پر پھر بھی ظلم کرے تو اس سے قتال کرو جو ظلم کرتا ہے یہاں تک کہ وہاللہ کے حکم (یعنی صلح) کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ دوسرا گروہ واپس لوٹ آئے تو ان دونوں کے مابین عدل کے ساتھ صلح کروادو۔ پس اللہ تعالی نے باغی گروہسے بھی ابتداء قتال کا حکم نہیں دیا تو حکمرانوں سے ابتداء ہی قتال کا حکمکیسے ہو گا؟... آپ ﷺ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ حکمران ظلم کریں گے اور کچھمنکرات کا ارتکاب کریں گے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہہم ان حکمرانوں کو ان کا حق دیں اور اللہ سے اپنے حق کا سوال کریں۔ اور آپ ﷺ نے ہمیں حکمرانوں سے اپنا حق لینے کے لیے قتال کا حکم نہیں دیا اور نہ ہیہمیں یہ رخصت دی ہے کہ ہم حکمرانوں کو ان کا حق نہ دیں۔ "

امام صاحب اس مسئلے میں صرف فکری بحث نہیں کرتے بلکہ وہ تاریخ اسلام کے حوالے دے دے کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس امت میں فاسق و ظالم حکمرانوں کے خلاف جتنے بھی خروج ہوئے ہیں' ان سے ظلم ختم نہیں ہوا بلکہ بڑھا ہی ہے۔وہفرماتے ہیں کہ حضرت عثمان' حضرت علی ' حضرت عائشہ ' حضرت طلحہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اور بنواُمیہ کے زمانے میں مسلمانوں میں خروج کے نتیجے میں جو باہمی قتل و غارت ہوئی ہے' مسلمان اس کے بارے میں یہ تمنا رکھتے ہیں کہ کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔ باوجودیکہ یہ تمام صحابہ رضی اللہعنہم جنتی ہیں اور اپنے مابعد کے زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے باہمی جنگ و جدال کو کسی نے بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔یہی معاملہ صحابہ کے ما بعد آنے والے زمانوں کا بھی ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں:

"وقل من خرج على امام ذى سلطان الا كان ما تولد على فعله من الشر أعظمما تولد من الخير كالذين خرجوا على يزيد بالمدينة وكابن الأشعث الذى خرجعلى عبد الملک بالعراق وكابن المهلب الذى خرج على ابنه بخراسان وكأبيمسلم صاحب الدعوة الذى خرج عليهم بخراسان أيضا وكالذين خرجواعلى المنصوربالمدينة و البصرة وأمثال هؤلاء وغاية هؤلاء ما أن يغلبوا و ما أنيغلبوا ثم يزول ملكهم فلا يكون لهم عاقبة فان عبد الله بن على و أبا مسلمهما اللذان قتلا خلقا كثيرا وكلاهما قتله أبو جعفر المنصور وأما أهلالحرة وابن الأشعث وابن المهلب وغيرهم فهزموا و هزم

أصحابهم فلا أقاموادينا ولا أبقوا دنيا والله تعالى لا يأمر بأمر لا يحصل به صلاح الدينولا صلاح الدنيا وان كان فاعل ذلک من أولياء الله المتقين ومن أهل الجنةفليسوا أفضل من علی وعائشة وطلحة والزبير وغيرهم ومع هذا لم يحمدوا مافعلوه من القتال وهم أعظم قدرا عند الله وأحسن نية من غيرهم وكذلک أهلالحرة كان فيهم من أهل العلم والدين خلق وكذلک أصحاب ابن الأشعث كانفيهم خلق من أهل العلم والدين والله يغفر لهم كلهم."

(منهاج السنة النبوية : جلد ۴،'مؤسسة قرطبة)

"اور جس نے بھی کسی صاحب اختیار حکمران کے خلاف خروج کیا تو اس کے خروج سے پیدا ہونے والا شر 'اس سے پیدا ہونے والے خیر سے بہت بڑھ کر تھا جیسا کہ وہ لوگ، جنہوں نے مدینہ میں یزید کے خلاف خروج کیا اور اسی طرح ابن اشعث، کہ جنہوں نے عراق میں مروان بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا اور اسیطرح ابن مھلب کہ جس نے خراسان میں اپنے ہی بیٹے کے خلاف خروج کیا اور اسی طرح أبو مسلم کہ جس نے خراسان میں حکمرانوں کے خلاف خروج کیا اور وہ لوگکہ جنہوں نے مدینہ و بصرہ میں أبو جعفر منصور کے خلاف خروج کیا اور اس طرحکے اور لوگ بھی تھے۔ ان سب کے خروج کا نتیجہ یا تو یہ تھا کہ یہ لوگمغلوب ہوگئے یا پھر وقتی طور پر غالب آ گئے لیکن جلد ہی ان کی حکمرانی ختم بھی ہو گئی۔ پس اس اعتبار سے

ان کا انجام کچھ بھی نہ تھا۔ عبد اللہ بنعلی اور اَبو مسلم نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا اور اندونوں کو اَبو جعفر منصور نے قتل کر دیا۔ جہاں تک اہل مدینہ یاابن اَشعث یاابن مہلب وغیرہ کا معاملہ ہے تو انہوں نے اور ان کے پیروکاروں نے شکست کھائی۔ یہ لوگ نہ تو دین کو قائم کر سکے اور نہ ہی اپنی دنیا کو بچاسکے۔ اللہ سبحانہ و تعالی کبھی بھی ایسے کام کا حکم نہیں دیتے کہ جس میں نہتو دین کی اصلاح ہو اور نہ ہی دنیا کی' چاہے ایسا کرنے والے اللہ کے ولی 'جنتی اور متقی ہی کیوں نہ ہوں۔ پس یہ (خروج کرنے والے) حضرت علی' عائشہ 'طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے زیادہ اَفضل نہیں ہو سکتے اور ان لوگوں کے جنتی' متقی اور ولی اللہ ہونے کے باوجود ان کے باہمی قتال کی تعریف نہیں کیگئی حالانکہ یہ صحابہ کرام اللہ کے ہاں بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور ان کی نیتیںبھی دوسروں کی نسبت زیادہ خالص تھی۔ اسی طرح اہل مدینہ کے خروج اور ابناَشعث کے اَصحاب میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اَصحاب علم و فضل میں سے تھے اور دین و اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز تھے (لیکن جب ان صحابہ اوراَئمہ سلف کا باہمی قتال اہل سنت کے ہاں قابل تعریف نہیں ہے تو بعد کے زمانوں میں یہ کیسے قابل تعریف ہو سکتا ہے ؟) اللہ سبحانہ و تعالی ان سب سے در گزر فرمائے۔ "

خروج کی قدرت و اختیار ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ کوئی ایک عالم دین '
مذہبیلیڈر یا جماعت کرے گی تو سوائے فتنہ و فساد کے کچھ بر آمد نہ ہو گا اور یہ خروج
جائز بھی نہ ہو گا کیونکہ اس مسئلے کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعیت سے ہے۔ جب ایک خطے
کے تمام مسلمانوں اور مکاتب فکر کے پیروکاروں کو باہمی جنگ وجدال کا حصہ بنانا ہے تو
کسی ایک عالم دین یا مذہبی لیڈر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے کسی اجتہاد کی بنیاد پر ظالم
حکمران کے خلاف خروج کرے اور پورے خطے کے مسلمانوں کو باہمی قتل و غارت کا
شکار کر دے۔ اور بالفرض اگر کوئی ایک عالم دین یا گروہ ایسا کرے گا تو اسے حکومت کی
مخالفت کے ساتھدیگر مذہبی جماعتوں، دینی تحریکوں اور مخالف مکاتب فکر کے
پیروکاروں کیمخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ مثلاً اگر دیوبندی مکتب فکر سے
تعلقرکھنے والا کوئی جہادی گروہ اس خروج کو واجب سمجھتا ہے اور بریلوی اور اہلحدیث
علماء اس خروج کے خلاف ہیں تو یہ دیوبندی جہادی گروہ بریلوی یا اہلحدیث عوام پر بھی
اپنی اور حکومت کی باہمی جنگ کو مسلط کرنے کا باعث بنے گا۔ لہذا اس صورت میں اس
گروہ کو پاکستان کے مذہبی حلقے میں ہی شدید رد عمل کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کا بھی
امکان ہے کہ اس دیوبندی گروہ کو حکومت وقت سے جنگ لڑنے سے پہلے اپنے ہی
مذہبی بھائیوں سے ایک جنگ لڑنی پڑے اور یہ ملک مذہبی فرقہ واریت اور خانہ جنگی کا
شکار ہو جائے۔

پس اگر بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث علماء اور مذہبی، دعوتی، تحریکی و انقلابی جماعتوں کی قیادت بالاتفاق یہ اجماعی فیصلہکر لیتی ہے کہ موجودہ ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنا چاہیے اور ان حکمرانوں کا فسق وفجور اور ظلم کفر کی سرحدوں کو پار کر چکا ہے اور اس کیاہلیت وقدرت بھی ان کے متبعین میں موجود ہے تو اس اجتماعی مذہبی قیادت میں یہ خروج جائز ہوگا۔ واللہ اَعلم بالصواب

تاتاری قانون الیاسق اور موجودہ وضعی قوانین:

ہمارے ہاں عمومی طور تکفیر کرنے والے حضرات تاتاری قانون ''الیاسق'' نامی مجموعہ قوانین کو بنیاد بناتے ہیں معاصر حکمرانوں اور اس سے متعلقہ اداروں کو کافر مرتد قرار دیتے ہیں اور بطور دلیل امام ابن کثیر اور ابن تیمیہ علیہما الرحمہ کا حوالہ ذکر کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام ابن کثیر اورامام ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے 'الیاسق' نامی مجموعہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے تاتاریوں کو کافر قرار دیا ہے لیکن ان کی تکفیر کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے مجموعہ قوانین کو شرعی قوانین کے برابر حیثیت دیتے تھے اور یہ اعتقادی کفر ہے اور کسی بھی انسانی قانون کو شرعی قانون کے برابر قرار دینا صریح کفر ہے جیسا کہ سلفی علماء کے حوالے سے ہم یہ بحث پہلے نقل کر

چکے ہیں ۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسلام قبول کرنے والے تاتاریوں کے عقائد کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال أكبر مقدميهم الذين قدموا الى الشام وهو يخاطب رسل المسلمين ويتقرب اليهم بأنامسلمون فقال : هذان آيتان عظيمتان جاء ا من عند الله محمد وجنكيز خان فهذا غاية ما يتقرب به أكبر مقدميهم الى المسلمين أن يسوى بين رسول الله أكرم الخلق عليه وسيد ولد آدم وخاتم المرسلين وبين ملك كافر مشرک من أعظم المشركين كفرا وفسادا وعدوانا من جنس بخت نصر وأمثاله وذلک أن اعتقاد هؤلاء التتار كان فی جنكيز خان عظيما فانهم يعتقدون أنه ابن الله من جنس ما يعتقده النصارى فی المسيح ويقولون ان الشمس حبلت أمه وأنها كانت فی خيمة فنزلت الشمس من كوة الخيمة فدخلت فيها حتى حبلت ومعلوم عند كل ذی دين أن هذا كذب ... وهم مع هذا يجعلونه أعظم رسول عند الله فی تعظيم ما سنه لهم وشرعه بظنه وهو حتى يقولوا لماعندهم من المال هذا رزق جنكيز خان ويشكرونه على أكلهم و شربهم وهم يستحلون قتل من عادى ما سنه لهم هذا الكافر الملعون المعادی لله ولأنبيائه ورسوله وعباده المؤمنين فهذا وأمثاله من مقدميهم كان غايته بعد الاسلام أن يجعل محمدا بمنزلة هذا الملعون."**(مجموع الفتاوى :جلد ۳،ص۵۴۲)**

"ان اسلام کے مدعی تاتاریوں میں سے جو لوگ شام آئے۔ ان میں سب سے بڑے تار تاری نے مسلمانوں کے پیام بروں سے خطاب کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو مسلمان اور ان کے قریب ثابت کرتے ہوئے کہا: یہ دو عظیم نشانیاں ہیں جو اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ ان میں سے ایک محمد عربی ہیں اور دوسرا چنگیز خان ہے۔ پس یہ ان کا وہ انتہائی عقیدہ ہے جس کے

ذریعے وہ مسلمانوں کا قرب تلاش کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول جو مخلوق میں سے سب سے بزرگ' اولاد آدم کے سردار اور نبیوں کی مہر ہیں' انہیں اور ایک کافر اور مشرکین میں سب سے بڑھ کر مشرک' فسادی' ظالم اور بخت نصر کی نسل کو برابر قرار دیا؟۔ ان تاتاریوں کا چنگیز خان کے بارے عقیدہ بہت ہی گمراہ کن تھا۔ ان نام نہاد مسلمان تاتاریوں کا تو یہ عقیدہ تھا کہ چنگیز خان اللہ کا بیٹا ہے اور یہ عقیدہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت مسیح کے بارے عقیدہ تھا۔ یہ تاتاری کہتے ہیں کہ چنگیز خان کی ماں سورج سے حاملہ ہوئی تھی۔ وہ ایک خیمہ میں تھی جب سورج خیمہ کے روشندان سے داخل ہوا اور اس کی ماں میں گھس گیا۔ پس اس طرح اس کی ماں حاملہ ہو گئی۔ ہر صاحب علم یہ بات جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے... اس کے ساتھ ان تاتاریوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ وہ چنگیز خان کو اللہ کا عظیم ترین رسول قرار دیتے ہیں کیونکہ چنگیز خان نے اپنے گمان سے ان کے لیے جو قوانین جاری کیے ہیں یا مقرر کیے ہیں یہ ان قوانین کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ جو ان کے پاس مال ہے' اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ چنگیز خان کا دیا ہوا رزق ہے اور اپنے کھانے اور پینے کے بعد (اللہ کی بجائے) چنگیز خان کا شکر ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ اس مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں جو ان کے ان قوانین کی مخالفت کرتا ہے جو اس کافر ملعون'

اللہ 'انبیاء ورسل 'محمد عربی اور اللہ کے بندوں کے دشمن نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس یہ ان تاتاریوں اور ان کے بڑوں کے عقائد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اسلام لانے کے بعد محمد عربی کو چنگیز خان ملعون کے برابر قرار دیتے ہیں۔"

امام ابن تیمہ رحمہ اللہ کی عبارت پر غور کیجئے۔

1- تاتاریوں کا پہلا کفر کہ وہ چنگیز خان کو رسول اللہ ﷺ کے برابر سمجھتے تھے۔

2- وہ چنگیز خان کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

3- اور اس کے دیے گئے قوانین کی تعظیم کرتے تھے۔

4- مجموعہ قوانین "الیاسق" کا انکار کرنے والے مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے تھے۔

5- کھانے پینے کے بعد چنگیز کا شکر ادا کرتے تھے۔

یہ تمام امور ایسے صریح کفریہ عقائد ہیں جن کے کفر اکبر ہونے میں دو بندوں کا بھی اختلاف ممکن نہیں لہذا "الیاسق" کے مجموعہ قوانین کے بارے تاتاریوں کا جو رویہ اور عقیدہ تھا علماء قائل ہیں۔

یہ تمام امور ایسے صریح کفریہ عقائد ہیں جن کے کفر اکبر ہونے میں دو بندوں کا بھی اختلاف ممکن نہیں لہذا "الیاسق" کے مجموعہ قوانین کے بارے تاتاریوں کا جو

رویہ اور عقیدہ تھا علماء قائل ہیں۔

پس آج بھی کوئی حکمران وضعی مجموعہ قوانین کو منجانب اللہ سمجھے یا اس کو خلاف اسلام کہنے والوں کے خون کو حلال سمجھے یا اس قانون کے واضعین کو اللہ کے رسول ﷺ کے برابر کا درجہ دے تو ان کے کفر میں بھی کوئی شک نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہمارے حکمران عرصہ دراز سے وضعی قوانین کے مرتکب ضرور ہیں یہ یقینا ایک بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ اس کو منجانب اللہ نہیں سمجھتے اور نہ ہی اسے خلاف شریعت سمجھنے والوں کے خون کو حلال سمجھتے اور نہ ہی قانون سازوں کو نبی کریم ﷺ کے برابر کا درجہ دیتے لہذا بغیر کسی کفریہ عقیدہ کے مطلق ان وضعی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے کو کفر اکبر قرار دینے کی کوئی شرعی عقلی، نقلی، یا تاریخی دلیل موجود نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

باب دہم:

سید قطب کا عقیدہ و منہج علما حق کی نظر میں

ابو حذیفہ کاشف حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن اتبع ھداہ، وبعد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لاتطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم "(صحیح البخاری: 3189)

ترجمہ: مجھے میرے درجے سے اس طرح بڑھاچڑھاکر بیان نہ کرنا جیساکہ نصاری نے عیسی علیہ السلام کے ساتھ کیا۔

اس حدیث کے باوجود فی زمانہ کچھ فریب خوردگان افراد اور جماعتیں شخصیت پرستی میں غلو کی حد تک جا پہنچے ہیں، کہ موصوف سید قطب کو(کہ جن کے رد پر یہ کتابچہ ہے) امام دوراں و شہید ملت قرار دے بیٹھے ہیں اور یہ تک نہ سوچا کہ ان کی کتب جیسے: تفسیر فی ظلال القرآن اور العدالتہ الاجتماعیتہ وغیرہ جیسی تصنیفات میں کیسی بھیانک غلطیاں ہیں مثلا ان میں انبیاء کرام علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ عنھم پر زبان طعن دراز کی گئی ہے، اسلامی ممالک، معاشروں اور تنظیموں پر کفر کے فتوے جڑے گئے ہیں، عقیدہ اعتزال(عقل پرستی) اور عقیدہ حلول ووحدت الوجود(تصوف کا کفریہ عقیدہ کہ ہر چیز میں اللہ ہے یا وجود صرف اللہ ہی کا ہے) کی آبیاری کی گئی ہے، پر تشدد ، مظاہروں اور مسلم ممالک میں بغاوت کی تحریکیں پیدا کرنے جیسی قباحتیں موجود ہیں۔

الغرض اس کتاب کا مقصد سید قطب کی تصنیفات میں پائی جانے والی غلطیوں کی نشاندہی کرنا ہے تاکہ اس کے جال میں پھنسنے سے بچا جا سکے۔ المیہ تو یہ ہے کہ یہ تصنیفات دنیا میں پھیل

چکی ہیں، نشر ہو رہی ہیں، تقسیم کی جا رہی ہیں، تعلیمی اداروں میں با قاعدہ نصابی کتب کا حصہ بن چکی ہیں، مگر عام آدمی اس کے بھیانک نتائج سے بے خبر ہے۔

عصر حاضر کی تکفیری تحریکیں انکو اپنا امام گردانتی ہیں اوران تعلیمات کی روشنی میں اپنا منہج باطل ترتیب دیتی ہیں، جسکی واضح مثال ان کی نمائندہ ویب سائٹس جن میں "الموحدین، باب اسلام، انصار مجاہدین وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ حضرات جن حامد کمال الدین صاحب بھی شامل ہیں، سید قطب کو اپنا امام و پیشوا گردانتے ہیں اور ادارہ ایقاظ کے نام سے پاکستان میں سلفی نوجوانوں میں سید قطب اور ان کے بھائی محمد قطب کے باطل و گمراہ کن افکار سے لبریز مواد کو بڑی شان سے پیش کر کے صحیح العقیدہ افراد کو اس بھیانک جال میں پھانس کر منہج سلف سے گمراہ کرنے میں دن رات کھپا رہے ہیں۔

علامہ عبد اللہ الدویش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المورد الزلال" میں سید قطب کی کتابوں پر سیر حاصل اور مفید بحث کی ہے اور ساتھ ہی ان میں موجود غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ان کے علاوہ محترم شیخ ابن عثیمین، ناصر الدین البانی اور عبد الرزاق عفیفی رحمتہ اللہ علیہم وغیرہ جیسے کبار علماء کرام نے بھی فتاوی صادر فرمائے ہیں اور اس خوبصورت فریب سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو ان گندے اور گمراہ کن افکار سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

سید قطب کے اعتقادی انحرافات

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ ومن اتبع ھداہ، وبعد

یہ رسالہ میرے ان تمام بھائیوں کی طرف ہے جو راہ سنت کو اپنانا چاہتے ہیں اور بد عقیدگی و بدعت کی دلدل سے راہ نجات کے متلاشی ہیں۔ یہ بعض اقوال (سید قطب کے اور اس پر علماء کا رد) جو میں نے جمع کئے ہیں تا کہ آپ کو اس مسئلے میں اور اپنے دین کے معاملے میں مکمل بصیرت ہو، تا کہ اس گمراہی سے آلودہ فکری جنگ کا نشانہ نہ بنیں ، جس جنگ سے اخوان المسلمین کے سید قطب جیسے لیڈروں کی کتب بھری پڑی ہیں۔

سماحتہ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمتہ اللہ علیہ (سابق مفتیٔ اعظم سعودی عرب) اپنی وفات سے دو سال قبل یہ فتوی صادر فرما چکے ہیں کہ اخوان المسلمین اور تبلیغی جماعت بہتر (72) ہلاک ہونے والے فرقوں میں داخل ہیں۔

جیسا کہ مشہور و معروف افتراق امت والی حدیث میں مذکور ہے، آپ کا یہ کالم کیسٹ شرح المنتقی سے ماخوذ ہے۔

سید قطب وہ شخصیت ہے کہ جس سے تمام بڑے علماء کرام نے بچنے کی تلقین فرمائی ہے جیسے شیخ ابن باز، ابن عثیمین، صالح الفوزان وغیرہ۔ اس سلسلے میں کیسٹ اقوال العلماء فی مولفات سید قطب (یعنی سید قطب کے مولفات کے متعلق علماء کرام کے اقوال) سننا مفید رہے گا، ناشر: تسجیلات منہاج السنتہ، محلہ السویدی، ریاض۔، سید قطب کی بعض نمایاں بدعات اور عقائد میں انحراف کی مثالیں پیش خدمت ہیں۔

کلام اللہ کی تفسیر موسیقی، نغموں اور ترانوں سے کرنا

سید قطب سورہ نجم کی تفسیر میں اپنی تفسیر "فی ظلال القرآن" (ط25 سن 1417ھ، جلد 6، ص3404) میں لکھتے ہیں:

"یہ سورت عمومی طور پر گویا کہ ایک انتہائی اعلی اور اپنے اندر موسیقیت لئے ہوئے ایک نظم ہے، "جس میں ترنم" بھی ہے، اور یہ ترنم اس کی لفظی بناوٹ میں سما گیا ہے، نیز ہر آیت کے آخر میں متوازن قافیہ، بند و وقفات میں بھی یہ نغمائیت اور ترنم واضح ہے"۔

سورہ نالنازعات کی تفسیر (جلد6، ص3957) مین لکھتے ہیں:

"موسیقیت کے پیرائے میں کھنچا ہے"

" پھر اس کے بعد لکھتے ہیں : " پھر یہ موسیقیائی "ایقاع دھیما پڑتا ہے۔۔۔"

سورہ ولعادیات کی تفسیر (جلد6، ص3967) میں لکھتے ہیں:

"اور موسیقیائی پیرائے میں خشونت، سختی اور ڈانٹ کی جھلک نمایاں ہے"۔

فی ظلال القرآن تفسیر میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں کہ:

داود علیہ الصلوۃ والسلام بادشاہ نبی تھے۔ آپ بعض وقت ملکی امور نپٹانے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے بھی مخصوص فرماتے ہیں، جبکہ دوسرے اوقات خلوت، عبادت اور اپنے ترانے پڑھنے میں لگاتے تھے تاکہ محراب میں اللہ تعالی کی تسبیح بیان کر سکیں"۔

عقیدہ خلق قرآن کا قائل ہونا

قرآن کریم سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے " فی ظلال القرآن (جلد 1، ص38) میں لکھتے ہیں:

"اس اعجاز میں وہی شان ہے جو اللہ تعالی کی تمام مخلوقات میں ہے، اور وہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں موجود شان جیسی ہے، جس طرح یہ لوگوں کی خلقت میں موجود ہے"۔

اسی تفسیر میں ایک اور جگہ (جلد 5، ص2719) حروف مقطعات پر کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"لیکن وہ اس سے اس جیسی کتاب نہیں بنا سکتے، کیونکہ یہ اللہ تعالی کی بنائی ہوئی ہے، انسان کی نہیں"۔

سورہ ص کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"اللہ تعالی اس حرف "ص" کی قسم اٹھا رہا ہے، بالکل اس طرح جس طرح اس نے اس نصیحت وذکر والے قرآن کی قسم اٹھائی ہے۔ اور یہ حرف اللہ تعالی کی بناوٹ میں سے ہے، وہی اس کا موجد (ایجاد کرنے والا) ہے، اسی نے اس کو انسان کے حلق میں آواز بنا کر پیدا فرمایا"۔

شیخ عبد اللہ الدویش رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "المورد الزلال التنبیہ علی اخطاء تفسیر الظلال" ص180 میں اس کلام پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اور ان کا یہ کہنا کہ یہ حرف اللہ تعالی کا بنایا ہوا ہے اور وہی اس کا موجد ہے، یہ معتزلہ اور جہمیہ (جیسے گمراہ فرقوں) کا قول ہے جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔ جہاں تک اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اس نے اسے نازل فرمایا ہے، (اللہ کا کلام اللہ تعالی کی صفت ہے) مخلوق

نہیں ہے"۔

ایک اور جگہ تفسیر "ظلال القرآن" (جلد 4، ص2328) میں سید قطب رقمطراز ہیں:

"بے شک قرآن ایک کائناتی مظہر ہے، جیسا کہ زمین اور آسمان ہیں"۔

سید قطب کا اللہ تعالی کے اولو العزم نبی موسی کلیم اللہ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنا

اپنی تصنیف "التصویر الفنی فی القرآن' ص200 میں لکھتے ہیں:

"مثال کے طور پر ہم موسی علیہ اصلوتہ والسلام (کے کردار) کو لے لیتے ہیں، وہ پر جوش، متعصب مزاج لیڈر کی ایک مثال ہیں"۔ (نعوذ باللہ)

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ اس کلام پر تعلیق فرماتے ہیں کہ:

انبیاء کا مذاق اڑانا ایک مستقل ارتداد ہے۔

(اقتباس از کیسٹ اقوال العلماء فی سید قطب، مکتبہ منہاج السنتہ کی آڈیو ریکاڈنگز، ریاض)

جلیل القدر صحابی رسول وخلیفۂ ثالث ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور مشہور صحابی عمر بن عاص رضی اللہ عنہ پر طعن

"اپنی کتاب" العدالۃ الاجتماعیۃ، ص206 میں لکھتے ہیں:

"اور ہم اس طرف مائل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم) کی خلافت کا ہی ایک تسلسل تھی، جہاں تک عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا تعلق ہے تو وہ ان دونوں کے درمیان ایک دراڑ تھا"۔ (نعوذ باللہ)

اپنی کتاب "کتب و شخصیات" ص242 میں لکھتے ہی:

"معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ پر غالب آنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ان سے زیادہ لوگوں کی نفسیات سے واقف تھے، اور حالات کی مناسبت سے صحیح قدم اٹھانے میں زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے تھے، جبکہ علی رضی اللہ عنہ کو اس جنگ کے وسائل چننے میں ان کو ان کے اعلی اخلاق و کردار نے پابند سلاسل کر رکھا تھا۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جھوٹ، دھوکہ بازی، چالبازی، منافقت، رشوت اور لوگوں کو خریدنے میں تیزی دکھاتے، ایسے وقت میں علی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو اتنا نیچے نہیں گراپاتے چنانچہ کوئی اچنبے کی بات نہیں کہ وہ کامیاب ہوں اور علی رضی اللہ عنہ ناکام ہو جائیں، اور یہ وہ ناکامی ہے جو تمام کامیابیوں سے بڑھ کر ہے"۔

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمتہ اللہ علیہ اس کلام پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" معاویہ اور عمر بن العاص رضی اللہ عنہما کی برائی پر مبنی اس کا یہ کلام قبیح ہے، نہایت ہی

قبیح"۔ اور ان کتب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "انہیں پھاڑ دینا چاہئیے"۔ (کیسٹ: اقوال العلماء فی سید قطب)

صحابیِ رسول ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دینا

وہ صحابیِ رسول ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ابو سفیان رضی اللہ عنہ وہ شخص ہے جس سے اسلام اور مسلمانوں کو جو تکلیفیں اور ازیتیں پہنچیں اس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور اس نے اس وقت اسلام قبول کیا جب اسلام اپنی فیصلہ کن فتح کے جھنڈے گاڑ چکا تھا، چنانچہ محض ہونٹ اور زبان کا اسلام تھا، قلب (دل) ووجدان کا نہیں، اسلام اس شخص کے دل میں راسخ نہ ہوا"۔ (اخبار: المسلمون، شمارہ 3 سال 1371ھ)

وحدت الوجود کا اثبات

فی ظلال القرآن (جلد 6، ص 4002) سورہ اخلاص کی تفسیر میں رقمطراز ہیں

"یہ وجود کا ایک ہونا ہے۔ حقیقت صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اس کی حقیقت، اور حقیقت میں وجود بھی صرف اسی (اللہ) کا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی وجود ہے وہ اپنا وجود اس حقیقی وجود سے لیتا ہے۔ اپنی حقیقت اس ذاتی حقیقت سے مستمد کرتا ہے۔ اس طرح یہ فعل انجام دینے کی حدیث (ایک ہونا) ہوئی، چنانچہ اس وجود میں اس کے علاوہ کوئی کسی چیز کا کرنے والا نہیں ہے، اور نہ ہی کسی چیز میں کرنے والا ہے، اور یہ عقیدہ ضمیر میں پنہاں ہے اور وجود کی تفسیر بھی ہے"۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ مجلتہ الدعوۃ (عربی) شمارہ: 1591، 1418/1/9ھ میں تفسیر ظلال القرآن کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "میں نے سید قطب کی سورہ اخلاص کی تفسیر پڑھی، اس نے اس میں بہت بڑی بات کہی ہے، جو اہل سنت والجماعت کے منہج کے مخالف ہے کیونکہ اس کی تفسیر یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ وحدت الوجود کا قائل ہے۔ اسی طرح اس کی استواء (اللہ تعالی کے مخلوق سے بلند اپنے عرش عظیم پر ہونے) کی تفسیر (گمراہ فرقوں جیسے معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ وغیرہ جو اللہ تعالی کی صفات کی سلف صالحین کے مذہب کے برخلاف تاویلات کرتے ہیں) استویٰ (قبضہ یا غلبہ) سے کی ہے"۔

استواء کی تفسیر قبضے اور غلبے سے کرنا

سورہ طہ میں آیت 5 (الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى) (وہ رحمن ہے جو عرش پر بلند ہوا) کی تفسیر (جلد 4، ص 2328) میں لکھتے ہیں:

" اور تمام کائنات پر اسی کا قبضہ ہے (عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى) استواء علی العرش حد درجہ غلبے اور قبضے سے متعلق کنایہ ہے"۔

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ اس کی اس بات پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس کا مطلب تو استواء جس کا صحیح معنی ہے عرش پر بلند ہونا کا انکار کرنا ہوا، اور یہ باطل

ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بیچارہ تفسیر میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہے"۔ (کیسٹ: اقوال العلماء فی سید قطب)

"ظلال القرآن" (جلد6، ص3932) میں لکھتے ہیں

"اللہ جل جلالہ، عظیم، جبار، قہار، متکبر، تمام کائنات کا مالک، اس نے بلندی میں انعام کیا اور متوجہ ہوا اس مخلوق کی طرف جس کا نام انسان تھا"۔

عقیدے کے باب میں صحیح احادیث کو انکار کرنا

"ظلال القرآن" (جلد6، ص4008) میں کہتے ہیں

"عقیدہ کے باب میں حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور قرآن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے"۔

جبکہ عقیدہ و عمل میں صحیح احادیث رسول قطعی حجت ہیں یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں شیخ البانی رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ "احادیث عقیدہ و عمل میں حجت ہیں"۔

اسلامی معاشروں کو غیر اسلامی قرار دینا اور مسلمانوں کے وجود کا انکار

"ظلال القرآن" (جلد 4، 2122) میں لکھتے ہیں

"آج روئے زمین پر کوئی ایسی مسلمان حکومت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا معاشرہ ہے جس میں معاملات کی بنیاد شریعت الھیہ اور اسلامی فقہ پر رکھی گئی ہو"۔

(اس کا مطلب یہ ہوا کہ مملکت حرمین شریفین جو کہ شریعت اسلامیہ کی تطبیق پر عمل پیرا ہے وہ بھی ان کی نظر میں اسلامی حکومت نہیں)

بالکل یہی بات ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی اپنی بہت سی تقاریر و تحریروں میں دہراتے رہتے تھے۔

"ظلال القرآن" (جلد 3، ص 1634) میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"بلاشبہ آج مسلمان جہاد نہیں کر رہے ہیں، کیونکہ مسلمان آجکل موجود ہی نہیں ہیں! اسلام اور مسلمان کے وجود کا مسئلہ ہی آج حل کا محتاج ہے"۔

ایک اور جگہ پر "ظلال القرآن" (جلد 2، ص 1057) میں لکھتے ہیں:

"زمانہ بالکل اپنی اس شکل پر گھوم چکا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جب یہ دین "لاالہ الااللہ" لے کر آیا، آج انسانیت بندوں کی عبادت اور ظالمانہ ادیان کی طرف مڑ چکی ہے، اور "لاالہ الااللہ" سے ہٹ چکی ہے، اگرچہ بعض لوگ اب بھی میناروں پر "لاالہ الااللہ" دہرا رہے ہیں۔۔۔"

دوسری جگہ "ظلال القرآن" (جلد 4، ص 2009) میں لکھتے ہیں:

"یہ جاہلانہ معاشرہ جس میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے"۔

سید قطب کا توحید ربوبیت کو اصل اختلافی مسئلہ قرار دینا

"ظلال القرآن" (جلد 4، 1846) سورۃ ھود کی تفسیر میں کہتے ہیں

"توحید الوہیت کا مسئلہ اختلافی نہیں تھا ! بلکہ مسئلہ ربوبیت وہ مسئلہ تھا جس کے ساتھ انبیاء ورسل کو ہر زمان ومکان میں جنگ کا سامنا رہا! اور یہی وہ مسئلہ تھا جس کا اخری رسول نے سامنا کیا"۔

حالانکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ) (سورہ انبیاء، آیت نمبر 25) (ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے اس کی طرف یہی وحی فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو میری ہی عبادت کرنا) اور (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔۔۔۔۔۔)

(سورہ النحل، آیت نمبر 36) اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے سب سے پہلے یہی دعوت دی) کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (غیر اللہ) کی عبادت سے بچو) اور یہی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دیا گیا جس پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا: "قولو الا الہ الا اللہ تفلحوا۔۔۔۔۔۔" (اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں کہو اور کامیاب ہو جاوگے)

سید قطب کی نظر میں اسلام عیسائیت اور کمیونزم کا مرکب ہے

اپنی تصنیف "المعرکہ" ص 61 میں کہتے ہیں:

" اسلام کے لئے حکام ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ وہ واحد مثبت وانشائی عقیدہ ہے جو عیسائیت اور کمیونزم دونوں میں سے مکمل مرکب تیار کرتا ہے۔ ان دونوں کے اہداف اپنے اندر رکھتا ہے، اور توازن، تنظیم اور اعتدال میں ان سے بڑھ کر ہے"۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمتہ اللہ علیہ سے اس کلام کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہم اسے کہتے ہیں کہ: "عیسائیت ایک بدلا ہوا دین ہے جسے اس کے علماء ودرویشوں نے تبدیل کیا، اور کمیونزم ایک باطل نظام ہے، جس کی آسمانی ادیان میں کوئی اصل نہیں ملتی۔ جبکہ دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو کہ تبدیل نہیں ہوا، وللہ الحمد، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ﴿سورہ الحجر، آیت نمبر ۹﴾

﴿بے شک ہم ہی نے یہ ذکر نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں﴾

سید قطب کی آزادانہ روش

کتب احادیث کا تضحیک کرنا اور انہیں پیلی (فضول) کتابوں سے تعبیر کرنا

اپنی کتاب "معرکہ اسلام اور سرمایہ داری" ص 64 میں کہتے ہیں:

" اور ان تمام شبہات کو دور کرنے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ اسلام کے تاریخی اور اجتماعی حقائق کی صحیح معرفت حاصل کی جاتی یعنی نسل حقیقی، اپنے لائق۔۔۔جی ہاں اپنے لائق۔۔۔ تہذیب و ثقافت سے آراستہ ہوتی اور یہ تہذیب و ثقافت اتنی مشکل نہیں جتنا لوگ اسے سمجھتے ہیں، جب وہ زرد کتابوں (احادیث کی کتب) کا تصور کرتے ہوئے اسے نا قابل تسخیر مہم سمجھنے لگتے ہیں"۔

سید قطب کی اشتراکیت

کتاب "معرکہ اسلام اور سرمایہ داری" ص 39 تا 40 میں کہتے ہیں:

" بلکہ حکومت کے اختیار میں ہے کہ وہ تمام ملکیتیں اور اموال اپنے قبضے میں لے لے، اور پھر نئے سرے سے اس کی تقسیم کرے، اگرچہ ان ملکیتوں کی بنیادیں اسلامی ہوں، اور ان کی ترقی میں جائزوسائل استعمال ہوئے ہوں۔ کیونکہ سارے معاشرے سے آفت کو بچانا یا متوقع نقصانات سے بچنے کے لئے ملکیتوں کو قبضے میں لینا افراد کے حقوق سے زیادہ خیال رکھے جانے کا مستحق ہے"۔ (میں کہتا ہوں یہ عین اشتراکیت ہے)

بغاوت کی تحریکیں چلانے کی حمایت کرنا

عدالتہ الاجتماعیتہ، ص160 میں کہتے ہیں:

"اور آخر میں تحریک عثمان پر دھاوابول دیا، اور حق وباطل، خیر وشر آپس میں گڈ مڈ ہو گئے، لیکن جو شخص معاملات کو اسلام کی نظروں سے دیکھے اور معاملات کو روح اسلامی سے محسوس کرے وہ ضرور یہی کہے گا کہ یہ تحریک روح کا ایک انقلاب تھی"۔

سید قطب کے نزدیک عبادت زندگی بھر کا کام نہیں ہے

"معرکئہ اسلام اور سرمایہ داری" ص56 میں رقمطراز ہے:

"اور اسلام دین کے نام پر رہبانیت کا دشمن ہے، عبادت کوئی زندگی بھر کا کام نہیں، اس کا صرف ایک مخصوص وقت ہے"۔

"گھر کا بھیدی لنکاڈھائے" اخوان المسلمین کا سید قطب پر رد

سید قطب کے اسلامی معاشرے کو کافر کہنے کی گواہی (مفتی مصر) یوسف قرضاوی (جو خود اخوانی سوچ کا حامل ہے) نے اپنی کتاب "اسلامی تحریک کی اولیات" ص110 میں دی ہے:

"اس مرحلے پر سید قطب کی کتابیں ظاہر ہونا شروع ہوئیں جو ان کی تکفیر کے آخری مرحلے کی غمازی کرتی ہیں، جو اسلامی معاشروں کی تکفیر سے بھری ہوئی ہیں۔۔ نیز تمام لوگوں کے خلاف اعلان جہاد کا اعلان کرنا۔۔۔"

2۔ اخوان المسلمین کا ایک لیڈر فرید عبدالخالق "اخوان المسلمین فی میزان الحق" ص 115 میں لکھتا ہے: " تکفیری فکر کی ابتداء قناطر جیل میں قید اخوان کے بعض نوجوانوں سے پچاسویں دہائی کے آخر میں اور ساٹھویں دہائی کے شروع میں کوئی۔ یہ لوگ سید قطب کی فکری اور ان کی تالیفات سے متاثر تھے۔ انہوں نے ان کتب سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معاشرہ اس وقت (قبل ازاسلام) عہد جاہلیت میں ہے اور اس کے حکمران کافر ہو چکے ہیں، جنہوں نے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلے نہ کر کے اس کے حکم کو ناپسندیدہ جانا اور اگر محکومین اس سے راضی ہیں تو یہی حکم محکومین کا ہے"۔

3۔ اسی طرح علی عشماوی نے اپنی "التاریخ السری للاخوان المسلمین" ص 80 پر زکر کیا ہے: "میرے پاس اخوان کا ایک رکن آیا اور مجھے کہنے لگا کہ وہ عنقریب مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا چھوڑدے گا۔ میں سید قطب کے پاس گیا اور ان سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے مجھ سے کہا انہیں اسے کھانے دو، اہل کتاب کا ذبیحہ سمجھ لیں، کم از کم مسلمان اس وقت اہل کتاب تو ہیں!"۔

اسی کتاب ص 112 میں علی عشماوی سید قطب سے اپنی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اور پھر جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا میں نے سید قطب سے کہا: چلو چھوڑو، اٹھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں، اور یہ بڑی چونکا دینے والی بات تھی کہ مجھے یہ پتہ چلا کہ وہ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ سقوط خلافت سے جمعہ بھی ساقط ہو جاتا ہے اور جمعہ صرف اسلامی خلافت میں ہی فرض ہوتا ہے"۔

پس اے نوجوان بھائیو! بچو اس التکفیر والتفجیر (کافر قرار دینا اور دھماکے اور خودکش حملے کرنا) کے خطرناک نظریہ سے، اور اللہ تعالی کا یہ فرمان یاد کرو:

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا) ﴿سورہ النساء، ۱۰۹﴾

(یہ تم ہی لوگ ہو کہ ان کی طرف سے دنیوی زندگی میں تو جھگڑا کر لیتے ہو، مگر کل قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جھگڑا کرے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا)

عصر حاضر کی تکفیری تحریکوں کے امام اور بانی

یہ بات ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مصر میں تکفیر کی تحریک کا آغاز اخوانی تحریک کے رہنما سید قطب کی تحریروں سے ہوا۔ جس کے بعد اس زہریلی فکر نے رفتہ رفتہ پورے عالم اسلام کو نگلنا شروع کر دیا، اس بارے میں خود اخوانی مصری عالم یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

"فی هذة المرحلة ظهرت کتب الشهيد سيد قطب ' التی تمثل المرحلة الأخيرة من تفكيره' والتی تنضح بتكفير المجتمع' وتأجيل الدعوة الى النظام الاسلامی بفكرة تجديد الفقه وتطويره' واحياء الاجتهاد' وتدعوا الى العزلة الشعورية عن المجتمع' وقطع العلاقة مع الآخرين... ويتجلى ذلک أوضح ما يكون فی تفسير 'فی ظلال القرآن' فی طبعته الثانية وفی 'معالم الطريق' ومعظمه مقتبس من الظلال." (أولیات الحرکة السلامیة: ص ۱۱۰)

"اس مرحلے میں سید قطب کی وہ کتابیں سامنے آئیں، جو سید قطب کے فکر کے آخری مرحلے کی نمائندگی کر رہی تھیں اور ان کتابوں میں اسلامی معاشروں تکفیر، نظام اسلامی کے قیام کی دعوت کو مؤخر کرنا اور فقہ اسلامی کی تجدید، تشکیل اور اجتہاد کے احیاء کی دعوت کو مقدم کرنا مترشح ہوتا ہے۔ اسی طرح سید قطب کی یہ کتابیں اسلامی معاشروں سے

شعوری علیحدگی اور اپنے کے علاوہ سے قطع تعلقی کی دعوت دیتی ہیں... اور یہ تمام افکار ان کی تفسیر 'فی ظلال القرآن' کے دوسرے ایڈیشن میں وضاحت سے موجود ہیں اور ان کی کتاب 'معالم الطریق' میں بھی ہیں اور اس کتاب کا اکثر حصہ ان کی تفسیر فی ظلال القرآن ہی پر مشتمل ہے۔"

شیخ ابو حسام الدین طرفاوی نے بھی اپنی کتاب 'الغلو فی التکفیر' میں تکفیری فکر اور تحریک کی بنیاد سید قطب کو قرار دیا ہے.

سید قطب کبار علماء حقہ کی نظر میں

جہاں تک سعودی سلفی علماء کا سید قطب کے بارے رائے کا معاملہ تو اکثر کبار سلفی علماء سید قطب کو جلیل القدر صحابہ کرام پر طعن، انبیاء کے لیے غیر مناسب کلمات کے استعمالات، وحدت الوجود کے قائل ہونے، حلول کے عقیدے کے مطابق قرآنی آیات کی تفسیر کرنے، صفات باری تعالی میں تحریف، مسلمان معاشروں کی تکفیر، مسئلہ جبر میں جبریہ کی تقلید، کلمہ توحید کی غلط تفسیر، عقیدے میں خبر واحد بلکہ خبر متواتر کا بھی انکار، قرآن کو اللہ کی مخلوق قرار دینا، میزان کا انکار، اشتراکیت کا قائل ہونے، روح کو ازلی قرار دینے، بتوں اور قبر پرستی کے شرک کو شرک اکبر نہ سمجھنا، رؤیت باری تعالی، صفت ید، صفت وجہ اور استواء علی العرش کی باطل تاویلات پیش کرنا، صفت کلام سے مراد اللہ کا ارادہ لینا، نبوی معجزات کی توہین اور عقیدہ الولاء والبراء میں غلو سے متہم کرتے ہوئے گمراہ اور بدعتی شمار کرتے ہیں۔

شیخ بن باز رحمہ اللہ نے **سید قطب** کے صحابہ کے بارے طعن کو سن کر کہا:

یہ خبیث کلام ہے اور سید قطب کی ایسی کتابوں کو پھاڑ دینا چاہیے۔ انبیا کے بارے سید قطب

کے غیر مناسب کلمات سن کر شیخ بن باز رحمہ اللہ نے ان کے اس فعل کو ارتداد قرار دیا۔اسی طرح استوا علی العرش کے بارے سید قطب کا کلام سن کر شیخ بن باز رحمہ اللہ نے انہیں 'مسکین ضائع فی التفسیر' کا لقب دیا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے سید قطب کے بارے کہا:

انہیں نہ تو دین اسلام کے اصولوں کا علم تھا اور نہ ہی فروعات کا اور وہ دین اسلام سے منحرف تھے۔

شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ نے وحدت الوجود کے بارے سید قطب کا کلام سن کر کہا:

سید قطب نے بہت بڑی بات کی ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کی مخالفت ہے۔

اسی طرح شیخ نے ایک دوسرے مقام پر سید قطب کی تفسیر کے بارے کلام کرتے ہوئے کہا: ان کی تفسیر کو پڑھنے کی نصیحت نہیں کی جاسکتی۔

شیخ حماد انصاری نے کہا:

اگر سید قطب زندہ رہتے تو ان سے توبہ کروائی جاتی اور اگر وہ توبہ نہ کرتے تو ان کو ارتداد کی حد میں قتل کر دیا جاتا۔

شیخ صالح الفوزان نے کہا:

سید قطب کو عالم کہنا جائز نہیں ہے' وہ صرف ایک مفکر ہیں اور اگر سید قطب کی جہالت مانع نہ ہوتی تو ہم ان کے الحادی کلام کی وجہ سے ان کی تکفیر کرتے۔

شیخ صالح اللحیدان نے کہا:

ان کی کتابیں اہل سنت کے عقیدے کے مخالف مواد سے بھری پڑی ہیں اور سید قطب عالم دین نہیں تھے۔

شیخ عبد اللہ الدویش نے سید قطب کی تفسیر میں ان کے بعض اقوال کے بارے فرمایا:

یہ اہل اتحاد ملحدین کا قول ہے جن کا کفر یہود و نصاری کے کفر سے بڑھ کر ہے۔ علمائے ازہر نے سید قطب شہید کی کتاب 'معالم فی الطریق' سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔

سعودی علما میں سے شیخ ربیع المدخلی' شیخ ابن غدیان' شیخ محسن العباد' شیخ صالح آل الشیخ اور شیخ عبد اللہ عزام وغیرہ نے بھی سید قطب کے افکار و نظریات پر نقد کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

http://www.fatwa1.com/anti-erhab/Qutb/index.html

http://www.4non.net/showthread.php?p=92848

سید قطب کے عقیدے اور منہج کو بدعتی قرار دینے پر سعودی عرب کی فتوی کمیٹی اور ہیئۃ کبار العلماء کے رکن شیخ صالح الفوزان کا رسالہ 'براء ۃ علماء الأمة من تزكية أهل البدعة والمذمة' کے نام سے موجود ہے۔

علاوہ ازیں معروف سعودی عالم شیخ عبد اللہ الدویش کی بھی سید قطب کے رد میں کافی تحریریں موجود ہیں جن میں سے 'المورد العذب الزلال فی التنبیہ

على أخطأ الظلال'ایک اہم تحریر ہے۔

شیخ ابو عبد الرحمن الراجحی نے سید قطب کے عقائد کے رد میں ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا جو عرب دنیا میں بہت معروف ہوا یہ قصیدہ 'الھائیۃ فی بیان عقیدۃ سید قطب البدعیۃ' کے نام سے مشہور ہے۔

سید قطب فقط ایک مفکر اور ادیب تھا لیکن اسے ایک فقیہ یا مجتہد کے مقام پر فائز کرنا یا عقیدہ جیسے محتاط علم میں اس کو رہنما بنانا خود اس کے ساتھ بھی زیادتی ہے اور عوام الناس کے ساتھ بھی۔

حرف آخر

اے اہل توحید و سنت! اللہ تعالی سے ڈرو اور سلف صالحین کے عقیدے کو بلند کر کے، بدعت اور اس کے داعیان سے بچو تم کامیاب ہو جاوگے۔

آخر میں عرض ہے کہ یہ ان بدعات اور خرافات کی چند مثالیں ہیں جو اس شخص کی کتابوں میں موجود ہیں، حالانکہ اس کی آفتیں اتنی زیادہ ہیں کہ انہیں اس چھوٹے سے رسالے میں نہیں سمویا جاسکتا۔۔ واللہ اعلم

وما توفیقی الا باللہ

باب گیارہ: "خلاصہ کلام"

مسئلہ تکفیر پر ایک طائرانہ نظر

(خلاصہ مسئلہ تکفیر)

ابو حذیفہ حفظہ اللہ

مقدمہ:

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان دوسرے کو کافر کہتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا- [صحیح مسلم]

ہمارے معاشرے میں یہ رواج عام ہوتا جارہا ہے کہ بلا سوچے سمجھے ایک طبقہ ہر ایک پہ کفر کے فتوے لگا رہا ہے۔ مسئلہ تکفیر اور اس کے نتیجے میں کسی مسلمان معاشرے میں اٹھنے والے شر اور فتنوں کو سمجھنے کے لیے یہ ایک مختصر کتابچہ مرتب کیا گیا ہے۔ جس میں کوشش کی گئی ہے اس مسئلہ کو قرآن واحادیث کے دلائل اور فہم سلف صالحین کی عبارتوں سے مزین کیا گیا تا کہ کسی بھی انصاف پسند کو اس بارے فیصلہ کرنے میں دشواری نہ ہو کہ اصل مسئلہ کیا ہے اور عصر حاضر میں جاری فتنہ وفساد کی حقیقت کیا ہے۔ سب سے پہلے اس بات کو سمجھایا گیا ہے کی ایک نیک عمل "عمل صالح" کب بنتا ہے اور اسکے بعد مسئلہ تکفیر کو نہایت آسان انداز میں سمجھانے کے لئے چھے ابحاث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

یہ رسالہ چھے ابحاث پر مشتمل ہے۔

1 :تعارف مسئلہ تکفیر　　2:ضوابط تکفیر

3 :مسئلہ تحکیم　　4: مسئلہ الولاءوالبراء

5:مسئلہ خروج　　6:طاغوت

ایک عمل کب عملِ صالح بنتا ہے؟

دین اسلام میں کسی عمل کی قبولیت کے لئے تین شرائط ہیں:

1-نیت کا خالص ہونا:

یعنی جو نیک عمل کیا جارہا ہے وہ خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے. اس میں کوئی دنیاوی مفاد یا دکھلاوا مقصود نہ ہو

نبی نے فرمایا: "بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے "(صحیح بخاری، کتاب الایمان)

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ روز قیامت ایک عالم، شہید اور سخی کو جہنم میں پھینکا جائے گا. کیوں کہ دنیا میں انکا نیک اعمال کرنے کا مقصد اللہ کی رضا نہیں تھا. اصل مقصد دکھلاوا تھا. پس انکی نیت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اتنے بڑے بڑے اعمال رد کر دیے جائیں گے- (صحیح مسلم)

2-عقیدہ توحید ہونا:

مطلب عقیدہ شرک کی آلودگی سے پاک ہو-اگر کسی شخص کے عقیدے میں شرک ہو تو اسکا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا چاہے وہ عمل اخلاص کی بنیاد پر ہی کیوں نہ کیا جائے ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے::

"ہم شرک کرنے والے کے تمام اعمال برباد کر دیں گے" (الانعام: ۸۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کسی ایسے مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا جس نے اسلام لانے کے بعد شرک کیا حتیٰ کہ مشرکین کو چھوڑ کر مسلمانوں میں آجائے۔" (ابن ماجہ، کتاب الحدود، جلد سوم، صفحہ 578، طبع دارلسلام)

3۔ عمل کا سنت کے مطابق ہونا:

مطلب جو عمل کیا جارہا ہے کیا وہ نبی کے طریقے کے مطابق کیا جارہا ہے-اگر وہ عمل سنت سے ہٹ کر کسی اور شخص کے وضع کردہ طریقے کے مطابق ہے تو وہ بھی اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں-

نبیؐ نے فرمایا:

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد

" وہ عمل جس پر میرا حکم نہیں، مردود ہے" (صحیح بخاری: ۷۹۶۲)

نیز فرمایا:فمن رغب عن سنتي فليس مني

"جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ ہم میں سے نہیں۔" (صحیح بخاری)

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ تین افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود نہ تھے۔انہوں نے پردے کے پیچھے سے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت کے بارے میں پوچھا، ان کی خواہش تھی کہ ہماری رات کی عبادت اس کا طریقہ اور اس کا وقت بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ اور وقت کے مطابق ہو، بالکل ویسے کریں جیسے اللہ کے پیغمبر کیا کرتے تھے۔حدیث کے الفاظ ہیں: فلما اخبر واتقالوھا جب انہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی عبادت کے بارے میں بتلایا گیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو تھوڑا سمجھا۔ پھر خود ہی کہا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کے اللہ تعالیٰ نے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں اور ہم چونکہ گناہ گار ہیں لہٰذا ہمیں آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئیے

چنانچہ تینوں نے کھڑے کھڑے عزم کر لیا۔ ایک نے کہا میں آج کے بعد رات کو کبھی نہیں سوؤں گا بلکہ پوری رات اللہ کی عبادت کرنے میں گزاروں گا۔ دوسرے نے کہا میں آج کے بعد ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں آج کے بعد اپنے گھر نہیں جاؤنگا اپنے گھر بار اور اہل و عیال سے علیحدہ ہو جاؤں گا تاکہ ہمہ وقت مسجد میں رہوں

چنانچہ تینوں یہ بات کہہ کر چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ تین افراد آئے تھے اور انہوں نے یوں عزم ظاہر کیا۔ جب امام الانبیاء نے یہ بات سنی تو حدیث کے الفاظ ہیں: فاحمر وجہ النبی کانما فقع علی وجھہ حب الرمان" نبی علیہ السلام کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا یوں لگتا تھا گویا سرخ انار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نچوڑ دیا گیا ہے اتنے غصے کا اظہار فرمایا –

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ کیا بات کی؟ کیا کرنے کا ارادہ کیا؟ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنا عمل بتایا کہ میں تو رات کو سوتا بھی ہوں اور جاگتا بھی ہوں، نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور میرا گھر بار ہے اور میری بیویاں ہیں۔ میں انہیں وقت بھی دیتا ہوں اور اللہ کے گھر میں بھی

آتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ اور سنت ہے جس نے میرے اس طریقے سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہ ہے۔یعنی جس نے اپنے طریقے پر چلتے ہوئے پوری پوری رات قیام کیا۔ زمانے بھر کے روزے رکھے اور پوری عمر مسجد میں گزار دی اس کا میرے دین سے میری جماعت سے میری امت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔

غور کیجیے تینوں صحابہ کرم کا عقیدہ بھی ٹھیک اور نیت بھی خالص، لیکن سنت رسول سے ہٹ کر زیادہ عمل کی کوشش کی تو نبی نے کہا کے یہ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔

ایک عمل اس وقت تک " عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تائید اور تصدیق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرمادیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عمل کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دیا۔ کیونکہ وہ عمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور منہج کے خلاف تھا۔ یاد رہے کہ کوئی راستہ بظاہر کتنا ہی اچھا لگتا ہو اس وقت تک اس کو اپنانا جائز نہیں جب تک اس کی تصدیق و تائید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرمادیں۔

فہم سلف کی اہمیت:

یقینا دین حق کی پیروی کے لئے "منزل من اللہ" شریعت یعنی قرآن وحدیث پہ عمل ضروری ہے –یہ ظاہری امر ہے کے شریعت پہ عمل کرنے سے پہلے اسے سمجھنا ضروری ہے– اب سوال یہ پیدا ہو تا ہے کے شریعت یعنی قرآن وحدیث کو کیسے سمجھا جائے ِ؟

کیا آج کے کسی مفکر کے فہم کو لے کے سمجھا جائے۔؟ نہیں ہر گز نہیں..!

دین کو صحیح سمجھنے کے لئے اور گمراہی سے بچنے کے لئے متفقہ فہم سلف بہت ضروری ہے.
یہاں سلف سے ہماری مراد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہیں۔ گمراہ فرقوں (مثلاً خوارج، معتزلہ وغیرہ) اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کیوں کے انہوں شریعت کو سلف کے فہم کے بجائے لینے کے اپنے فہم کو ترجیح دی اور یہی حال آج کے گمراہ گروہوں کا بھی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

"یہود کے اکہتر نصاریٰ کے 72 جبکہ میری امت کے 73 فرقوں میں تقسیم ہو گی وہ تمام کے تمام فرقے جھنم میں جائیں گے ماسوائے ایک فرقے کے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک فرقہ (جو جنت میں جائے گا) وہ ہو گا جس پر میں محمد ﷺ اور میرے صحابہ ہوں گئے
۔

اس لیے صحیح راستہ اور دین اسلام میں صراط مستقیم پر وہ ہی آدمی شمار ہو گا جس کا طرز عمل کتاب و سنت کے بارے نبی ﷺ ، صحابہ کرام والا ہو گا۔ اس لیے اللہ تعالی واضح انداز میں یہ بات بیان فرما دی ہے جو اس طریق سے الگ ہو گا وہ اللہ تعالی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والا ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

[[ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين لہ الهدى و يتبع غير سبيل المومنين]]

جو شخص باوجود راہ ھدایت واضح ہونے کے بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور ایمان والوں کے راستہ چھوڑ دیتا ہے اسے جہنم ہی کافی ہے اور وہ کیا برا ٹھکانہ ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر بڑا پر اثر وعظ فرمایا صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ تو الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے کوئی نصیحت فرمادیجئے۔ آپ نے جو نصائح فرمائے ان میں ایک بات یہ تھی تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے تمھیں چاہئے کہ تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔۔(جامع ترمذی)

حضرت عمر نے فرمایا: "یقیناً تمہیں ایسے لوگ ملیں گے جو تم سے قرآن کی ملتی جلتی آیات سے بحث کریں گے۔ اس وقت تم انہیں سنت رسولؐ سے سمجھاؤ۔ اور یاد رکھو صحابہ سنت رسولؐ سے باخوبی واقف ہیں۔" (سنن دارمی، ص14)

نیز آپؐ نے فرمایا:

خيركم قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم

سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ (یعنی صحابہ) ہیں اور پھر اسکے بعد کے زمانے کے لوگ (یعنی تابعین)، اور پھر اسکے بعد کے (یعنی تبع تابعین) زمانے کے ہیں۔ (بخاری: 2652)

لحاظہ گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن وسنت کو سلف (صحابہ، تابعین و تبع تابعین) کے متفقہ فہم کے مطابق سمجھنا ضروری ھے۔ خوارج نے اسی نقطے پر ٹھوکر کھائی اور قرآن کو اپنی عقل کے مطابق سمجھا اور صحابہ کرام جیسی مبارک ہستیوں پر کفر کا فتویٰ لگا بھیٹے۔

<u>نوٹ:</u> جن مسائل میں سلف کا اتفاق نہیں، تو دلیل کے اعتبار سے پر کھا جائے گا کہ کس کا موقف کتاب و سنت والا ہے۔!!!!

بحث اول

تعارف مسئلہ تکفیر / کفر کی اقسام

تکفیر کا مطلب ہے کہ کسی شخص یا گروہ پہ کفر کا فتوی لگانا۔

قرآن و سنت میں کی گناہوں پر لفظ کفر استعمال ہوا ہے - مثلا

)سباب المسلم فسوق وقتاله كفر ." (صحیح بخاری کتاب الایمان)

"کسی مسلمان کو گالی دینا فسق وفجور ہے اور اس کا قتل کفریہ فعل ہے۔"

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(مجھے آگ دکھائی گئی تو میں آج جیسا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا اور میں نے جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے تو صحابہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیوں ؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے کفر کی وجہ سے تو آپ سے یہ کہا گیا وہ اللہ تعالی کے ساتھ کفر کرتی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاوند اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں اگر آپ ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کرتے رہو تو پھر وہ آپ سے کوئی چیز دیکھ لے تو یہ کہتی ہے کہ میں نے ساری زندگی تم سے کوئی خیر ہی دیکھی (صحیح بخاری: 1052)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے: "اپنے والد (کی طرف انتساب سے) نفرت نہ کیا کرو کیونکہ جس نے اپنے والد (کی طرف انتساب) کا انکار کیا تو اسنے کفر کیا۔" (مسلم:62)

لیکن یہ ہرگز انصاف نہ ہو گا کے محض لفظ "کفر" کی بنیاد پر اس گناہ میں مبتلا انسان پر کفر کا حکم لگایا جائے- اگر یہ اصول اپنایا جائے تو شاید دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہ بچے- اسی لئے کفر کو دو اقسام، میں تقسیم کیا جاتا ہے

1- کفر اصغر: یہ وہ کفر ہے جس سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ **مثلا:** شوہر کی نافرمانی کرنا یا مسلمانوں سے لڑنا۔

2- کفر اکبر : یہ وہ کفر ہے جس کے کرنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلا: اللہ کو گالی دینا، ختم نبوت کا انکار کرنا۔

تعارف مسئلہ تکفیر / کافروں کی اقسام

کافروں کی اقسام:

1- **اصل کافر**- (disbeliever) وہ لوگ جو سرے سے کلمے کے انکاری ہیں ، مثلا: عیسائی ، ہندو یہودی وغیرہ ایسے لوگوں کی تکفیر ہر مسلمان پر لازم ہے۔

2- **مرتد** / اسلام سے خارج ہو کر کافر ہونے والا۔

کسی کو مرتد قرار دینا صرف اہل علم کا ہی حق ہے جو تکفیر کے اصولوں کو سامنے رکھ کر اس شخص پر آخری حکم لگائیں گے۔

3-**اعتقادی منافق**- یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف ظاہری طور پر کلمہ پڑھا ہو لیکن اندر سے کافر ہوتے ہیں۔اعتقادی منافق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے جن کے کفر کو وحی کے ذریعے واضح کر دیا گیا تھا۔ آج کے دور میں کسی کو بھی اعتقادی منافق کہہ کر اس کی تکفیر کرنا حرام ہے، کیونکہ اب دل کی حالت ناپنے کا پیمانہ کسی کے پاس نہیں۔

نوٹ: شرائط تکفیر پوری ہونے کے باوجود اہل علم کسی مصلحت کے تحت اس شخص کی تکفیر نہ کریں تو یہ جائز ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ بن ابی کی تکفیر نہ کرنا اور اس کے قتل سے صحابہ کرام کو روکنا ہے۔ جس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ یہ مشہور نہ کر دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرواتے ہیں۔ [بخاری:٤٩٠٥]

تعارف مسئلہ تکفیر / مسلمان کو کافر کہنا؟

کسی مسلمان کو کافر کہنے اور اس سے قتال کی مذمت کی احادیث:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1- اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ یَا کَافِر فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدُھُمَا

جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو ان دونوں میں میں سے ایک کافر ہو گیا- [مسلم:٢٦]

2- "مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا".

جس نے کسی مسلمان پے ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ [بخاری، کتاب الفتن]

3۔" ومن خرج على أمتى يضرب برها وفاجرها ولا يتحاش عن مؤمنها و لا يفى لذى عهد عهده فليس منى ولست منه .وجوب ملازمة جماعة المسلمين "

جو میری امت پر خروج (قتال) کرے اور اس امت کے نیک اور بد دونوں کو مارے نہ مومن کا لحاظ کرے اور نہ ہی ذمی کا، تو اس شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں- [مسلم، کتاب الامارۃ]

4-جب تم پر کوئی مسلمان تلوار چلائے تو تو اپنی تلوار کو روک لے اگر وہ تجھے قتل کرے گا تو وہ تیری گناہوں سمیت دوزخ میں جائے گا(یعنی مقتول کے گناہ معاف کر کے جنت دے دی جائے گی)۔ [مسلم:۷۲۵۰]

5- "اذا التقی المسلمان بسیفیہما فالقاتل والمقتول فی النار".

جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کی نیت سے حملہ آور ہوں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں- [بخاری:۳۱]

6- (عن عدیسة بنت هبان بن صیفی الغفاری قالت: جاء علی بن أبی طالب لی أبی فدعاه للخروج معه' فقال له أبی: ان خلیلی و ابن عمک عهد لی اذا اختلف الناس أن اتخذ سیفا من خشب فقد اتخذته فن شئت خرجت به معک قالت: فترکه." (سنن الترمذی' کتاب الفتن عن رسول الله' باب جاء فی اتخاذ سیف من خشب فی الفتنة)

"عدیسہ بنت ھبان فرماتی ہیں کہ حضرت علی میرے والد صاحب کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ (حضرت معاویہ کے خلاف جنگ میں) نکلنے کی دعوت دی۔ تو میرے والد نے حضرت علی سے کہا: بے شک میرے دوست اور آپ کے چچازاد (یعنی محمد ﷺ) نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ جب مسلمانوں میں باہمی اختلاف ہو جائے تو تم لکڑی کی ایک تلوار بنالینا۔ پس میں نے لکڑی کی ایک تلوار بنالی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اس تلوار کے ساتھ آپ کے

ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ عدیسہ بنت ھبان فرماتی ہیں: اس بات پر حضرت علی نے میرے والد کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔"

علامہ اَلبانی نے اس روایت کو 'حسن صحیح' کہا ہے۔(صحیح ابن ماجۃ:۳۲۱۴)

7- کسروا فیھا قسیکم وقطعوا أوتارکم واضربوا بسیوفکم الحجارۃ فان دخل علی أحدکم فلیکن کخیر ابنی آدم۔ (سنن أبی داؤد' کتاب الفتن والملاحم' باب فی النھی عن السعی فی الفتنۃ)

فتنوں کے زمانے میں اپنی کمانیں توڑ دو۔ اور ان کی تانت ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور اپنی تلواریں پتھروں پر دے مارو۔ پس اگر تم میں کسی ایک پر کوئی چڑھائی کرے تو وہ آدم کے دو بیٹوں میں سے بہترین کی مانند ہو جائے۔

علامہ اَلبانی نے اس روایت کو 'صحیح' کہا ہے۔(صحیح ابن ماجۃ:۳۲۱۵)

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس بھائی کی مانند ہو جانا کہ جس نے قتل ہونا تو پسند کر لیا تھا لیکن اپنے بھائی کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ المائدۃ آیت ۲۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ

"البتہ اگر تو نے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تا کہ تو مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا نہیں ہوں تا کہ تجھے قتل کروں۔ بے شک میں تمام جہانوں کے رب سے ڈرنے والا ہوں۔ بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ تم (یعنی قاتل) میرے اور اپنے گناہوں کے ساتھ لوٹ جاؤ اور اس کے سبب سے جہنم والوں میں سے ہو جاؤ۔

تعارف مسئلہ تکفیر/تکفیر مسلم کے خطرناک نتائج

جس شخص کی تکفیر کی جارہی ہو۔

1-اس شخص کا قتل جائز اور اس کا خون ہلال ہو جاتا ہے۔

2-اس شخص کے ہاتھ کا ذبح حرام ہو جاتا ہے۔

3-اس شخص کا مال حلال ہو جاتا ہے۔

4-اس شخص پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔

5-اس شخص کا مسلمان عورت سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

6-اس شخص کی گواہی نامنظور ہو جاتی ہے۔

7-وہ شخص وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔

8-اس شخص کی ولائت نکاح نامقبول ہو جاتی ہے۔

9-اس شخص کو مرنے کے بعد نہ غسل،نہ کفن،نہ جنازہ نہ دعا اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

ناجائز تکفیر کے بھیانک مفاسدات

8- بغیر دلیل محکم اور غیر قطعی احکام کی بناء مسلمان کی عزت، جان، مال کو حلال قرار دینا۔

9- قرآن و سنت جو کہ توحید اولوہیت اور اسماء وصفات سے بھرے پڑے ہیں ان کے بیان یا ان کی بناء پر شرعی احکام واضح کرنے کی بجائے محض توحید الوہیت کی ایک جزئی توحید حاکمیت کو ہی موحد یا غیر موحد ہونے کا واحد معیار حقیقی قرار دینا، حالانکہ یہ خوارج کا شیوہ تھا، اور توحید اسماء و صفات کو بالکل غیر اہم بلکہ کالعدم قرار دینا۔ جس پر خود آل تکفیر کا لٹریچر شاہد ہے۔

10- توحید اولوہیت و توحید اسماء صفات میں گمراہ لوگ معتزلہ، جہمیہ، اشاعرہ، صوفیہ، ماتریدہ، عقیدہ وحدۃ الوجود کے حامل قرآن کو مخلوق قرار دینے والے، خبر واحد بلکہ احادیث متواتر تک کے منکرین (قبر پرستی جیسے شرک شر اکبر نہ سمجھنے والے) لوگوں کو (صحیح العقیدہ سلفی علماء کی بجائے) اپنا امام و پیشوا قرار دینا۔ جیسے قطب، مقلدین وغیرہ۔۔

11- فتنہ تکفیر کی آڑ میں مسلمانوں کی وحدت وجمعیت کو پارہ پارہ کرتے ہوئے ان کی معشیت و دفاع کو تباہ کر کے کفار کو مسلمانوں کے خلاف مستحکم و مضبوط بنانا۔

12- مساجد پر خودکش حملے کر کے ان کے تقدس کو پامال کرنا۔

13- نمازی حضرات جن کے قتل کے بارے نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ان کے قتل سے منع کیا گیا۔ ان کو دوران نماز بارود سے اڑا دینا۔

نوٹ: کلمہ پڑھنے والے کا ایمان یقینی ہوتا ہے اور اس پر کفر کا فتوی لگانا حرام ہے۔ الا یہ کہ اس کا کفر دلائل اور شرائط تکفیر لاگو ہونے کے بعد اس کا کفر پایہ ثبوت تک پہنچ جائے اور کوئی مفاسد اور مصلحت آڑے نہ آئے۔ اس لیے اس معاملے میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے، اور کسی کلمہ گو کی تکفیر انہی کے ذمے رہنے دینی چاہیئے جو اہل علم ہوں اور تکفیر کے اصولوں سے باخوبی واقف ہوں۔ اور یقیقنا اہل قضاء و اہل افتاء بخوبی جانتے ہیں کہ کسی شخص پر کب اور کس طرح شروط تکفیر لاگو کی جائے گی اور کس کے بارے مصلحت کا خیال رکھے جائے گا۔

بحث دوم

مسئلہ تکفیر مسلم / تکفیر کی اقسام

تکفیر کی اقسام۔ تکفیر کا مطلب ہے کسی پہ کفر کا فتوی لگانا۔

تکفیر کی دو اقسام ہیں۔

1-**تکفیر غیر معین**: یعنی کسی گروہ یا شخص یا گروہ کا نام لیے بغیر عمومی تکفیر کرنا اور یہ تکفیر جائز ہے اور ہر کوئی کر سکتا ہے اسے تکفیر مطلق بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس تکفیر سے کوئی بھی مسلمان دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اس قسم کی تکفیر بطور تنبیہ کی جاتی ہے، یعنی اگر کوئی شخص اس گناہ پر مصر رہے گا تو یہ بعید نہیں کہ وہ اس کی وجہ سے دین سے خارج ہو جائے گا۔ مثلا:

جو مردوں سے مدد مانگے وہ مشرک ہے۔

یا

جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔

2-**تکفیر معین:** یعنی کسی شخص یا گروہ کا نام لے یا خاص کر کے اس کی تکفیر کرنا تکفیر معین کہلاتا ہے اور اس قسم کی تکفیر کیا جانے والا شخص یا گروہ یقینی طور پر دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلا:

اسلم کافر ہو گیا ہے، یا حکومت پاکستان کافر ہو گئی ہے۔

اس قسم کی تکفیر نہائیت نازک اور حساس کام ہے، کیونکہ کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا خطرے سے خالی فعل نہیں۔ اور یہ اندیشہ بھی موجود ہوتا ہے کہ کفر کا یہ فتوی کہیں واپس تکفیر کرنے والے پر ہی نہ پلٹ آئے جیسا کہ حدیث مبارکہ کہ صریح الفاظ ہیں۔

اس لیے تکفیر کی یہ قسم یعنی معین تکفیر کچھ اصول و ضوابط کی محتاج ہے،اور ان اصول و ضوابط کا درست علم اور ان کا اطلاق application کا حق صرف و صرف اہل علم اور اہل قضاء کے ساتھ خاص ہے۔ عوام الناس کو اس میں زرا بھی اختیار نہیں اور یہی بات دلائل قرائن سے ثابت شدہ ہے۔

مسئلہ تکفیر مسلم / ضوابط تکفیر معین

اگر ہم کسی شخص یا گروہ کو کفریہ و شرکیہ عمل میں مبتلا دیکھتے ہیں تو ہم جھٹ سے اس شخص کو کافر یا مشرک کہہ کر دین اسلام سے خارج نہیں کریں گے، بلکہ ہم اس معین شخص یا گروہ کی تکفیر سے پہلے اسے تکفیر معین کے اصول و ضوابط سے گزاریں گے۔ اور جیسا کہ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کام عام مسلمان یا طالب

علم کا نہیں بلکہ اہل علم کا ہے، اس لئے ہم کسی مسلمان پر کفر یا شرک کا حکم لگانے کی بجائے جید علماء کرام اور کبار مفتیان عظام کی رہنمائی لیں گے۔

تکفیر معین کے اصول: کسی معین شخص یا گروہ کی تکفیر سے پہلے اس شخص یا گروہ کا چار اصولوں سے پرکھا جائے گا۔

1-**وہ شخص یا گروہ جاہل نہ ہو۔** یعنی جس عمل میں وہ شخص یا گروہ مبتلا ہے وہ اس عمل کے کفریہ و شرکیہ ہونے کا علم رکھتا ہے۔

2-**کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔** یعنی کسی شخص یا گروہ کو جانی و مالی نقصان سے دوچار کرنے دھمکی دے کر یہ کفریہ و شرکیہ کام نہ کروایا گیا ہو۔

3-اس شخص یا گروہ سے یہ کفریہ کام **غیر ارادی طور پر یا غلطی** سے تو سرزد نہیں ہوا؟

4-کہیں وہ شخص یا گروہ کسی **تاویل شرعی کی بنیاد پر کفریہ کام** تو نہیں کر رہا؟ یعنی وہ قرآن کی کسی آیت یا حدیث کا غلط معنی و مفہوم نکال کر اس پر عمل پیرا تو نہیں ہے۔

ان چار اصولوں کو شروط اور "**موانع تکفیر**" بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ چار اصول جن میں سے کسی ایک کا بھی موجود ہونے سے کسی معین شخص یا

گروہ کی تکفیر حرام ہے۔ اب ان چاروں اصولوں کی دلائل قرآن وحدیث سے پیش کئے جائے گے۔

نوٹ: ایک اور اہم بات جو کہ کسی مسلمان کی تکفیر کے مسئلے میں ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کیا جس عمل کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر کی جا رہی ہے کیا وہ عمل شریعت اسلامیہ میں کفر ہے بھی کہ نہیں۔ اور دوسری اہم بات کہ اگر کسی مسلمان شخص یا گروہ کی تکفیر کرنے پر جید علماء کرام متفق نہ ہوں تو اہل السنہ کی اصولوں کے تحت ایسے شخص یا گروہ کی تکفیر کسی صورت بھی درست وجائز نہیں ہو گی۔

مسئلہ تکفیر مسلم / ضوابط تکفیر معین بارے دلائل

یاد رہے کہ کسی بھی مسلمان شخص یا گروہ کی معین تکفیر کی شروط اور موانع اوپر بیان کئے گئے ہیں یہ محض کسی کی ذاتی کاوش نہیں بلکہ قرآن و سنت کے واضح دلائل سے اخذ کردہ ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم ان ضوابط کے دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں:

ضوابط تکفیر معین کے دلائل

1- جہالت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک شخص نے اپنی اولاد کو وصیت کی وہ اس کے مرنے کے بعد اس کو جلا دیں،اور اس کی راکھ کو سمندر میں بہا دیں اور اس نے یہ اس لیے کیا کہ

"واللہ لئن قدرعلي ليعذبني عذابا ما عذب به احدا "

تاکہ اللہ اسے دوبارہ اٹھا ہی نہ سکےاور اسے عذاب نہ دیا جائے۔" [بخاری: ۳۲۸۱]

اس شخص یہ نظریہ رکھنا کہ "اللہ اسے اٹھا نہ سکے"، یہ اللہ کی صفت کا انکار ہے،اور اس کا یہ عقیدہ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے تھا۔لہذا اللہ نے اسکا یہ کفر معاف کر دیا گیا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہالت کی بنیاد پر کیا گیا کفر معاف ہے۔

2- غیر ارادی اور بھولنا:

قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے :

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ

"تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس پر تمہیں کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جسکا تم دل سے ارادہ کرو۔ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔"
[الاحزاب:5]

اس آیت کی رو سے غیر ارادی طور پر کفریہ کام کرنے والے کی تکفیر کرنا جائز نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی مسلمان سے کوئی کفریہ یا شرکیہ کام غلطی سے یا بھول کر ہو جائے تو وہ اس سے دین اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔

3-جبرواکراہ

قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے :

مَن كَفَرَ بِاللّهِ مِن بَعْدِ إيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْراً فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ [النحل : 106]

"جو آدمی اللہ پہ ایمان لانے کے بعد کفر کرے تو اللہ کو یہ ہرگز قبول نہیں ہے۔ہاں وہ بندہ(معاف کر دیا گیا) جس کو مجبور کیا گیا ہو، لیکن اس کا دل ایمان پہ مطمئن ہو۔" [النحل:١٠٦]

اس آیت کے تحت مجبورا کفریہ کلمات اور اعمال کرنے والے کی تکفیر کرنا حرام ہے۔ یعنی اگر کوئی کسی شخص یا گروہ کو مالی و جانی نقصان کی دھمکی دے کر اس سے کفریہ و شرکیہ کام کروائے تو ایسے کام کرنے والے گروہ یا شخص کی تکفیر کرنا شرعا حرام ہے۔

4-تاویل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذاحكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران وإذاحكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر"

"فیصلہ کرنے والے مجتہد آدمی سے خطا بھی ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی اس کا فیصلہ درست بھی ہوتا ہے،اگر اس کا فیصلہ درست ہے تو اس کو دہرا اجر ملتا ہے اور اگر اس کا فیصلہ غلط ہے تو(اس کی غلطی معاف ہے)اور اسے ایک اجرملتا ہے۔" [بخاری:۷۳۵۲]

نیزایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن الله تجاوز عن امتي الخطأ والنسيان"

"میری امت سے خطا اور نسیان کو اللہ نے معاف فرمایا ہے۔" [ابن ماجہ:۲۰۲۵]

ان احادیث کے تحت اس شخص یاگروہ کی تکفیر کرنا حرام ہے جو قرآن وحدیث کی کسی دلیل کوغلط سمجھ کرکفریہ کام کے لیے تاویلا پیش کرے۔

خلاصہ

کسی شخص یا گروہ کی تکفیر سے پہلے اسے سمجھایا جائے گا،اور دیکھا جائے گا کہ:

1-کہیں وہ شخص لاعلمی میں کفر تو نہیں کر رہا؟

2-کہیں مجبورا اس سے کفریہ کام تو نہیں کروایا جا رہا؟

3-کہیں وہ قرآن و حدیث کو غلط سمجھ کر کسی کفریہ کام کے لیے دلیل یا تاویل تو نہیں پیش کر رہا؟

4-یا پتہ ہونے کے باوجود غیر ارادی طور پہ کفریہ کام نہ ہو گیا ہو۔

اب اگر اہل علم کے سمجھانے کے باوجود جان بوجھ کر خوشی سے کوئی کفریہ کام کرے تو اہل علم کو اختیار ہے کہ اس کی تکفیر کریں۔

اسی لیے وہ گروہ یا لوگ کسی مسلمان یا مخالف گروہ کی بے اصول اور بے ہنگم تکفیر کرے،ان کو آج کل کی علمی زبان میں تکفیری (خوارج سے متاثرہ) قرار دیا جاتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

آج کل عموما بہت سے گروہ ایک دوسرے کو تکفیری قرار دیتے نظر آتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ تکفیری کسے کہا جاتا ہے اور اصل تکفیری

لوگ کون ہوتے ہیں۔کیونکہ یہاں تو محض الزام بازیاں جاری ہیں اور تکفیری وخارجی کے اتہامات کی بھر مار ہے۔

<u>جواب:</u> تکفیری کون لوگ ہیں ؟

ہر مسلمان کسی نا کسی کی تکفیر ضرور کرتا ہے۔ محض کسی کو کافر قرار دے دینے سے کوئی تکفیری نہیں بن جاتا۔

جب ہم کسی کے لیے لفظ "تکفیری" یا "فتنہء تکفیر" استعمال کرتے ہیں تو اس وقت تکفیر مطلق کی بات عموما نہیں ہوتی بلکہ یہ الفاظ تکفیر معین کے حوالے سے بولے جاتے ہیں -عموما ان سے مراد تکفیر معین ہی ہوتی ہے۔

یعنی ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی معینا تکفیر کرے جبکہ اس نے کوئی کفریہ کام بھی نہ کیا ہو یا اگر کفریہ کام کیا ہو تو تکفیر معین کے اصول وقوانین کو ملحوظ رکھے بغیر اور انہیں لاگو کیے بغیر وہ اس معین شخص کو کافر قرار دے دے تو اس تکفیر کرنے والے کو تکفیری یا فتنہء تکفیر میں مبتلاء قرار دیا جاتا ہے۔

ہاں اگر اس شخص پر تکفیر معین کے اصول وقوانین کولاگو کرکے اسکی معین تکفیر کی جائے تو ایسا کرنے والا تکفیری نہیں کہلائے گا۔

اور جب کبھی اس سے مراد تکفیر مطلق ہوتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو کفریہ کام سر انجام دے کر مطلق تکفیر کی

جارہی ہے جسکا کفر ہونا کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے اور جسکی حیثیت صرف وعید کی ہے !

نوٹ: قادیانی کافر ہیں۔ ان کے کفر کو پاکستانی عدالت میں ثابت کیا گیا ہے اور تمام موانع کفر دور کیئے گئے ہیں۔ اور ان کے کفر پہ تمام مسالک کے معتبر علماء کرام کا اجماع ہو چکا ہے جو کہ حجت ہے۔

بحث سوم

مسئلہ تحکیم

تحکیم کا مطلب ہے حکم دینایافیصلہ کرنا۔

اللہ تعالی پر ایمان اور اس کی عبادت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اس کی نازل کردہ شریعت سے راضی و خوش ہوں اور اقوال و افعال ، اصول و فروع ۔ لڑائی جھگڑے ، جان و مال کے معاملات اور دیگر تمام حقوق میں اختلاف کے وقت ہم صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں ۔ اللہ تعالی ہی حاکم اعلی ہے اور فیصلے کے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے حکمران طبقہ ہو یا علماء وفقہاء یا عوام الناس ،سب پر لازم ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے کتاب میں جو حکم نازل فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں جو کچھ فرمایا ہے اسی کے مطابق اپنے معاملات کو حل کریں۔ذمہ داران اور حکمران وغیرہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

"جب لو گوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو ۔"

[النساء58]

سابقہ تمام امتوں کو بھی یہی حکم دیا گیاکہ اپنے تمام فیصلے اور معاملات اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حل کریں -اللہ رب العالمین نے فرمایا:

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

" اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ کی نازل کر دہ وحی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔ " [المائدہ 47]

انحراف شریعت کے دنیاوی واخروی نقصانات

ارشاد باری تعالی ہے :

"جو کوئی میرے دین سے رو گردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اورہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے اور وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھا یا ؟ حالانکہ میں تو دیکھتا بھالتا تھا (جواب ملے گا کہ) اسی طرح ہونا چاہیے تھا تو میری آئی ہوئی آیتوں کو بھول گیا تو آج تو بھی بھلا دیا جاتا ہے۔"

اسلام میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنا ہر مسلمان پہ فرض ہے۔اور یہ چیزاس کی نجات کاذریعہ ہے۔

لیکن اگر کوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو شریعت ایسے شخص کے گناہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔

1- کفر اصغر :

جس میں کوئی عدالت یا شخص شریعت کے قوانین کو حق مانتا ہے اور انکو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے، لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، یہ فعل کبیرہ گناہ میں تو شامل ہے مگر ارتداد (دائرہ اسلام سے خارج ہو جانا) نہیں ہے۔

2- کفر اکبر :

جس میں کوئی عدالت یا شخص اللہ کی شریعت کو حقیر جان کر اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا بلکہ وہ دوسرے غیر شرعی قوانین کو اسلامی قوانین سے بہتر گردانتا ہے۔ تو یہ بہرحال ارتداد ہے جس سے ایسا کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ مسئلہ کافی پیچیدہ ہے لہذا اسی بنیاد پر تفصیل طلب ہے۔ کیونکہ خوارج نے اسی مسئلہ میں دھوکہ کھایا ہے اور قرآن کا صحیح فہم نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین جیسی مقدس ہستیوں کی بھی تکفیر کر ڈالی، باقی مسلمان پھر کس کھیت کی مولی ٹھہرے ؟۔[التمہید، ۲۳/۳۳۵]

آیات تحکیم کی غلط تفسیر کی بنیاد پر غلط تکفیر

قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

"جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں- " [المائدہ: ٤٤]

اس آیت کے ظاہری مطلب اور لفظ کفر سے خوارج نے دھوکہ کھایا اور صحابہ کی تکفیر کی-[تفسیر سمعانی، ٢/٤٢]

اور اسی آیت کے ظاہری الفاظ سے آج بھی کئی گروہوں نے نے دھوکہ کھایا ہے اور دور حاضر کے حکمرانوں کی تکفیر کرتے ہوئے انکے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مسلم خطوں کو خاک وخون میں نہلانے کا باعث بنے ہیں۔

حالانکہ اس آیت سے اگلی دو آیات میں کہا گیا ہے کہ:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظالمون﴾

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الفاسقون﴾

"جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ ظالم ہے"۔

"جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ فاسق ہے"۔
[المائدہ: ٤٤،٤٦]

اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ تکفیر میں تشدد کرنے والے گروہ کفر والی آیت سے استدلال کرتے ہیں لیکن ظلم اور فسق والی آیات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ خود اللہ نے شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کے گناہ کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

١۔ظلم
٢۔فسق
٣۔کفر
(تفسیر بیضاوی،٤٦٨ / ١)

آیت تحکیم کی درست تفسیر از صحابہ کرام اور سلف صالحین

قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

"جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا وہ کافر ہے۔"
[المائدہ: ٤٤]

۱- "یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی-"

[مسلم:۱۳۲۷]

۲- "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا،اس آیت سے مراد وہ کفر نہیں جو اسلام سے خارج کر دے"

[مستدرک حاکم،کتاب التفسیر]

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ 44)

آیت میں کفر دون کفر ہے(یعنی کبیرہ گناہ)

(مستدرک حاکم کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدہ ص427،ج:2،رقم3269)

۳۔ سید التابعین عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا فیصلہ:

اس سے مراد کفر دون کفر ہے (تفسیر طبری ص:554،ج:4،رقم12061)

۴۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس کے شاگرد سیدنا طاؤس کا فیصلہ:

وہ اس آیت: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

کے بارے میں فرماتے ہیں یہ کفر (کبیرہ گناہ) ہے اور اللہ تعالی اس کے فرشتوں اور کتابوں اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر جیسا نہیں۔

(تفسیر طبری،ص:554،ج:4،رقم:12067)

بقیہ اثر ابن عباس:

تفسیر ابن عباس کی تائید کرنے والے ائمہ و مفسرین رحمھم اللہ

22- امام حاکم فی المستدرک، صفحہ:427،ج:2

23- امام ذھبی فی تلخیص المستدرک، ص:427،ج:2، تحت رقم:3269

24- محمد بن نصر المووزی (تعظیم قدر الصلاۃ، ص:520،ج:2

25- امام قرطبی۔ الجامع لاحکام القرآن، ص124،ج:2،افرای، ص190،ج:6

26- امام ابو المظفر المعانی فی تفسیرہ، ص:42،ج:2

27- امام بغوی فی معالم التنزیل، ص:276،ج:2

28- امام ابو بکر ابن العربی المالکی فی احکام القرآن، ص:624،ج:2

29- ابو عبیدہ القاسم بن سلام فی "الایمان"، ص45

30- ابن عبد البر فی التمہید، ص:74،ج:5،افرای، ص:237،ج:4

31- ابن تیمیہ، مجموعہ الفتاوی، ص:312،ج:7

32- ابن القیم فی، مدارج الساکس، ص:33

33- ابن بطۃ فی، الابانۃ، ص:723،ج:2

34- احمد شاکر و محمود محمد شاکر، عمدۃ التفاسیر، ص:602-603،ج:1

35- الواحدی فی الوسیط، ص:191، ج:2

36- امام بقاعی فی نظم الدرر، ص:492، ج:3

37- تفسیر خازن، ص؛276، ج:2

38- ابو حیان فی البحر الحط، ص:492، ج:3

39- نواب صدیق حسن خان فی نیل الحرام، ص:472، ج:2

40- تفسیر سعدی، ص:296، ج:2

41- محمد امین الشنقیطی فی اضواء البیان، ص:101، ج:2

42- الشیخ ناصر لدین الالبانی، سلسلۃ الصحیحہ، ص:109، ج:62

وغیر ذالک

4- امام احمد بن حنبل کا فیصلہ: امام اسماعیل بن سعد فرماتے ہیں نے امام احمد سے سوال کیا کہ اس آیت:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ

سے کون سا کفر مراد ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ایسا کفر جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ (سوالات ابن ھانی، ص:192، ج:2)

اسی امام ابو داؤد السجستانی (صاحب سنن ابی داؤد) نے جب امام احمد رحمہ اللہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا کہ اس سے کون سا کفر مراد ہے تو انہوں نے امام عطاء اور امام طاؤس کے قول کے مطابق جواب دیا یعنی وہ کفر مراد ہے جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتا

(سوالات ابی داؤد (عن احمد) ص:114)

19- امام محمد بن نصر وری نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے دیکھئے: تعظیم قدر الصلاۃ، ص:520، ج:2)

20- امام ابن جریر الطبری المتودی 310ھ

21- ابن بطہ العکبری التوفی 387ھ نے اپنی کتاب ابانہ میں بابب قائم کیا ہے ان گناہوں کا بیان جن کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا اس کے تحت مسئلہ الحکم بغیر ماانزل اللہ کو بیان کیا اور پھر اس کی تائید میں صحابہ کرام و تابعین کے اقوال نقل کر کے ثابت کیا اس سے مراد دائرہ اسلام سے خارج کرنے والا گناہ نہیں۔(الابانۃ، ص: 723،ج:2)

22- امام ابن عبد البر شارح مؤطا امام مالک: التوفی 463ھ وہ بھی فرماتے ہیں اس سے مراد دائرہ اسلام سے خارج کرنے والا کفر نہیں۔(التمھید لابن عبد اللہ، ص:75،ج:5)

23- امام سمعانی التوفی 510ھ کا فیصلہ: انہوں نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے دیکھیے ان کی تفسیر۔(ص:42،ج:2)

24- امام ابن تیمیہ: دیکھئے (مجموعہ الفتاوی، ص:254،ج:7)

25- امام محمد بن قیم الجوزی المتوفی 751ھ: مدارج السالکین، ص:336، ج:1

26- امام ابن کثیر المتوفی 774ھ (تفسیر ابن کثیر)

27- امام ابن ابی العزالحنفی المتوفی 791ھ (شرح عقیدہ الطحاویہ، ص:323)

28- شارح بخاری امام ابن حجر العسقلانی المتوفی 850ھ (فتح الباری، ص:120، ج:13)

29- امام فخر الدین الرازی المتوفی سنہ (تفسیر کبیر، ص5-6 جزء12)

30- امام شاطبی المتوفی 790ھ (الاعتصام لشاطبی، ص:692، ج:2)

31- سید معین الدیں محمد بن عبد الرحمن المتوفی 894ھ (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ص:247-248)

32- جمال الدین القاسمی المتوفی 1333ھ (تفسیر قاسمی)

33- قاضی ثناء اللہ پانی پتی الحنفی المتوفی 1393ھ (تفسیر المظھری، ص:118، ج:3)

34- نواب صدیق الحسن المتوفی 1357ھ (الدین الخالص، ص:28، جلد:3، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

35- محمد امین الشنقیطی المتوفی 1393ھ (ضواء البیان، ص:104، ج:2)

36- پیر بدیع الدین شاہ راشدی السندھی المتوفی 1416ھ: (بدیع التفاسیر، ص238، ج: 7، طبع جنوری 1998ء)

اس کے علاوہ عرب کے سلفی علماء اور دیگر متقدمین و متاخرین کو جمع کیا جائے تو طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے لیکن ہمارا مقصود تمام علماء سلف کا احاطہ نہیں بلکہ سلف سالحین کے موقف کو بالترتیب واضح کرنا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت کی تفسیر میں سلف صالحین علی الاطلاق ارتداد مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے ان کی مراد (کفر دون کفر) کبیرہ گناہ ہے۔

مسئلہ تحکیم اور آل تقلید

مسئلہ تحکیم ہر مسلمان کے لیے عام ہے، قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ کرنا صرف حکام پہ ہی فرض نہیں بلکہ یہ اپنے نفس، گھر، عوام و علماء پہ بھی فرض ہے۔اگر آیت تحکیم کی بنیاد پہ حکام کی تکفیر بنتی ہے تو کیا ان لوگوں یا علماء کی تکفیر نہیں بنتی جو قرآن و حدیث کا فیصلہ ہونے کے باجود اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں.

جن میں سے ایک مثال مسئلہ رضاعت کی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

ولوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین -

"اور ماں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔" [البقرہ:۲۳۳]

جب کہ ہمارے ہاں بہت سے لوگ مدت رضاعت دو کی بجائے ڈھائی

سال ہونے کا فتوی دیتے ہیں- **(در مختار، کتاب النکاح، فتاوی عالم گیری ص: ۳۴۲)**

جو کہ قرآن کے خلاف ہے،تو کیا اس مسئلہ کی بنیاد پر امت کے ایک بہت بڑے حصے کی تکفیر کی جائے گی؟جواب یقیناًنہ ہی ہو گا۔اور ایسے علماء کی تکفیر کی بجائے انہیں دلیل کے ساتھ سمجھایا جائے گااور یہی اصول حکام کے لیے بھی ہے۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے اس کے علاوہ بے بہا مواقع ہیں جہاں یہ کچھ مذہبی گروہ معاملات تو اگلی چیز عقیدہ وایمانیات میں اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں اور اسی کو عام کرتے اور رائج کرنے کی تگ ودو میں سرگرم ہیں۔ اور تو اور حدود اللہ کے اندر ان حلقوں کی جانب سے ہیرا پھیری بھی کسی سے چھپی نہیں۔

قانون الیاسق

تکفیر میں متشدد لوگوں نے اس چیز سے دھوکہ کھایا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تاتاریوں سے قتال اس لیے کیا تھا کیونکہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی بجائے چنگیز کے بنائے ہوئے قانون الیاسق کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔امام ابن کثیر اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی چنگیز خان اور تاتاریوں کو کافر قرار دینے کی وجہ صرف شریعت سے فیصلے کرنے سے انکار ہونا نہیں تھا،اس کی اصل وجہ انہی کے فتاوی سے حاضر ہے۔

1–وہ قانون الیاسق کو شریعت اسلامیہ سے بہتر اور افضل سمجھتے تھے،جو کہ کفر اکبر ہے جس کے ارتکاب سے بندہ مرتد ہو جاتا ہے۔

2–تاتاریوں کا دوسرا کفر وہ چنگیز کو رسول سمجھتے تھے اور کھانے کے بعد اس کا شکر ادا کرتے تھے۔

3–وہ چنگیز کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔

[فتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ ۲۸/۵۲۱]

نوٹ: یہ تمام امور ایسے صریح کفریہ عقائد ہیں جن کے کفر اکبر ہونے میں دو بندوں کا بھی اختلاف ممکن نہیں لہذا "الیاسق" کے مجموعہ قوانین کے بارے تاتاریوں کا جو رویہ اور عقیدہ تھا علماء قائل ہیں۔

پس آج بھی کوئی حکمران اپنے بنائے ہوئے مجموعہ قوانین کو منجانب اللہ سمجھے یا

اس کو خلاف اسلام کہنے والوں کے خون کو حلال سمجھے یااس قانون کے بنانے والوں کو کو اللہ کے رسول ﷺ کے برابر کا درجہ دے تو ان کے کفر میں بھی کوئی شک نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہمارے حکمران عرصہ دراز سے خود ساختہ قوانین بنانے کے مرتکب ضرور ہیں یہ یقینا ایک بہت بڑا گناہ ہے لیکن وہ اس کو منجانب اللہ یاخلاف شریعت سمجھنے والوں کے خون کو حلال یا قانون سازوں کو نبی کریم ﷺ کے برابر کا درجہ نہیں دیتے لہذا بغیر کسی کفریہ عقیدہ کے مطلق ان خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے کو کفر اکبر قرار دینے کی کوئی شرعی عقلی، نقلی، یا تاریخی دلیل موجود نہیں ہے۔

ہاں یہ عمل، مجازی کفر یا کفر اصغر کہلانے کا مستحق ضرور ہے۔

ایک واضح اصولی غلطی

سل تکفیر کے ہاں تکفیر کی ایک بنیاد تشریع عام[78] بھی ہے۔ عصر حاضر کے تکفیری و خارجی گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ جو کوئی کسی کبیرہ گناہ پر دوام یعنی ہمیشگی اختیار کر لے یا وہ کبیرہ گناہ کو ہلکا جان کر کرے تو ایسا کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

[78] **تشریع عام:** کسی کبیرہ گناہ کو چھوڑنے کی طاقت ہونے کے باوجود بار بار کرنا، کسی گناہ پر اصرار کرنا یعنی گناہ پر ہمیشگی اختیار کرنا

اور وہ یہ اصول الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ کے ایک قول سے اخذ کرتے ہیں

"جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ پر استمرار و دوام بھی ارتداد بن جاتا ہے"۔

اول: الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ کی بات دین میں حجت نہیں۔ کسی بھی عالم کی بات دین میں اسوقت تک حجت نہیں جب تک قران و سنت کے دلائل سے مزین نہ ہو۔۔۔!!!

دوم: یہ بات شرعاً بھی درست نہیں جیسا کہ اس ضمن میں الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اگرچہ وہ اس کبیرہ گناہ کو ہلکا جانتا ہو یا اس پر دوام و ہمیشگی اختیار کرے، کافر نہیں ہوگا حتی کہ وہ اسے حلال سمجھے۔ برخلاف ان کے جو آجکل یہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر اسے ہلکا جانتے ہوئے (یا ہمیشگی و دوام اختیار) کرے تو وہ کفر اکبر کا مرتکب ہو کر ملت اسلامیہ سے خارج ہو گیا۔ یہ بھی عین خوارج کا ہی قول ہے"

(الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے طائف / 1415ھ میں سوال و جواب کی نشست)

ہم پہلے آل تکفیر کا استدلال پیش کرتے ہیں بعد میں اس کی حقیقت حدیث رسول کی روشنی میں واضح کریں گے۔

تکفیری حضرات کہتے ہیں:

"دور حاضر کے حکمران یا جج حضرات جس آئین اور قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اسے ایک مصدر اور منبع کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جج حضرات اپنے فیصلوں میں بار بار اس آئین یا قانون کی طرف رجوع کرتے ہیں لہذا قرون اُولی میں کسی قاضی کا کسی خاص واقعے میں شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا اور موجودہ دور میں کسی جج کا کسی واقعے میں بار بار کسی غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور اس قانون کے مطابق فیصلے میں استمرار کا پایا جانا ایک بالکل مختلف معاملہ ہے"۔

ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صورتیں گناہ کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں ۔ پہلی صورت گناہ میں ہلکے درجے کی ہے جبکہ دوسری صورت کا گناہ بہت بڑھ کر ہے لیکن یہ کفر اکبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی گناہ پر اصرار کرتا ہے تو وہ گناہ کفر نہیں بن جاتا جیسا کہ ایک شرابی زندگی بھر شراب پیتا رہے اور ایک سود خور عمر بھر سود کھاتا رہے تو اس کے اس فعل کی برائی، قباحت اور شناعت تو بڑھ جائے گی لیکن اس کا یہ فعل گناہ کبیرہ ہی رہے گا نہ کہ کفر اکبر بن جائے گا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول کی صحبت میں رہنے والے ایک صحابی عبد اللہ الحمارؓ، شراب نوشی پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے تھے اور اللہ کے رسول نے ان پر کئی دفعہ حد جاری فرمائی یہاں تک ایک دفعہ تنگ آکر بعض صحابہ نے اس پر لعن طعن کی کہ اتنی بار حد نافذ کرنے کے بعد بھی اس عادت کو نہیں چھوڑتے ہو تو اللہ کے رسول نے اس پر لعن طعن کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔

(صحیح بخاری 'کتاب الحدود' باب مایکرہ من لعن شارب الخمر)

پس نص سے ثابت ہوا کہ کسی برائی یا کبیرہ گناہ پر دوام اسے کفر اکبر نہیں بناتا لہذا اگر کسی مسئلے میں میں ایک چیز کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا بھی یہی کہنا ہے تو تشریع عام میں اس گناہ کبیرہ پر ہیشگی کی صورت میں وہ کفر اکبر کیسے بن جائے گی؟۔

اگر کوئی شخص مذکورہ بالا توجیہات پر مطمئن نہ ہو تو پھر ایسے شخص کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقلی و منطقی اعتبار سے شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کا قول، ان کی جلالت علمی کے باوصف، اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ اس قول میں یہ بات شرعی نص کے مخالف ہے۔

انسان کا عمل ہر صورت میں اس کے عقیدے پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی ہر صورت میں عمل کی عقیدے پر دلالت قطعی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص ساری عمر حرام سود کھاتا رہا ہے۔ اب کیا اس کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سود کھانے کو جائز یا اچھا سمجھتا ہے جیسا کہ شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ کے قول میں یہ بات موجود ہے کہ حکمران یا جج ساری عمر غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے کرتا رہا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غیر اللہ کے قانون کو کتاب و سنت سے بہتر سمجھتا ہے۔ کسی عمل پر دوام اور استمرار کسی کے عقیدے کے لیے دلیل کیسے بنتا ہے، یہ بات قابل فہم نہیں ہے۔ زنا کا ارتکاب ایک دفعہ ہو یا کوئی شخص زنا کا عادی مجرم ہو، دونوں صورتوں میں زنا کی حد ایک ہی ہو گی یعنی زنا کے عادی مجرم کے لیے کوئی علیحدہ سے سخت حد نازل نہیں ہوئی ہے، اگرچہ عادی مجرم کا گناہ ایک دفعہ کے مرتکب کے گناہ سے بہت بڑھ کر ہے۔

بحث چہارم

مسئلہ الولاء ولبراء / تعارف

الولاء کا مطلب ہے دوستی یا محبت رکھنا۔
البراء کا مطلب ہے بغض و دشمنی رکھنا۔

اسلام میں دوستی و دشمنی کی بنیاد دین ہے۔اہل ایمان سے محبت اور کفر سے نفرت اسلام کا بنیادی وصف ہے۔

اصلی کفار کی اقسام:

کفار سے تعلق اور معاملات کو سمجھانے کے لیے اصلی کافر(ہندو یہودی صلیبی وغیرہ) کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1-غیر حربی کافر(ذمی اور معاہد): یعنی وہ کافر جو مسلمان ملک میں معاہدے کے تحت امن سے رہیں۔ مثلا: غیر ملکی تاجر اور سفیر وغیرہ

2-حربی کفار: جو کہ مسلمانوں سے جنگ کرتے اور اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں، ایسوں سے قتال کا حکم ہے اور ان سے دوستی رکھنا جائز نہیں۔

غیر حربی کفار سے تعلق:

ایسے کفار سے حسن سلوک کا حکم ہے تا کہ انہیں دین کی دعوت دی جاسکے۔اور جاسوس ذمی کے علاوہ ذمی کا قتل حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" من قتل نفسا معاهدا لم يرح رائحة الجنة، وإن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عاما " [بخاری:۳۱۶۶]

"جس نے کسی ذمی کو قتل کیا، تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا حالانکہ بہشت کی خوشبو چالیس برس کی راہ سے معلوم ہوتی ہے۔"

اور شرح صحیح مسلم میں ہے کہ

"ذمی جاسوس کا قتل جائز ہے" [شرح مسلم۔۶/۳۱۱]

اور جیسا کے نبی نے فرات بن حیان کے قتل کا حکم دیا اور اس وقت وہ ذمی تھے اور ابو سفیان کے جاسوس تھے ۔ (ابو داود:۲۶۵۲)

مگر یاد رہے قتل کا اختیار صرف و صرف حکام کو حاصل ہے، کسی عامی کو اس معاملے کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیئے۔

حربی کفار سے تعلق

حربی کفار سے دوستی رکھنا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی حربی کفار سے دوستی رکھے تو اسلام اس کے عمل کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔کفر اصغر: جس میں انسان کفار سے قلبی دوستی نہ رکھے یعنی اس کے دین کو غلط سمجھ کر کسی ڈر یا مفاد کی وجہ سے دوستی رکھے یہ ارتداد نہیں، بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔

۲۔کفر اکبر: یعنی کفار سے قلبی دوستی رکھنا یعنی ان کے دین کو حق سمجھ کر ان سے دوستی لگانا، یہ ارتداد ہے۔

نوٹ: حربی کفار سے قلبی دوستی ہر گز جائز نہیں، لیکن معاملات اور معاہدات جائز ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے معاہدے کئے اور وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے مقروض تھے۔ [بخاری، کتاب الجہاد]

اگر حربی کافر سے کسی کا معاہدہ ہو تو ایسے شخص کا جنگ میں شامل نہ ہونا جائز ہے جیسا کہ حذیفہ بن یمان کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا- اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے غزوہ بدر میں شامل نہ ہوئے۔ [مسلم:٤٦٣٩]

آیت ولایت سے غلط استدلال

قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدة : ٥١)

”اے اہل ایمان! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو وہ بھی انہی میں سے ہے۔“

کچھ لوگوں نے اس آیت کے ظاہر حکم سے یہ دھوکہ کھایا ہے کہ آج کے حکمران چونکہ کفار سے دوستیاں لگاتے ہیں لہذا یہ انہی میں سے ہیں اور کافر ہوگئے ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال تین وجہ سے غلط ہے۔

1- یہ آیت اعتقادی منافق کے بارے میں اتری تھی، جن کی کفار سے قلبی دوستیاں تھیں اور آج ہمارے پاس کسی کا دل چیک کرنے کا پیمانہ نہیں ہے۔ [تفسیر طبری- تفسیر سورہ مائدہ]

2- موجودہ حکام کی کفار سے دوستی ان کے اسلحہ اور ٹیکنالوجی اور معاشی مضبوطی کے ڈر یا دنیاوی مفاد کی وجہ سے ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے اور کفر اصغر ہے جس سے بندہ مرتد نہیں ہوتا۔

3-اس آیت میں "انہیں میں سے ہے" کا مطلب تکفیر نہیں بلکہ "شدت گناہ" کو سمجھانا ہے ،جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

ومن تشبہ قوم فھو منہم-

"جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہی میں سے ہے۔"

[ابو داود، کتاب الباس]

اب یہ ہر گز انصاف نہیں ہو گا کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو لے کر کسی داڑھی مونڈنے والے کو کفار سے مشابہت رکھنے کیوجہ کافرو مرتد قرار دیا جائے ۔!!!!

دارلحرب اور دارالامن

1-دار الحرب:

مسلمانوں کا ایسا علاقہ یا ملک جہاں کفار حملہ اور قابض ہوں اور ان سے جنگ جاری ہو ۔مثلا: کشمیر ،افغانستان اور فلسطین وغیرہ۔

2-دار لامن:

مسلمانوں کا ایسا علاقہ یا ملک جہاں مسلمان معاشرہ ہو اور حکومت بھی مسلمانوں کی ہو، مثلا: سعودی عرب، پاکستان اور یمن وغیرہ۔

اگر کوئی مسلم مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دے تو میدان حرب اور میدان امن کے حوالے سے اس کا حکم مختلف ہے۔

میدان حرب میں کفار کا ساتھ دینے والے مسلمان (مثلاً: کرزائی اور فاروق عبد اللہ) سے قتال تو ہو گا مگر انکی تکفیر اس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک ان کو ضوابط تکفیر کی بنیاد پر پرکھ نہ لیا جائے جو کہ موجودہ رسالے کے شروع میں بیان کئے گئے ہیں۔

نوٹ: صرف قلبی دوستی ثابت ہونے پہ ہی ارتداد کا حکم لگے گا۔ اور یہ صرف ان اہل علم کا کام ہے جو تکفیر کی شروط اور ضوابط کو باخوبی جانتے ہوں۔

میدان حرب میں حربی کفار کی فوج میں شامل مسلمانوں سے قتال کے دلائل:

1-عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں (دوران جنگ) کفار کے لشکر کے ساتھ نکلتے اور پھر وہ دوران جنگ مسلمانوں کی تلوار سے نہ بچ پاتے اور قتل کر دئے جاتے۔ اللہ نے اس کی مذمت میں سورہ النساء کی آیت اتاری۔

[بخاری کتاب الفتن:۱۹۶۹]

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ .... مَصِيۡرًا۔(النساء :97)

"جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں کمزور شمار ہوتے تھے فرشتے کہیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔"

2- اور جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے چنگیز کی فوج میں شامل مسلمانوں کے بارے میں کہا تھا کہ:
"یا تو یہ شخص فاسق ہو گا یا منافق یا پھر زندیق۔ کوئی حکم نہیں لگے گا لیکن اس کو قتل کیا جائے گا-" [مجموعہ الفتاوی:۲۸/۵۳۷]

یاد رہے: مسلمان دائرہ اسلام سے صرف قلبی دوستی ثابت ہونے کی صورت میں خارج شمار کیا جائے گی۔ اس کے علاوہ دوستی کی جو بھی شکل ہو گی وہ معصیت و گناہ کے زمرے میں تو آئے گی لیکن سبب ارتداد نہیں ہو گی۔

میدان امن میں کفار کا ساتھ دینے کا حکم

اگر کوئی مسلمان میدان امن میں کفار کا ساتھ دے چاہے یہ ساتھ جاسوسی کی شکل میں ہو یا قولی و فعلی تعاون کی کسی بھی دوسری شکل میں تو ایسے کی تکفیر و قتال دونوں جائز نہیں۔ حتی کے اسکی کفار سے دوستی کا قلبی ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے۔

جیسا کہ حاطب بن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔

حالانکہ انہوں نے واضح طور پر اپنے فعل سے مشرکین مکہ کا تعاون کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ مکہ کے منصوبے کی مخبری کی تھی اور ان کا یہ کام کرنے کا مقصد صرف کفار مکہ کو خوش کرنا تھا تاکہ وہ مکہ میں موجود ان کے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔
[بخاری:۳۰۰۸]

یعنی وہ اس کام کو کرنے پر مجبور ہوئے تھے اور انکا اپنا قول "میں یہ کام دین سے اسلام کو چھوڑتے ہوئے نہیں کیا" اس بات کی دلالت ہے کہ انکا یہ تعاون محض اکراہ کی حالت میں تھا اور وہ کفار کے دین سے بیزار تھے۔ لہذا اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہی انکی تکفیر کی اور نہ ہی انکو قتل کیا۔

یاد رہے مدینہ اس وقت علاقہ امن تھا۔ پس اگر کوئی مسلمان علاقہ امن میں کفار سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں تعاون کرتا ہے تو اس کا محض یہ تعاون کفر اکبر وارتداد نہیں بلکہ یہ صرف اسی صورت میں ارتداد ہو گا جب اس کا یہ عمل کفار کے دین کو پسند کرتے ہوئے اور اسلام سے بیزاری اختیار کرتے ہوئے ہو۔ اور سب سے اہم بات، انکے اس عمل کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان پر تکفیر کی شروط لاگو کی تو آپ نے پایا کہ انکا یہ عمل محض دنیاوی مفاد میں مجبور ہو کر تھا نہ کہ دین اسلام کے خلاف، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تکفیر نہیں فرمائی۔

ایک شبہ

آجکل کے تکفیری و خارجی حضرات اس واقعہ پر کئی ایسے شبہات اور اعتراضات اٹھاتے ہیں، ان میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے۔

"حاطب بن ابی بلطہ رضی اللہ عنہ کو بدری ہونے کی وجہ سے معاف کیا گیا"۔

ازالہ:

اس پر ہم پوچھتے ہیں کہ

1-کیا بدریوں کا شرک وکفر معاف ہے؟

حالانکہ کفروشرک تو انبیاء کو بھی معاف نہیں ہے۔

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر:٦٥)

2-اگر بدری صحابی ہونا حدود اللہ سے معافی کا سبب ہے تو دو بدری صحابہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر تہمت لگانے کے جرم میں حد قذف کیوں لگی یعنی 80 کوڑے کیوں مارے گئے تھے؟ [ابوداود:٤٤٧٤]

یہ بات بالکل واضح ہے کہ حدود اللہ صرف و صرف اللہ کی متعین کردہ ہیں اور ان میں تو اللہ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تبدیلی یا تخفیف کا اختیار نہیں دیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بارے میں چوری کی حد کے طور پر ہاتھ کاٹنے کی تنبیہ کرنا تھی۔

اب سوال یہ ہے جب بدری ہونے کہ باوجود تہمت لگانے سے حدود اللہ ساقط نہیں ہوئیں تو حاطب بن ابی بلطہ کا جرم تو اس سے کہیں زیادہ سنگین اور قابل مواخذہ بنتا تھا۔

میدان امن میں کفار کا ساتھ دینے والے مسلمان کے قتل سے اجتناب کی اور دلیل پیش خدمت ہے:

عن فرات بن حيان أن رسول الله أمر بقتله وكان عينا لأبى سفيان وكان حليفا لرجل من الأنصار٢ فمر بحلقة من الأنصار فقال: إنى مسلم. فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله إنه يقول إنى مسلم. فتركه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: إن منكم رجالا نكلهم إلى إيمانهم منهم فرات بن حيان.

فرات بن حیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کا حکم دے دیا اور اس وقت وہ ذمی تھے اور ابو سفیان کے جاسوس تھے لیکن جب انصار کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے تو (قتل سے بچنے کے لیے) کہنے لگے کہ میں تو مسلمان ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہم فرات رضی اللہ عنہ کو ان

کے ایمان کو سپرد کرتے ہیں (یعنی ان کے دعوی اسلام کی وجہ سے قتل سے روک دیا)۔" (ابو داود: ٢٦٥٢)

لہذا علاقہ امن (پاکستان، سعودی عرب وغیرہ) میں کفار کا ساتھ دینے والے مسلمان کے قتل ہاتھ روکے لینا عین اسلامی تقاضا ہے۔!!!!

بحث پنجم

مسئلہ خروج اور مسلم حکام

نیک صالح حکمران کی اطاعت کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1-"مسلم پہ حاکم کی اطاعت فرض ہے الا یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے۔" (بخاری:٧١٤٤)

2-"ایک مسلم پہ حاکم کی بات ماننا اور سننا فرض ہے،چاہے اسے پسند ہو یا ناپسند،ہاں اگر حاکم اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تواس کی وہ بات نہ ماننا۔" (بخاری:٧١٤٤)

3-"جو شخص حاکم کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرے گا۔"(مسلم:١٨٤٨)

نوٹ: احادیث میں حاکم کا لفظ صرف خلیفہ کے لیے نہیں استعمال ہوا،اس شخص کو حاکم تصور کیا جائے گا جس کا سلطہ(یعنی حکومت)چلتا ہو گا۔کیونکہ احادیث کے مطابق خلافت صرف تیس سال رہے گی،اس کے بعد ملوکیت اور جبر کی سیاست ہو گی۔ (ابن حبان:٦٧٨٣)

پھر خلافت کے بعد جب یہ دور آیا تو صحابہ یہ احادیث بیان کر کے

عوام کو اس وقت کے حکام(یزیداور حجاج بن یوسف جیسے حاکموں تک)کی اطاعت کا درس دیتے تھے حالانکہ یہ دونوں خلیفہ نہیں تھے۔

فاسق وفاجر(گنہگار)حاکم کی اطاعت کامسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1-"عنقریب ایسے حکام آئیں گے جن کی بعض باتیں تمہیں اچھی لگیں گی اور بعض بری،پس بری باتوں کو پہچان کر ان سے برات کرنا۔صحابی نے پوچھا کیا ہم ان سے جنگ کریں؟تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:نہیں!جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ [
" مسلم:١٨٥٤]

2-"جسے اپنے حاکم کی کوئی بات بری لگے تو اسے چاہئے کہ اس پر صبر کرے کیونکہ جو سلطان(حاکم)کی اطاعت سے نکل گیا اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرے گا۔" [مسلم:١٨٤٨]

3- سأل سلمة بن يزيد الجعفي رسول اله صلى اله عليه وسلم فقال يا نبي اله أرأيت إن قامت علينا أمراء يسألونا حقهم ويمنعونا حقنا فما تأمرنا فأعرض عنه ثم سأله فأعرض عنه ثم سأله في الثانية أو في الثالثة فجذبه الأشعث بن قيس وقال اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم

"اگر تم پہ ایسے حکام آئیں جو تم سے اپنا حق تو طلب کریں لیکن تمہارا حق ماریں،تو تم ان کی اطاعت کرنا،ان کا کام وہ ہے جو انہیں سونپا گیا(یعنی حکومت)،اور تمہارا کام وہ ہے جو تمہیں سونپا گیا(یعنی حاکم کی اطاعت)۔ ["مسلم:١٨٤٦]

تنبیہ:اگر حاکم کا بے نمازی ہونا ثابت ہوجائے اور باوجود سمجھانے اور وعظ کے نماز کی طرف نہ لوٹے تو اس کے خلاف نکلنے کی کچھ شرائط ہیں جو کہ آگے چل کر بیان ہوں گی۔

ظالم حاکم کی اطاعت کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1-"میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو نہ تو میری سنت پر چلیں گے اور نہ میرے طریقے کی پیروی کریں گے۔ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کے جسم انسانوں کے ہوں گے لیکن دل شیطان کے۔اگر تم ایسے حاکم کا زمانہ پالو تو اپنے حاکم کی اطاعت کرو،چاہے وہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے یا تمہارا سارا مال چھین لے۔" [مسلم:١٨٤٧]

2-"بدترین حاکم وہ ہے جو تم سے نفرت کرےاور تم اس سے،ایسی صورت میں اس کے غلط کام سے نفرت کرنا لیکن اس کی اطاعت نہ چھوڑنا۔" [مسلم:۱۸۵۵]

۳-حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ "اگر تم پہ کوئی حبشی غلام بھی حاکم بن جائے تو اس کی اطاعت کرنا،اگر وہ مارے تو صبر کرنا اور اگر کوئی ایسا کام کرے جس سے تمہارا دین ختم ہو رہا ہو تو اسے کہنا کہ تمہارا خون لے لے لیکن دین کو نقصان نہ پہنچا۔اور کسی بھی حال میں اس کی اطاعت سے نہ نکلنا۔" [السنہ للخلال:۱/۱۱۱]

ظلم کی وجہ سے خروج جائز نہیں۔۔!!

ایک شبہ:

موجودہ حاکم مسلمانوں کو قتل اور مساجد پر حملے کرتے ہیں اس لیے ان کو مارنا جائز ہے۔

ازالہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حاکم کی اطاعت کا حکم دیا ہے نہ کہ خروج کا-

اور موجودہ حاکم ظالم ہیں لیکن ان کا ظلم حجاج بن یوسف کے ظلم سے بڑا تو نہیں ہو سکتا کہ جس نے کسی عام مسجد نہیں بلکہ بیت اللہ پہ منجنیقوں سے حملہ کیا۔

حجاج کے چند مظالم درج ذیل ہیں:

1-"مشہور تابعی جبیر رحمہ اللہ کو اپنے دربار میں ذبح کیا" (طبقات ابن سعد)

2-"کئی ماہ تک مکہ کا محاصرہ کیا اور کعبہ پر منجنیقوں سے پتھر پھینکے جس سے کعبہ کی دیواریں مسمار ہو گئیں"۔

(اعلام النبلا:٣٤٣/٤)

3-"عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سمیت کئی مومنوں کو کعبہ میں شہید کر ڈالا"۔ (اعلام النبلا:٣٤٣/٤)

4-"حجاج بے نمازی تھا"۔ (طبقات ابن سعد:١٦٣/٧)

نوٹ: ان بے انتہا مظالم کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نہ تو حجاج کی تکفیر کی اور نہ ہی خروج کیا،اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے ذاتی اجتہاد کی بنیاد پر حجاج کے خلاف مہم جوئی کی تو باقی صحابہ نے انہیں سمجھایا اور کسی ایک صحابی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

حجاج بن یوسف، صحابہ کرام اور تابعین کی نظر میں

حجاج نے(کعبہ پر حملے سمیت) ایک لاکھ بیس ہزار مومنین کا قتل کیا - (سنن ترمذی)

ان مظالم کی وجہ سے جب لوگ صحابہ کو حجاج کے خلاف خروج کرنے کا کہتے تو اکثر صحابہ کا یہ جواب ہوتا:

1-"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات(خروج سے) سے روکتی ہے کہ اللہ نے میرے بھائی حجاج کا خون میرے اوپر حرام کر دیا ہے۔" (بخاری:٤٥١٣)

2-حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:(حجاج کے مظالم پر)صبر کرو،کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آنے والا سال پچھلے سال سے برا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے۔ (بخاری:٧٠٦٨)

3-مشہور تابعی حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ آپ اس بے نمازی، ظالم اور طاغوت حجاج کے خلاف خروج کا فتوی دیں تو آپ نے جواب دیا:"تم جنگ نہ کرو اگر یہ (حجاج)تم پہ سزا ہے تو تم اس سزا کو تلواروں سے نہیں ہٹا سکتے اور اگر آزمائش ہے تو صبر کرو حتی کہ اللہ فیصلہ کر دے۔" (طبقات ابن سعد)

واقعہ کربلا بارے ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ واقعہ کربلا کو ظالم حاکم کے خلاف خروج کی دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں جو کہ کئی پہلوؤں سے درست نہیں ہے کیونکہ:

1- حسین رضی اللہ عنہ نے اول خروج کا ارادہ کیا تھا، اور بعد میں ترک کر دیا تھا اور یزید کی طرف پیغام بھیجنا چاہا کہ یا تو وہ حسین رضی اللہ عنہ سے صلح کر لے یا اسے واپس مدینے جانے دے۔

اور مزید کہا: میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کروں گا پھر وہ جیسے مناسب ہو کر لے۔ کوفیوں نے ان کا یہ پیغام یزید تک پہنچانے کی بجائے انہیں شہید کر دیا۔ (البدایہ ولنہایہ ۸/۱۷۱)

2-شروع میں جب حسین رضی اللہ عنہ نے جب خروج کا ارادہ کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعن نے انہیں اس سے روکا اور نصیحت کی جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سر فہرست تھے۔

اور جب حسین رضی اللہ عنہ مدینے سے نکلنے لگے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: " بھتیجے اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم رک جاوگے تو میں تمہارے رستے میں لیٹ جاتا۔" (تاریخ طبری: ۲/۱۹۱، البدایہ والنھایہ: ۸/۱۲۲)

مسلم حکام کے خلاف خروج اور آئمہ سلف

1-امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے دور میں خلیفہ مامون نے کفریہ عقیدہ خلق قرآن نافذ کر رکھا تھا، اس نے امام صاحط پہ ظلم کے پہاڑ توڑے، جیل بھیجا اور کوڑے مارے لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صبر کیا اور نہ تو خروج کا فتوی دیا اور نہ ہی کفریہ عقیدہ خلق قرآن کے حق میں فتوی دیا بلکہ اس خلیفہ کے خلاف جب خرمیوں نے بغاوت کی تو امام احمد رحمہ للہ نے اسے فتوی قرار دیا اور ان کے خلاف قتل کا فتوی بھی دیا۔ (الشرعیہ:٥٢٥/١،الخلال فی السنہ:١٢٠)

2-امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

"کچھ لوگوں نے علم ضائع کر کے زیادہ عبادت کی کوشش کی اور امت محمد پہ خروج کیا، حالانکہ اگر وہ علم کو تلاش کرتے تو وہ انہیں اس کام سے روک دیتا۔" (مفتاح دار السعادہ:١٩٩/١)

3-امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:"تاریخ اسلامی میں جب بھی خروج ہوا ہے تو اس سے پیدا ہونے والا شر اور فتنہ خیر سے کہیں زیادہ تھا۔" (منھاج السنہ:٢٣١/٤)

مسلم حکام کے خلاف خروج اور امام الدعوہ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ

کچھ لوگوں کا یہ دعوی ہے کہ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے خروج کیا تھا۔ یہ دعوی صد فیصد غلط ہے۔

1- شیخ نے قتال خود نہیں کیا بلکہ حاکم کے ساتھ مل کر صرف ان مشرکین سے قتال کیا جن پت تکفیر معین کی شرائط کے اطلاق کے بعد ارتداد کا حکم لگایا جا چکا تھا اور وہ مشرکین ان پر پہلے حملہ آور ہوئے تھے۔ اور حاکم ہی کے تحت رہتے ہوئے حاکم سے ہی حدود اللہ کے نفاذ کا فریضہ ادا کروایا۔

2- ابن معمر جو کہ عینیہ کا حاکم تھا، کو دعوت دی تو اس نے قبول کر لی اور پھر الشیخ کے کہنے پر اللہ کی شریعت بھی نافذ کر دی۔ لیکن بعد میں پھر وہ بیرونی حکومتوں کے دباو اور لالچ کی بنیاد پر منحرف ہو گیا اور حدود اللہ کو ساقط کر دیا اور حتی کے شیخ کو علاقہ بدر کرتے ہوئے ان کے قتل تک کا حکم دے ڈالا۔ لیکن شیخ نے نہ تو ان اعمال پر اس کی تکفیر کی اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی مسلح خروج کی تحریک بپا کی، بلکہ اس علاقے سے خاموشی کے ساتھ ہجرت کر گئے۔

3- جب قتال کی نوبت آئی تو شیخ محمد بن عبد الوھاب نے حاکم کی قیادت

میں توحید الوہیت کی بنیاد پر قتال کیا۔ اور ہم ایک بھی ایسی جھڑپ یا معرکہ نہیں جانتے جو الشیخ نے توحید حاکمیت کی بنیاد پر مسلم حکمرانوں سے لڑا ہو۔

(بحوالہ: کتاب محمد بن عبدالوہاب ایک بدنام اور مظلوم مصلح)

نوٹ: دور حاضر کے تکفیری و خارجی حضرات، جو بڑی ڈھٹائی سے خود الشیخ کے منہج کا پیرو قرار دیتے ہیں مگر انکا ایک بھی طریق الشیخ کے منہج سے میل کھاتا نظر آتا۔۔

بے نماز یا مرتد حکام کے خلاف خروج کی شرائط

اگر حاکم کوئی صریح کفریہ عمل کرے تو اس کی تکفیر اور خروج سے پہلے یہ شرائط دیکھنی ہوں گی:

1- ضوابط تکفیر :

اگر حاکم کوئی صریح کفریہ عمل کرے تو اسکی معین تکفیر سے پہلے ضوابط تکفیر کی تمام شرائط (جہل، جبر، اکراہ، تاویل) دیکھی جائیں گیں جو کہ موجودہ رسالے میں ضوابط تکفیر کی بحث میں بیان کی گئی ہیں۔

2- تکفیر سے پہلے تطہیر اور اصلاح:

اگر کوئی مسلمان حکمران کے بے نمازی ہونے کا قوی یقین ہو تو اسکی تکفیر اور اسکے خلاف خروج سے پہلے علماء کی ایک جماعت اس کو نماز کے فضائل اور اس کو ترک کرنے کا گناہ سمجھائے گی- حکمران کو علماء کی ایک جماعت نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ نماز کے فضائل بتلائے اور اس کو نہ پڑھنے کی وعید سنائے۔ اور نماز نہ پڑھنے کی صورت میں حکمران کو اس کا شرعی مقام بھی بتلایا جائے۔ اگر پھر بھی حکمران نماز نہ پڑھنے پر مصر ہو تو اسے بتلایا جائے کہ اب تمہارے خلاف مسلمانوں کا خروج فلاں احادیث کی بنیاد پر جائز ہے۔

بطور مثال مندرجہ ذیل واقعات پر غور کریں:

1- نبی کریم ﷺ غزوہ حنین سے واپس آرہے تھے راستے میں مشرکین کی ایک بیری (کے درخت) جسے وہ "ذات انواط" کہتے تھے (اور اس کو متبرک سمجھتے تھے) کے پاس سے گزرے تو بعض نئے نئے مسلمان ہونے والے (یعنی دین کے مسئلے میں لاعلم) صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی:

[یا رسول اللہ ﷺ اجعل لنا ذات انواط کمالھم ذات انواط]

"ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط (بیری کا درخت) مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے پاس ایک ذات انواط ہے۔"

آپ ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا: تم نے مجھ سے وہی مطالبہ کیا ہے جو قوم موسیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: [اجعل لنا الھا کما لھم الھة]

"ہمارے لیے بھی ایک معبود مقرر کر دیجئے جس طرح ان کے پاس ایک معبود ہے"

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: [انکم قوم تجھلون]

"تم ایک جاہل قوم ہو۔" (جامع الترمذی, مسند احمد)

غور کیجئے! اللہ رب العالمین کے مقابلہ میں نئے الٰہ کا مطالبہ بغاوت و شرک ہے یا نہیں ؟ نبی ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی یا ان پر فتویٰ کفر داغ کر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا؟

2- اسی طرح ایک اور مثال ملاحظ فرمائیں:

اسلام میں نہ صرف زنا حرام ہے بلکہ زنا کے قریب جانا بھی حرام ہے لیکن ایک نوجوان صحابی نبی ﷺ کے پاس آیا۔ اور آکر عرض کیا۔ مجھے زنا کی اجازت دیجئے!

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری بہن، ماں، خالہ، پھوپھی یا بیٹی کے ساتھ کوئی بدکاری کرے؟

اس نے کہا: نہیں!

پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے قریب کیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا کی:

[اللهم اغفر ذنبه و طهر قلبه و حصن فرجه]

”اے اللہ اس بندے کے گناہ معاف کر دے اور اس کے دل کو پاک وصاف کر دے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔“

صحابہ کرام بیان فرماتے ہیں: اس کے بعد اس کو گلی کوچوں میں کبھی نظر اونچی کر کے چلتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔(مسند احمد، سلسلہ صحیحہ)

3- اسی طرح معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کر دیا، تو آپ ﷺ نے کہا: [**ما هذا يا معاذ ؟**] ”اے معاذ! یہ کیا ہے ؟“ تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، میں نے شام میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں اور بڑوں کو سجدہ کرتے اور اس کے لئے (بطور دلیل) اپنے انبیاء کا تذکرہ کرتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[**يا معاذ، لو أمرت أحدًا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها**]

”اے معاذ! اگر میں کسی کے لئے کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، اس کے اس پر عظیم حق ہونے کی وجہ سے ۔“

اور آپ ﷺ نے فرمایا : [**يا معاذ، أرأيت لو مررت بقبري أكنت ساجدًا لقبري، قال: لا. قال: فإنه لا يصلح السجود إلا لله.**] **أو كما قال.**

”اے معاذ! تیرا کیا خیال ہے اگر تو میری قبر سے گزرے، تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً سجدے کسی کے لئے بھی درست نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے“

ان سب واقعات پر غور کریں! پہلے واقعہ میں بعض لوگوں سے ایک شرکیہ بات کا صدور ہوا لیکن نبی ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی دوسرے میں ایک حرام عمل کی اجازت طلب کرنے پر آپ ﷺ نے فطری انداز سے اصلاح تو فرمائی لیکن تکفیر و تفسیق کا پہلو اختیار کرنے میں اجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا جس طرح آج کل ہمارے معاشرے میں رائج ہے۔

3۔ خروج کی استطاعت ہو:

خروج سے پہلے استطاعت دیکھی جائے گی۔ کہ کیا اتنی اہلیت موجود ہے کہ خروج کامیاب ہو اور حاکم وقت معزول کیا جاسکے۔ اگر اور حاکم وقت کو معزول کرنے کی استطاعت نہ ہو تو خروج جائز نہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

1- لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلاَّ وُسْعَهَ [البقرة : 286]

اللہ ایسا نہیں کہ کسی نفس پر اسکی استطاعت سے زیادہ بوجھ ڈالے۔

2- فاتقوا الله مستطعتم (سورہ تغابن،آیہ ۱4)

"اتنا تقویٰ اختیار کرو جتنی تمہاری استطاعت ہو"

نوٹ: اس ضمن میں ائمہ و سلف کے اقوال بھی موجود ہیں جو کہ آگے بیان کئے جائیں گے۔

4- کفر پہ اتفاق ہو:

جس عمل کی وجہ سے کی تکفیر کی جا رہی ہو،اس کے کفر ہونے پہ علماء میں اتفاق یعنی ہو۔ محض ظن کی بنیاد پہ تکفیر حرام ہے۔ کیونکہ یہ ایک شخص کے ایمان و جان کا مسئلہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دَع مَا یَرِیبُکَ إلی مَا لاَ یَرِیبُکَ فَإن الصِّدقَ طُمَأنِینَۃٌ وَإِنَّ الکَذِبَ رِیبَۃٌ- (سنن نسائی:5714)

"شک والی چیز کو چھوڑ دو۔ اور جس معاملے میں شک نہ ہو اسے لے لو- اور سچ میں اطمینان ہے اور جھوٹ شک والی چیز ہے "

لحاظہ اگر کسی عمل کے کفریہ ہونے پر علماء میں اختلاف ہو جائے اور یوں معاملہ شک میں پڑ جائے تو اس صورت میں تکفیر و خروج سے اجتناب ضروری ہے۔

5- فتنہ وفساد کا خدشہ نہ ہو:

خروج میں مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر قتل وغارت'فتنہ و فساد اور امن و امان کی تباہی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو ایک شر کو ختم کرنے کا ارادہ ہو اور الٹا اس سے بڑا شر وفساد کھڑا ہو جائے- اگر ایسا ہو تو ظالم'بے نماز اور مرتد حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں ہو گا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلاً كَرِيمًا

"اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرھیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے،تو تمھاری چھوٹی موٹی برائیاں ہم ویسے ہی ساقط کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔" (النساء:31)

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کی عبادت کرتے دیکھا تو ہارون علیہ السلام کو ڈانٹتے ہوئے کہا:

قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا- أَلاَّ تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي- قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي

"تم نے جب دیکھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارون نے جواب دیا:"اے میری ماں کے بیٹے!میری داڑھی نہ پکڑ اور نہ ہی میرے سر کے بال کھینچ'مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا:تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈالی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔" (طٰہٰ:92-94)

اس واقعے میں حضرت ہارونٰ علیہ السلام کے عمل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے قوم میں پھوٹ اور فتنہ وفساد کے ڈر سے کفر وشرک کو ہاتھ سے نہ روکا- اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے اس عذر کو بعد ازاں قبول کیا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

"اگر تمہاری قوم سے تمہیں پہنچنے والے شر کا مجھے خوف نہ ہو تو میں کعبہ کو ابراھیمی بنیادوں پر دوبارہ (گرا کر) تعمیر کروں۔" (بخاری:3368)

نیز حجاج بن یوسف بے نمازی تھا، لیکن فتنوں کے پیدا ہونے کے ڈر سے صحابہ کرام لوگوں کو خروج سے روکتے تھے۔

الشیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مهما كان الأمر الخروج على الحاكم ولو كان كفره صريحا مثل الشمس له شروط فمن الشروط أن لايترتب على ذلك ضرر أكبر بأن يكون مع الذين خرجوا عليه قدرة على ازالته بدون سفك دماء أما اذا كان لا يمكن بدون سفك دماء فلا يجوز لأن هذا الحاكم الذى يحكم بما يقتضى كفره له أنصار و أعوان لن يدعوه ...لو فرض أنه كافر مثل الشمس فى رابعة النهار فلا يجوز الخروج عليه اذا كان يستلزم اراقة الدماء واستحلال الأموال".

"جیسا بھی معاملہ کیوں نہ ہو، چاہے حکمران کا کفر سورج کی طرح روشن ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کے خلاف خروج کی کچھ شرائط ہیں۔ پس ان شروط میں ایک شرط یہ ہے کہ اس خروج کے نتیجے میں کوئی بڑا ضرر مرتب نہ ہو رہا ہو یعنی جو لوگ حکمران کے خلاف خروج کر رہے ہیں' ان کے پاس بغیر مسلمانوں کی خون ریزی کیے حکمران کو ہٹانے کی قوت و طاقت موجود ہو۔ پس اگر حکمران کو بغیر مسلمانوں کی خونریزی کے ہٹانا ممکن نہ ہو تو یہ خروج جائز نہ ہو گا کیونکہ وہ حکمران جو ایسے فیصلے کرتا ہے جو اس کے کفر کے متقاضی ہیں' اس کے بھی اعوان و انصار ہوتے ہیں... پس اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ حکمران دن چڑھے سورج کی طرح کافر ہو گیا ہے تو پھر بھی اس کے خلاف خروج اس صورت میں جائز نہیں ہو گا کہ جو صورت مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کے مال کو حلال کرنے کو مستلزم ہو۔ "

شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فاذا کانت ھذہ الطائفة التی ترید ازالة ھذا السلطان الذی فعل کفرا بواحا ویکون عندھا قدرة علی أن تزیلہ وتضع اماما طیبا دون أن یترتب علی ذلک فساد کبیر علی المسلمین وشر أعظم من شر ھذا السلطان فلا بأس' أما اذا کان الخروج یترتب علیہ فساد کبیر واختلال الأمن وظلم الناس واغتیال من لا یستحق الاغتیال الی غیر ھذا من الفساد العظیم ھذا لا یجوز بل یجب الصبر والسمع والطاعة فی المعروف ومناصحة ولاة الأمور والدعوة لھم بالخیر

والاجتهاد في تخفيف الشر وتقليله وتكثير الخير وهذا هو الطريق السوي الذي يجب أن يسلك لأن في ذلك مصالح المسلمين عامة ولأن في ذلك حفظ الأمن وسلامة المسلمين من شر أكثر".

"پس اگر وہ گروہ جو کہ کفر بواح کے مرتکب حکمران کو معزول کرنا چاہتا ہے اور اس گروہ کے پاس اس حکمران کو معزول کرنے اور اس کی جگہ صالح حکمران کی تقرری کی قدرت وصلاحیت ہو بشرطیکہ اس عمل میں مسلمان کسی بڑے فساد کا شکار نہ ہوں اور اس عمل کے نتیجے میں کوئی ایسا شر پیدا نہ ہو جو حکمران کے شر سے بڑھ کر ہو تو پھر اس خروج میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر اس خروج کے نتیجے میں کوئی بڑا فساد پیدا ہو رہا ہو اور امن و امان تباہ ہو جائے اور لوگوں پر ظلم اور بے گناہوں کا اندھا دھند قتل عام بڑھ جائے اور اس سے بڑا کوئی فساد برپا ہو جائے تو پھر ایسا خروج جائز نہیں ہے بلکہ اس صورت میں صبر کرنا اور حکمران کی معروف میں اطاعت کرنا اور ان حکمرانوں کو نصیحت کرنا اور ان کو خیر و بھلائی کی دعوت دینا اور ان کے شر کو کم کرنے کی کوشش کرنا اور ان کے خیر کو بڑھانے میں محنت کرنا واجب ہے۔ یہی وہ سیدھا رستہ ہے کہ جس پر چلنا ہمارے لیے واجب ہے کیونکہ اسی رستے پر چلنے میں مسلمانوں کی مصلحت عامہ ہے اور اسی طریقے کو اختیار کرنے میں امن و امان کی بقاء اور بڑے شر سے مسلمانوں کی سلامتی ہے۔"

اسی رائے کا اظہار شیخ صالح الفوزان نے بھی کیا ہے۔

علماء نے عدم خروج کی حکمت کے طور پر اسی وجہ کو بیان کیا ہے۔ لہذا ہر ایسا خروج کہ جس میں فتنہ و فساد اور مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت ہو 'علماء اس کے مخالف ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خروج کی حرمت کا سبب ہی یہی ہے کہ اس سے مسلمانوں میں باہمی قتل و غارت کا رستہ ہموار ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

'قال العلماء وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج عليه ما يترتب على ذلك من الفتن و اراقة الدماء وفساد ذات البين فتكون المفسدة فى عزله أكثر منها فى بقائه."[79]

"علماء نے کہا ہے کہ (ظالم و فاسق) حکمران کے معزول نہ ہونے کا سبب اور اس کے خلاف خروج کی حرمت کی علت یہ ہے کہ اس قسم کے خروج سے فتنے جنم لیں گے اور مسلمانوں کا خون بہایا جائے گا اور مسلمانوں میں باہمی فساد پیدا ہو جائے گا۔ پس حکمران کو معزول کرنے میں جو فساد ہے وہ اس کے باقی رہنے سے بڑھ کر ہے۔ "

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسے خروج سے صبر بہتر ہے کہ جس سے مسلمانوں میں فتنہ و فساد ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

---

[79] ۔(شرح النووی : جلد۱۲، 2ص۲۲۹' دار احیاء التراث العربی' بیروت 'الطبعة الثانية' ۱۳۹۲' كتاب الامارة' باب وجوب طاعة الأمراء فى غير معصية)

"وأما لزوم طاعتهم و ان جاروا فلأنه يترتب على الخروج عن طاعتهم من المفاسد أضعاف ما يحصل من جورهم ."[80]

"اگرچہ وہ حکمران ظلم کریں' پھر بھی ان کی اطاعت لازم ہے' یہ اس وجہ سے ہے کہ ان کی اطاعت سے نکل جانے میں جو فساد و بگاڑ ہے وہ اس فساد سے کئی گناہ زیادہ ہے جو ان کے ظلم کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے۔ "

ابن بطال نے بھی عدم خروج کی یہی حکمت بیان فرمائی ہے۔

"وأن طاعته خير من الخروج عليه لما فی ذلک من حقن الدماء وتسكين الدهماء."[81]

"اوراس (یعنی ظالم حکمران) کی اطاعت ،اس کے خلاف خروج سے بہت بہتر ہے کیونکہ اس اطاعت کے ذریعے بہت ساخون گرنے سے بچایا اور باہمی اختلاف کرنے والی جماعتوں کو سکون میں لایا جاسکتا ہے۔ "

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کسی شر کو ختم کرنے کے لیے امت مسلمہ میں جتنے بھی خروج ہوئے ہیں ان سے شر بڑھا ہی ہے۔وہ لکھتے ہیں

---

[80] ۔(شرح العقيدة الطحاوية لابن أبی العز الحنفی : ص٣٧٣۔٣٧٤' الرئاسة العامة لدارات البحوث العلمية و الافتاء و الدعوة و الارشاد' الرياض' ١٤١٣ھ)

[81] ۔(فتح الباری : جلد١٣، ص٧' دار المعرفة بيروت' ١٣٧٩ھ' كتاب الفتن ' باب قول النبیؐ سترون بعدی أمورا تنكرونها)

"وقل من خرج على امام ذی سلطان الا کان ما تولد علی فعلہ من الشر أعظم مما تولد من الخیر."[82]

"اور جس نے بھی کسی صاحب اختیار حکمران کے خلاف خروج کیا تو اس کے اس خروج سے پیدا ہونے والا شر' اس سے پیدا ہونے والی خیر سے بہت بڑھ کر تھا۔"

ایک اور جگہ امام صاحب فرماتے ہیں:

"لأن الفساد فی القتال و الفتنۃ أعظم من الفساد الحاصل بظلمھم بدون قتال ولا فتنۃ فلا یدفع أعظم الفسادین بالتزام أدناھما ولعلہ لا یکاد یعرف طائفۃ خرجت علی ذی سلطان لا و کان فی خروجھا من الفساد أکثر من الذی فی ازالتہ." [83]

"کیونکہ حکمرانوں سے قتال اور اس سے پیدا ہونے والے فتنے کے حالات میں جو فساد حاصل ہوتا ہے وہ بغیر قتال و فتنے کے حالات میں حکمرانوں کے ظلم و ستم سے حاصل ہونے والے فساد سے بڑھ کر ہے۔ پس دو فسادوں میں سے اَدنیٰ فساد کو اختیار کرتے ہوئے بڑے فساد کو دور کیا جائے گا۔ اور یہ اس وجہ

---

[82] ۔(منهاج السنة النبوية : جلد ٤٣١٤ ' مؤسسة قرطبة)

[83] ۔(منهاج السنة النبوية : جلد٣، ص٢٣٠ 'مؤسسة قرطبة)

سے بھی ہے کہ (تاریخ اسلامی میں) جس گروہ نے بھی کسی حکمران کے خلاف خروج کیا ہے تو اس کے خروج سے اس سے بڑھ کر فساد پیدا ہوا ہے جو کہ اس حکمران کی موجودگی میں تھا۔ "

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُمت مسلمہ کا کسی ظالم حکمران کے ساتھ ساٹھ سال گزارنا' بغیر امام کے ایک رات گزارنے سے بہتر ہے۔ امام صاحب اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ظالم حکمران کے خلاف خروج کی صورت میں اُمت مسلمہ باہمی جنگ و جدال کا شکار ہو جائے اور کسی امام یا اجتماعیت ہی سے محروم ہو جائے تو یہ فتنہ اس سے بہت بڑا ہے کہ وہ امت کسی ظالم امام کی قیادت میں مجتمع ہو۔ وہ فرماتے ہیں

"ولھذا روی: أن السلطان ظل اللہ فی الأرض ویقال: ستون سنة من امام جائر أصلح من لیلة واحدة بلا سلطان والتجربة تبین ذلک. ولھذا کان السلف کالفضیل بن عیاض وأحمد بن حنبل وغیرھما یقولون: لو کان لنا دعوة مجابة لدعونا بھا السلطان."[84]

"اسی وجہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حکمران زمین میں اللہ کا سایہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ظالم حکمران کے ساتھ ساٹھ سال گزارنا بغیر حکمران کے ایک رات گزارنے سے بہتر ہے اور تجربہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے۔ اسی

---

[84]۔(مجموع الفتاوی : جلد۲۸، ص۳۹۰)

وجہ سے سلف صالحین، فضیل بن عیاض اور امام اَحمد بن حنبل وغیرہ کہا کرتے تھے: اگر ہماری کسی دعا کو بارگاہ الہی میں شرف قبولیت کا پروانہ عطا ہوتا (یعنی ہمیں یہ کہا جاتا کہ تم مانگو تمہاری ایک دعا تو کم از کم لازماً قبول کی جائے گی) تو ہم ضرور حکمران کی اصلاح کی دعا کرتے۔ "

قرآن و حدیث اور ائمہ سلف کے ان اقوال پر غور کریں اور اس کے بالمقابل جہادی تحریکوں سے وابستہ ان جذباتی نوجوانوں کی عقل کا ماتم کریں، جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ پاکستان میں پاک آرمی کا کنٹرول ہو یا انڈیا کی آرمی کا یا امریکہ کا 'تینوں طاغوت ہیں لہذا ہمارے لیے برابر ہے۔ پس پاکستانی حکومت کو کمزور کرو' چاہے اس کے نتیجے میں یہاں امریکہ یا انڈیا قابض ہو جائے پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ پہلے بھی طاغوت کی حکومت ہے اور امریکہ و انڈیا کے قبضے کے بعد بھی طاغوت ہی کی حکومت ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرق ہو گا کہ ایک طاغوت کی جگہ دوسرا طاغوت لے لے گا۔ تکفیر کرنے والے کئی ایک نوجوانوں کو ہم جانتے ہیں کہ جن کے افکار و نظریات بالکل ایسے ہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ را اور سی۔ آئی۔ اے کے آلہ کاروں نے جہادی تحریکوں میں گھس کر مسلمان نوجوان کی ایسی برین واشنگ کر دی ہے کہ وہ جہاد کے نام پر امریکہ اور انڈیا کے پاکستان پر قبضے کو شرعی سند جواز عطا کر رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تنبیہ: جہاں تک کافر حکمران کا معاملہ ہے تو اس کے خلاف خروج یا بغاوت کی نہیں بلکہ جہاد کی اصطلاح ہے۔ لہذا کافر حکمران اگر کسی مسلمان ملک پر غاصبانہ قبضہ کر لے تو اس کے خلاف جہاد ہو گا۔ مرتد حکمران کے

خلاف خروج کی اصطلاح اس لیے استعمال کی گئی ہے کہ وہ اور اس کے لاؤ لشکر اور پیروکار اس کو مسلمان سمجھ رہے ہوتے ہیں اور کلمہ شہادت کا اقرار بھی کرتے ہیں جبکہ علماء کا اجتماعی فتویٰ حکمران کے بارے میں تو تکفیر کا ہوتا ہے لیکن اس کے سارے لاؤ لشکر کی تکفیر ایک ناممکن امر ہے۔

اگر اس سب کچھ کے باوجود حکمران نماز نہ پڑھنے پر مصر رہے تو اس کے خلاف خروج اس صورت میں جائز ہو گا جبکہ اس خروج کی اہلیت و استطاعت ہو اور اس خروج میں مسلمانوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام یا فساد فی الارض یا امن و امان کی تباہی کا اندیشہ نہ ہو۔ یعنی اگر بغیر کسی بڑے فتنے و فساد کے، ایسے حکمران سے نجات اور صالح حکمران کی تقرری ممکن ہو تو ایسا خروج جائز ہو گا۔ اس مسئلے میں وارد ہونے والی احادیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا خروج جائز ہے یعنی مباح ہے 'واجب نہیں ہے۔

دفاعا لڑنے اور حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے والی حدیث سے غلط استدلال

کچھ لوگوں نے ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے اور دفاع لڑتے ہوئے شہید ہونے والی حدیث سے استدالال کیاہے کہ ظالم حاکم کے خلاف خروج درست ہے۔ یہ استدلالِ غلط ہے۔ کیونکہ

1-ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حکم ضرور ہے لیکن اس کلمہ حق کو تلوار حق بنانے کا حکم ہر گز نہیں۔ کلمہ حق کہنے کی وجہ سے ظلم پہ صبر کیا جائے گا۔ حجاج کو دور میں صحابہ نے مجموعی موقف اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دیگر آئمہ کی سیرت ہمارے سامنے ہے۔

2-دفاعا لڑنے والی حدیث چوروں،ڈاکووں اور باغیوں کے خلاف دفاعا لڑنے کی دلیل ہے،نہ کہ ظالم حاکم کے خلاف۔

اگر یہ حدیث ظالم حاکم کے خلاف خروج کی دلیل بنتی ہوتی تو صحابہ اجتماعی طور پر حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کا فتوی دیتے۔

ظالم حاکم کے ظلم پہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا حکم دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اسی رسالے میں خروج کی بحث میں ظالم حاکم کی اطاعت پہ احادیث دیکھیے۔

بحث ششم

طاغوت

قرآن و سنت میں کئی انسانوں کو طاغوت کہا گیا ہے۔

۱-کاہن، جادوگر، شیطان (یاسین: ٦٠، بخاری: ٤٥٨٣)

۲-اپنی پوجا کروانے والے اور خدائی کا دعوی کرنے والے مثلا: فرعون اور نمرود- (النبیاء: ۲۹)

۳-ایسا حاکم جو اسلام (کو حقیر جان کر اس) کے مطابق فیصلے نہ کرے اور ایسے فیصلوں کی پیروی کرواکر خوش اور راضی ہو۔ (النساء: ٦٠)

امام ابن القیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں افتاء اور اس کی شروط، مفتی اس کی قابلیت اور فتویٰ دینے کا طریقہ اسے افراد جو کتاب و سنت کی واضح نصوص کے مقابلہ میں محض رائے سے فتویٰ دیتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے طاغوت کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

"والطاغوت كل ما تجاوز به العبد حده من معبود او متبوع او مطاع فطاغوت كل قوم من يتحاكمون اليه غير الله ورسوله او يعبدونه من دون الله او يتبعونه على غير بصيرة من الله او يطيعونه ميفما لا يعلمون انه طاعة لله

(اعلام الموقعین ص44 مطبوعہ دار طیبہ ریاض، مترجم ص52 جلد1 مطبع مکتبہ قدوسیہ)

"اور طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی حد تجاوز کر جائے خواہ عبادت میں یا اتباع میں یا اطاعت میں ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے فیصلہ کے لیے رجوع کرتے ہیں یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں یا اللہ کی طرف سے دی ہوئی بصیرت کے بغیر اس کی پیروی کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سواء اس کی اطاعت ہے"

امام ابن قیم کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ مفتی یا عالم قاضی یا کسی گروپ کا وہ لیڈر جس کی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کے مقابلے میں اطاعت، اتباع اور بندگی کی جائے وہ طاغوت کی زمرہ میں آتا ہے۔

لہذا وہ تمام اہل الرائے کے مفتی، مولوی، پیر و مرشد بھی طاغوت کی تعریف میں شامل ہو جائیں گے جن کا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مقابلے میں ہو گا۔ ایسے فتوے ماننے والے طاغوت پرست کہلائیں گے۔

طاغوت کی آسان تعریف یہ ہے: "ہر وہ شخص جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہو اور وہ اس پر راضی ہو"۔

(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/۲۰۰، اصول ثلاثہ للمحمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ)

<u>نوٹ</u>: اس چیز میں اختلاف ہے کہ کیا ہر طاغوت کافر ہے یا نہیں، اور بعض اوقات کئی علما طاغوت کے لفظ کو اسکے لغوی مفہوم یعنی "سرکش" کے معنوں میں بھی استعمال کرتے ہیں اور انکی اس سے مراد اس شخص کی تکفیر نہیں ہوتی۔ لیکن راجع موقف یہی ہے کہ طاغوت عام کفر سے بڑھ کر بڑے کفر میں

مبتلا شخص کو کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کو طاغوت کہنا اس کی تکفیر کرنا ہی ہے۔ لہذا کسی شخص پہ طاغوت کا حکم لگانے سے پہلے تکفیر کے اصول وضوابط کو سامنے رکھا جائے گا، جو کہ موجودہ رسالے میں ضوابط تکفیر کے باب میں بیان کی گئی ہیں۔

طاغوت کے متعلق احکام

1-طاغوت کا انکار (یعنی اس کے کفر کا انکار) فرض ہے- (البقرہ:٢٥٦)

2-طاغوت کو دین میں دعوت دینے کا حکم اللہ نے انبیاء کو دیا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ سلام کو فرعون جیسے طاغوت کو دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ { **اذهبا إلى فرعون إنه طغى** } (النازیات:١٧)

3-حکام میں سے صرف وہ حاکم طاغوت کہلائے گا جو شریعت کو حقیر جان کر چھوڑے اور کسی اور شریعت کو اسلام سے افضل جان کر اس کے مطابق فیصلے کرے اور اسکی پیروی کروا کر خوش اور راضی ہو۔

4-ایسا حاکم جو شریعت کو حق مانے لیکن دنیاوی لالچ یا کسی اور وجہ سے اس کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسا شخص نہ تو طاغوت ہے اور نہ ہی کافر۔ تفصیل کے لیے اسی رسالے میں مسئلہ تحکیم کا باب دیکھیے۔

5-بالفرض اگر ہر شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ہر شخص کو طاغوت ہی کہا جائے تو اس فتوے کی زد میں امت کے بہت بڑے گروہ آئے گے۔جو قرآن وسنت میں مسئلہ واضح ہونے کے باوجود اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے،جیسا کہ آل تقلید کا حال ہے۔ تفصیل کے لیے اسی رسالے میں مسئلہ تحکیم کی بحث دیکھئے۔

طاغوت سے فیصلہ کروانا

کیاموجودہ عدالتوں کی طرف رجوع ہر صورت میں تحاکم الی الطاغوت ہے؟

بعض لوگ سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ جو شخص ان عدالتوں کی طرف رجوع کرتا ہے وہ طاغوت کا پجاری اور شریعت اسلامیہ سے خارج ہے (کیونکہ فیصلہ کروانا عبادت ہے جب اس نے غیر شرعی عدالت سے فیصلہ کروایا گویا اس نے اس کی عبادت کی)حالانکہ جب سلطہ والی (خود مختار،اختیارات والی) شرعی عدالتیں موجود نہ ہوں تو اپنے جائز حقوق کے لئے غیر اسلامی عدالتوں سے فیصلہ کروانا نہ صرف جائز ودرست ہے بلکہ انبیاء و صالحین کا طریقہ بھی ہے (جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دربار نجاشی میں پیش ہونا)ہاں اگر معاشرہ میں بااختیار اسلامی شرعی عدالتیں موجود ہوں اور ان کے مدمقابل غیر شرعی اور غیر اسلامی عدالتیں قائم ہوں تو محض لوٹ کھسوٹ یا اپنے حق میں ناجائز فیصلہ لینے کے لئے اسلامی بااختیار عدالت کو چھوڑ کر ایسی عدالت میں جانا حرام ہے۔

جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں کیا ہے:

(أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزۡعُمُونَ أَنَّهُمۡ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدۡ أُمِرُوٓاْ أَن يَكۡفُرُواْ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمۡ ضَلَٰلَۢا بَعِيدٗا) (النساء:60)

"کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا ہے چاہتے یہ ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے انہیں گمراہ کر دے بہت دور کا گمراہ کرنا۔"

آیت کا پس منظر و شان نزول:

اس آیت میں طاغوت سے مراد کاہن یا کعب بن اشرف یہودی ہے جن سے کافر لوگ اپنے فیصلے کرواتے تھے جیسا کہ مشہور تابعی امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ایک اسلام کے دعویدار آدمی (مسلمان) اور یہودی کا آپس میں جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا کہ میں تیرا فیصلہ تیرے دین والوں سے کرواتا ہوں یا کہا کہ تیرے نبی (محمد ﷺ) سے کرواتا ہوں کیونکہ وہ یہودی جانتا تھا کہ نبی ﷺ فیصلہ وغیرہ رشوت نہیں لیتے اور برحق فیصلہ کرتے ہیں اور فیصلہ کروانے میں ان دونوں کا تنازع ہو گیا پھر وہ دونوں جھینہ قبیلے کے ایک کاہن سے فیصلہ کروانے پر متفق ہو گئے تو تب یہ آیت نازل ہوئی ۔ (تفسیر طبری ،ص:926،ج:3،رقم:9918)

طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی:

مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد امام مجاہد قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”ایک منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا ہو گیا تو منافق آدمی نے کہا تو ہمارے ساتھ کعب بن اشرف کے پاس چل اور یہودی نے کہا: نہیں، تو ہمارے ساتھ نبی ﷺ کے پاس چل ، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔' (تفسیر طبری ،ص:-927 928،ج:3،رقم:9923)

اس آیت کے ترجمہ و پس منظر سے یہ بات معلوم ہوئی:

4- مدینہ میں دو عدالتیں موجود تھیں ، نبی ﷺ کی اور کعب بن اشرف یہودی اور کافر کاہن کی۔

5- منافق آدمی نے اپنے مفادات کے لئے عدالت نبوی کا انکار کر کے کافر و طاغوت کاہن یا یہودی سردار سے فیصلہ کروانا چاہا اسی بناء پر اللہ تعالیٰ ان کی مذمت فرمائی۔

اور ہر صاحب شعور دین دار آدمی جانتا ہے کہ جو شخص نبوی عدالت کا انکار کر کے کفار کے فیصلہ پر راضی و خوش ہو اس کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

6- اگر معاشرے میں با اختیار اسلامی شرعی عدالت نہ ہو اور بندہ کو اپنا جائز حق لینا مطلوب ہو اور اس کے لئے وہ کسی ایسی عدالت میں جاتا ہے تو وہ قطعاً آیت بالا کا مصداق نہیں۔

اور اسی طرح بعض لوگوں کی یہ سوچ ہے:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ﴾ (المائدۃ:50)

اس کے تحت قانون یاسہ سے موجودہ عدالتوں کی طرف رجوع کرنے والوں کو طاغوت کے پجاری قرار دیدیتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی سلف صالحین اور معتبر مفسرین سے بیان کردی جائے تاکہ آیت کا مدعا و منشاء کماحقہ واضح ہو جائے جہاں تک قانون یاسہ یا الیاسق کا تعلق ہے اس پر تفصیلی بحث ہم سابقہ صفحات میں کر آئے ہیں اور جہاں تک اس آیت کے منشاء و مفہوم کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ (المتوفی:310ھ) رقمطراز ہیں:

"یہ یہود جنہوں نے اپنے مقدمے میں آپ ﷺ کو حاکم بنایا اور آپ ﷺ نے انکے درمیان فیصلہ کر دیا پھر یہ آپ ﷺ کے فیصلے سے راضی نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یعنی بت پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ انکے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس میں وہی فیصلہ مذکور ہے جو آپ ﷺ نے انکے درمیان کیا تھا اور یہی حق ہے اور اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام مجاہد اور امام ابن جریر طبری رحمہما اللہ کی تفسیر سے واضح ہو گیا ہے کہ یہود نے نبی ﷺ سے فیصلہ کروایا جب وہ فیصلہ انکے مفادات کے خلاف آیا تو انہوں نے انکار کر دیا جن پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ﴾ (المائدۃ:50)

"کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں"

معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی بااختیار شرعی عدالت سے فیصلہ لینے کے بعد اپنے اپنے مفادات کی خاطر اس شرعی فیصلہ کی خواہش رکھتا ہے ایسا آدمی یقیناجاہلیت کا دلدادہ ہے اور شریعت اسلامیہ کا باغی ہے۔

شرعی عدالت نہ ہونے کی صورت میں طاغوت سے فیصلہ کرانا

اگر معاشرے میں بااختیار اسلامی شرعی عدالت نہ ہو اور بندہ کو اپنا جائز حق لینا مطلوب ہو اور اس کے لئے وہ کسی ایسی عدالت میں جاتا ہے تو وہ قطعا آیت بالا کا مصداق نہیں۔اور وہ اپنے جائز حق کے لئے غیر شرعی عدالت جاسکتا ہے-جیسا کہ:

1- مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر کچھ صحابہ حبشہ چلے گئے۔ جب مشرکین مکہ نجاشی کے پاس پہنچے اور کہا کہ ان اصحاب رسول کو ان کے حوالے کیا جائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجعین نے اپنے دفاع میں دلائل پیش کئے تا کہ نجاشی ان کو مشرکین کے حوالے نہ کرے اور فیصلہ صحابہ کرام کے حق میں ہوا۔ نجاشی اس وقت طاغوت تھا کیونکہ حبشہ کے لوگ اسے سجدہ کرتے تھے۔

(مسند احمد: ۱/۲۰۱)

اگر طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا ہر صورت میں شرک ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کبھی بھی نجاشی کی عدالت میں نہ جاتے۔

2-یوسف علیہ السلام نے جیل سے شاہ مصر کو پیغام بھیجا کہ وہ عورتوں کے ہاتھ کٹنے والے واقعے کی حقیت یاد کرے۔اور اس پیغام کا اصل مقصد یہ تھا کہ شاہ مصر ان پہ لگے تہمت کا پہلے فیصلہ کرے۔

(فسئلہ مابال النسوۃ الّٰتی قطعن ایدیھم)
[یوسف:50]

"ان سے پوچھ ان عورتوں کا کیاحال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے"

اس آیت کے الفاظ و مفہوم پر غور کیجیے کہ مصر میں قانون طاغوت کا ہے جیسا کہ اسی سورت میں ہے:

(مَا كَانَ لِيَأۡخُذَ أَخَاهُ فِى دِينِ ٱلۡمَلِكِ)
(یوسف:76)

"ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ کے قانون میں وہ اپنے بھائی کو رکھ لیتا"

ایسے لوگ یوسف علیہ السلام نے بارے میں کیا فیصلہ دیں گے ؟ کیا معاذاللہ وہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی مشرک اور طاغوت سے کفر نہ کرنے والا کہیں گے۔(**نعوذباللہ من ذلک**)

3- **اسی طرح** 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے مسلمانوں پر مقدمات قائم کیے جن کی چارہ جوئی کے لئے علماء اہل حدیث اور دیوبند ان عدالتوں میں فیصلہ کروانے کے لئے گئے۔اسی طرح اگر کسی کی زمین،مکان پر کوئی ناجائز قابض ہو جائے،اگر وہ اپنا حق لینے کے لئے ان عدالتوں سے تعاون لیتا ہے تو وہ اس سے شیطان اور طاغوت کا پجاری نہیں بن جاتا۔

ایک خاموش پیغام: تاریخ گواہ ہے کہ جب تک معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی رضہ اللہ عنہ کا آپس میں اختلاف رہا، اس وقت تک دونوں ایک انچ زمین بھی فتح نہ کر سکے۔

(البدایہ ولنھایہ: جلد 6)

****

****ختم شدّ******